

سندِ کرہ صوفیائے سندھ

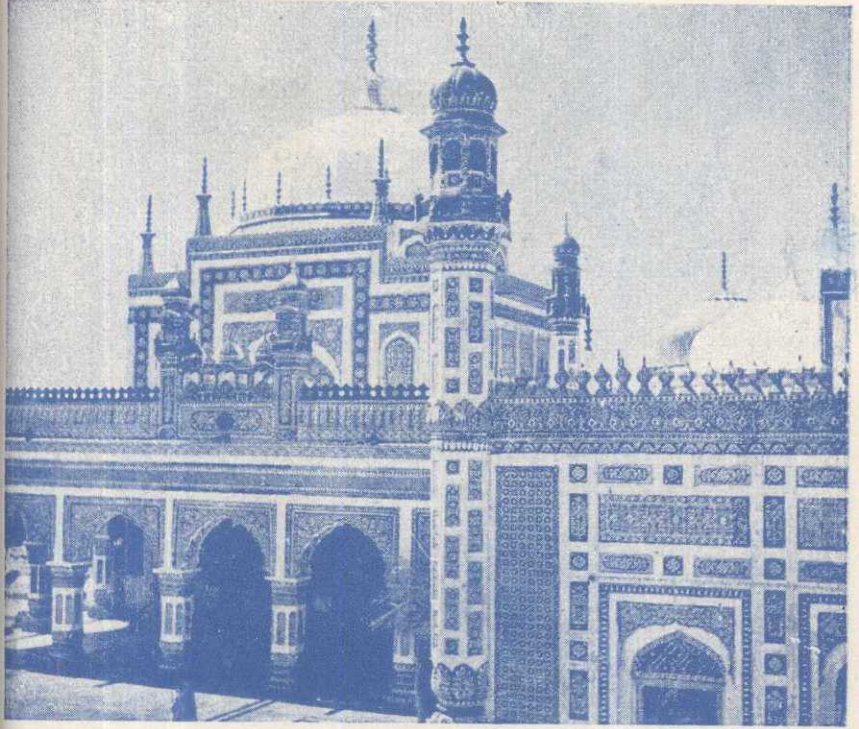
PDFBOOKSFREE.ORG

اعجاز الحق قدوسی



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

صبا بخاک مزارش سلام ما برماں
کہ چشم خفته ارباب مند را بکشاد



مندہ کے جلیل القدر صوفی ، عظیم المرتبت شاعر اور سندھی زبان و ادب کے محس
حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی درگاہ
واقع بھٹ شاہ
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

تذکرہ

صوفیائے سندھ

عجساز الحق قدوسی

اُردو اکیڈمی سندھ

بندر روڈ — کراچی

(جلہ حقوق حق مؤلف محفوظ)

کتابت	عزیز آفاقی
مطبوعہ	سپر آرٹ انگریڈ پریس - کراچی
بار اول	نمبر ۱۹۵۹ء
تعداد	ایک ہزار

قیمت :- سات روپے بجای ہے

پنجاب افس
اردو مرکز
گنیت روڈ - لاہور

اُن خوشگوار یادوں

لا محدود محبتوں کے نام

آغا بدر عالم ڈرائی سابق اسپیکر سندھ اسمبلی

مبین الحق صدیقی ممبر سینیٹ، کراچی یونیورسٹی

سے وابستہ ہیں

جو دیو لوں کو فتح کر لیں وہی فاتح زمانہ

اعجاز الحق قدوسی



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

www.pdfbooksfree.pk

تعارُف

مسلمانوں کے عروج و زوال اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی ساری داستان تاریخِ تصوف سے مرتب کی جاسکتی ہے۔ اربابِ تصوف نے نہ تو شمشیر و سنال استعمال کی اور نہ تنگی تلواریں لے کر اسپ تازی پر سوار منگولوں کی طرح ملکوں کو تباہ و برباد کرتے پھرے۔ ان کا طریقہ سب سے الگ تھا۔ وہ محبتِ انسانی مساوات اور داداری، حسنِ اخلاق اور وسیع النظری سے لوگوں کے دلوں میں محبت اور سچائی کے جذبات پیدا کر کے ان کی زندگیوں کی کایا کلپ کر دیتے تھے۔

ہر سچا انقلاب پہلے انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہوتا ہے اور بعد میں وہ خارجی روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ انقلاب جو اس کے برعکس شروع ہوتا ہی بہت جلد سراب بن کر رہ جاتا ہے۔ تصوف کی تاریخ انسان کے دل و دماغ کے انقلاب کی تاریخ ہے۔ عرفانِ ذات اور خود آگاہی سے انسان حقیقت کو سمجھنے لگتا ہے اور جب عرفانِ ذات کے ذریعہ انسان حقیقت کو دیکھنے، بھی لگے تو یہ وہ درجہ ہوتا ہے جہاں سے فلسفہ اور عمل ساتھ ساتھ انسان کی شخصیت سے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ ابن سینا جب دینا پور میں حضرت ابوسعید ابوالخیر سے ملے تو دورانِ ملاقات میں انھوں نے کہا کہ ”جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ دیکھتے ہیں“ یہ فقرہ بظاہر بہت معمولی سا دکھائی دیتا ہے لیکن عرفانِ ذات کی اس عظیم ترین بلندی کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں حقیقت، فرد کی ذات، کا جزو بن جاتی ہے۔ شیخ علی ہجویری نے ”کشف المحجوب“ میں عرفانِ ذات کی اسی عظمت کو حقیقت کی آخری منزل قرار دیا ہے۔ مولانا روم نے اس مسئلہ پر یوں روشنی ڈالی ہے کہ :-

”شریعت ہچوں شمعے است کہ راہ می نماید۔ چوں در راہ آمدی این

رفتن تو طریقت است و چوں بمقصود رسیدی آں حقیقت است“

تصوف تلاش حقیقت کے عمل کا نام ہے۔ علم باطن تصوف کی بنیاد ہے اور عشق و محبت اس کا اصل مقام۔ علم اور عمل، عرفان ذات اور خود آگاہی کے ذریعہ حقیقت تک پہنچنا تصوف کی معراج ہے۔

ابتدا میں تصوف پر خالص شریعت کا غلبہ تھا لیکن جیسے جیسے اسلام مختلف ملکوں میں پھیلتا گیا ویسے ویسے مختلف اثرات طریقت میں شامل ہوتے ہو گئے اور انہیں اثرات نے نئے نئے تصورات کی شکل اختیار کر کے مختلف سلسلوں کی بنیاد ڈالی۔ کوئی نقشبندی کہلایا اور کوئی قادریہ اور چشتیہ کہلایا۔ ہندوستان اور مشرق وسطیٰ میں تصوف پر ہندی ویدانت اور نوافلاطونی فلسفہ کا اثر بھی نظر آتا ہے۔ اس طرح تصوف نے ہر ملک و قوم کے مزاج، اس کے رسم و رواج اور فلسفہ سے اچھے اور کارگر عناصر لے کر اور اس میں زندگی کی نئی روح پھونک کر اسے ذہن انسانی کے فہم سے قریب تر کر دیا اور اس میں ایسی کشش و گیرائی پیدا کر دی کہ تصوف ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا جس نے انسانی قلوب پر کھمبائی کر کے بڑے بڑے سلاطین کو اپنے آستانے پر جھکنے پر مجبور کیا۔ مولانا روم کے والد مولانا بہار الدین بیکتائے روزگار تھے۔ امیر و غریب ان کے حلقہ بگوش تھے۔ محمد خوارزم شاہ بھی اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن جو پہنچا تو دیکھا کہ سینکڑوں ہزاروں کا مجمع لگا ہے۔ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ امام رازی ساتھ تھے۔ فرمانے لگے ”اگر اس کا تدارک ابھی نہ کیا گیا تو پھر مشکل پڑے گی“ خوارزم شاہ نے قلعہ اور غرنے کی کنجیاں بھجوا دیں اور کہلا بھیجا کہ اسباب سلطنت میں سے صرف یہی میرے پاس رہ گئی ہیں وہ آپکی نذر ہیں۔ ارباب تصوف کا یہی وہ اثر تھا جس سے وہ لوگ شاہ وقت کے مقابلے میں ایک نئی قوت بن گئے تھے۔ ارباب تصوف کا یہ کمال رہا ہے کہ انھوں نے عرفان ذات اور داخلیت پر زور دینے کے باوجود کبھی تصوف کو نہ تو منفی رجحانات کا حامل بننے دیا اور نہ کبھی فراریت اور ترک دنیا کی طرف مائل کیا اور جب اقتدار زمانہ سے اس میں منفی

انداز فکر اور ترک دنیا کا تصور داخل ہوا تو اس کا یہ اثر زائل ہو گیا اور اس کی قوت ضعیف ہو گئی۔ عیسائی تصوف میں خیال اور ہستی کو الگ الگ رکھ کر دیکھا اور سمجھا گیا ہے۔ اسپونوزا سے لیکر ہیگل تک سارے عیسائی فلسفیوں کے ہاں یہی رجحان ملتا ہے۔ انیسویں صدی میں کیرک گارڈ نے خیال اور ہستی کو ایک دوسرے میں جذب کرنے کی کوشش کی لیکن اسلامی فلسفہ تصوف شروع ہی سے خیال و ہستی کو لازم و ملزوم سمجھتا رہا ہے اور اس نے خیال کو عمل کے ساتھ متصف سمجھا ہے اور تصوف کو شریعت کی طریقت سمجھ کر پروان چڑھایا ہے۔ اسلامی تصوف میں شروع ہی سے فعال قوت کا احساس ہوتا ہے۔ فرد، عرفان ذات کے ذریعہ خود کو کامل بنا کر حقیقت تک پہنچنے کی سعی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر گرد و پیش، ماحول، دنیوی معاملات اور انسانیت کو نظر انداز کر کے ”بیچ آفت نہ رسد گوشہ تنہائی را“ کی روشنی میں زندگی بسر کی جائے تو ایسے میں عرفان ذات سے انسانیت کو کیسے مستفیض کیا جاسکتا ہے اور اصل حقیقت تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟ تصوف کی تخلیقی قوتوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تصوف نے فلسفہ کو ایک نئی آگاہی اور نیا شعور عطا کیا اور اس کے سامنے بہت سے ایسے مسائل لا کھڑے کئے جن پر رسول ذہن انسانی غور و فکر کرتا رہا۔ وحدت الوجود، جبر و اختیار، ہستی مطلق، فنا و بقا وغیرہ فلسفہ تصوف ہی کے مرہون منت ہیں۔

سنہ ۵۰ھ میں خلافت نبو امیہ سے بنو عباس میں پہنچ گئی اور دار الخلافہ دمشق کے بجائے بغداد قرار پایا۔ اسی زمانے میں عربوں کا نیا دار السلطنت سندھ کے قریب ہو گیا۔ اس سے سندھ کی زندگی میں گہما گہمی پیدا ہو گئی اور اسلامی علماء و حکماء اور بزرگان دین مختلف علاقوں سے سمٹ کر یہاں جمع ہونے لگے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کچھ ہی عرصہ بعد بوعلی سندھی جیسے بزرگ ہمیں اس سر زمین میں نظر آنے لگتے ہیں۔ بوعلی سندھی وہی بزرگ ہیں جن کے متعلق مولانا جامی نے حضرت بایزید کے حوالہ سے ”نجات الانس“ میں لکھا ہے کہ ”میں نے علم توحید اور فنا بوعلی سندھی سے سیکھے اور اسلامی توحید بوعلی سندھی نے مجھ سے سیکھی“ محمود غزنوی کے حملوں کے بعد سے مسلمانوں

کی آمد و رفت کا سلسلہ اور بڑھ گیا اور جب شہاب الدین محمد غوری نے دہلی پر قبضہ کیا اور یہاں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت مستحکم ہو گئی تو مشرق وسطیٰ اور وسطی ایشیا وغیرہ سے بھی علماء اور مفکرین وغیرہ آکر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وسطی ایشیا میں منگولوں کے حملوں نے ہر طرف تباہ کاری مچا رکھی تھی۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر کے ہر گوشے میں صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین اپنے اپنے حسنِ اخلاق و رواداری اور انسان دوستی کے ذریعہ اشاعتِ اسلام کرتے نظر آ رہے ہیں۔

مولانا اعجاز الحق قدوسی کی یہ کتاب سندھ کے ان صوفیائے کرام کے بارے میں ہے جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے طور پر انسانیت کا درس دیا اور رواداری انسان دوستی و محبت سے ذہن انسانی کو بدل کر اشاعتِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ سندھ میں طریقت کے تین سلسلے ہیں :- قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ۔ اس کتاب میں خاص طور پر انہی تین سلسلوں کے بزرگوں کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اردو میں اب تک کوئی کتاب اس طور پر اس موضوع پر نہیں لکھی گئی تھی۔ قدوسی صاحب کی یہ کوشش قابلِ ستائش ہے۔

جمیل جالبی

۵ نومبر ۱۹۵۹ء

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷	خلفا	۲۲	نظام اصلاح و تربیت	۵۵	ماخذ
۵۶	مخدوم آدم نقشبندی	۲۶	استجاب و عطا	۵۶	پیش لفظ
۵۷	المعروف بمخدوم آدم	۲۷	مریدین و خلفا	۱۹	جناب سیاحام الدین صاحب راشدی
۶۰	نام و نسب	۲۵	حجرہ حضوری	۲۹	مقدمہ از مؤلف
۶۰	بیعت	۲۶	وفات	۲۹	الف
۶۰	ریاضت و مجاہدے	۲۷	فضائل	۳۳	شیخ ابوتراب
۶۱	خلافت	۲۷	شاعری	۳۵	ایک سوال
۶۲	بمعصوم کی توقیر	۲۸	اولاد	۳۵	درویش احمد محمد
۳۷	فضائل	۲۸	درویش اسحاق	۳۷	حالات
۳۹	وفات	۲۹	معروف ابی اسحاق پورے	۳۹	اتباع شریعت
۴۰	اولاد	۲۹	حالات	۴۰	شامل وقت کو ملاقات کا اشتیاق
۴۱	خلفا	۵۰	مزار	۴۱	وفات
۴۲	مخدوم ابو القاسم	۴۲	وفات	۴۲	مخدوم احمد کی اولاد
۴۲	معروف حضرت نقشبندی	۴۲	شیخ ابراہیم	۴۲	مخدوم محمد کی اولاد
۵۱	نام - لقب - کینت	۵۱	حالات	۴۲	مخدوم اسماعیل سومرہ
۴۳	تعلیم و تربیت	۵۲	مزار	۴۳	حالات
۴۳	حضرت شاہ سیف الدین	۴۳	ب	۴۳	جو دو سخا
۴۳	سے ملاقات	۵۳	مخدوم بلال تلمی	۴۳	ذکر الہی
۴۳	بیعت	۵۴	نام و وطن	۴۳	خدمت خلق
۴۴	مرشد کا ارشاد	۵۴	ملاقات و ہم نشینی	۴۴	تلاوت کلام اللہ
۴۴	پیر کے ارشاد کی تعمیل	۵۴	علوم ظاہری	۴۴	وفات

۸۹	دفع و قطع	۷۷	ازدواج	۶۶	عبادت
۹۰	بزرگی	۷۷	ترک وطن اور وفات	۶۶	رشد و ہدایت
۹۱	مزار	۷۷	اولاد	۶۶	بزرگوں کی عقیدت
	✓ حضرت شیخ محمد حسین صفائی		شیخ جمیہ	۶۷	وفات
۹۲	ابتدائی حالات	۷۸	نوب و خاندان	۶۷	خلفاء و مریدین
۹۲	توجہ شیخ	۷۹	کرامت	۶۸	شاعری
۹۲	استغنا	۷۹	مزار		✓ درویش برکیہ کا تیار
۹۳	سراسر اندازی	۸۰	فضائل	۶۹	حالات
۹۳	تصنیف		مخدوم شیخ جمعہ	۶۹	مجاہدات
۹۳	وفات	۸۲	حالات	۷۱	مزار
	✓ درویش حسن مرقی		وفات		✓ حضرت شیخ پٹھادیلی
۹۴	حالات	۸۳	مزار	۷۲	نام و نسب
۹۵	وفات		چ	۷۲	بزرگی و عظمت
	✓ خ		درویش چرکس	۷۲	بیعت
	✓ شیخ خضر سیستانی	۸۴	نام و خاندان	۷۳	سندھیں اردو کا پہلا فقرہ
۹۶	حالات	۸۴	حالات	۷۴	وفات
۹۸	وفات	۸۵	مزار	۷۴	عرس
	✓ قاضی خیر الدین		ح		ج
۹۹	حالات		✓ شیخ حماد جمالی		✓ حضرت سید
۹۹	وفات	۸۶	نام و نسب		جلال الدین بخاری
	✓ ی	۸۶	خانقاہ		جلال سرخ
	✓ قاضی دتہ سیستانی	۸۷	طلباء کی تعداد	۷۶	نام و نسب
۱۰۰	نام و نسب	۸۷	مریدوں کا خیال	۷۶	بھکر میں تشریف آوری
۱۰۰	تعلیم	۸۸	استجاب دعا	۷۶	بیعت
۱۰۱	تفسیر سے شغف	۸۹	مسجد مکی	۷۶	بزرگی و عظمت

۱۲۲	اولاد	حضرت سید علی کی	۱۰۱	حافظہ
۱۲۳	سید شاہ عبداللہ حسینی	تشریف آوری کے متعلق	۱۰۱	شاہ حسن ارغون کی عقیدت
	مشہور بہ	صاحب تحفۃ الکرام کا بیان	۱۰۱	مزار
	عبداللہ صحابی	جلالت شان		س
۱۲۳	نام - لقب	مزار		حضرت میاں سید علی
۱۲۳	خاندان	اولاد		کلال شیرازی
۱۲۳	سندھ میں تشریف آوری	پیر صلاح الدین	۱۰۲	ولادت
۱۲۴	عبادت	حالات	۱۰۲	پیر کی دعا
۱۲۴	وفات	وفات	۱۰۲	اولاد
	مزار مبارک کی	ع	۱۰۳	وفات
۱۲۵	جدید تعمیر	ملا عبدالرحمن لٹر	۱۰۳	فضائل
۱۲۵	کرامت	نام و وطن		حضرت میاں سید علی
	سید عبدالکریم	عظمت		ثانی شیرازی
۱۲۶	نسب و خاندان	مزار	۱۰۵	خاندان
۱۲۶	ولادت	شیخ عیسیٰ لنگوٹی	۱۰۵	مدینہ طیبہ میں حاضری
۱۲۶	تعلیم طریقت	ابتدائی حالات	۱۰۶	سجادت و فیاضی
۱۲۶	بیعت	مہمصوروں سے ملاقاتیں	۱۰۶	رشد و ہدایت
۱۲۸	بڑی میں قیام	شاعری	۱۰۶	تصانیف
۱۲۸	عبادت	وفات	۱۰۶	شہنشاہ ہمایوں کی عقیدت
۱۲۹	تہجد	مخدوم عربی دیانہ	۱۰۶	وفات
۱۲۹	پیر بھائیوں کی محبت	خاندان	۱۰۶	اولاد
۱۳۰	مرشد کا فیض	تلاوت قرآن		ص
۱۳۱	اطاعت مرشد	خوش الحانی		حضرت شاہ صدر
۱۳۱	وفات	عبادت	۱۰۸	نام و خاندان
۱۳۱	خلفاء	وفات	۱۰۹	لکھنوی سادات

اولاد	۱۳۲	بیعت لینے کا طریقہ	۱۵۹	مخالفین سے
صوفی شاہ		مریدوں کی تقسیم	۱۶۱	حسن سلوک
عنایت اللہ		سماع	۱۶۱	وفات
نام و نسب	۱۳۲	درس و تدریس	۱۶۲	فضائل
ولادت	۱۳۵	تصانیف	۱۶۲	ف
بیعت	۱۳۵	وفات	۱۶۳	شاہ فقیر اللہ علوی
علوم ظاہری	۱۳۶	اولاد	۱۶۳	نام و نسب
ٹھٹھہ میں تشریف آوری	۱۳۶	خلفا	۱۶۳	تقسیم
جھوک میں قیام	۱۳۷	قاضی عبدالرحمن شہید		بیعت
اس زمانے کا ماحول	۱۳۸	مخدوم کھوڑا		قندھار میں قیام
واقعہ شہادت	۱۴۱	خاندان و وطن	۱۶۵	شکار پور میں قیام
مزار	۱۴۸	استقامت دین	۱۶۶	رشد و ہدایت
اولاد	۱۴۸	شہادت کا واقعہ	۱۶۷	شاہان وقت کی عقیدت
مریدین و معتقدین	۱۴۹	شہادت	۱۶۸	علمائے عصر سے
شیخ عیسیٰ جند اللہ		مرثیہ	۱۶۹	تعلقات
نام و نسب	۱۵۶	اولاد	۱۷۰	کتاب خانہ
ترک وطن	۱۵۶	شاہ عبداللطیف بھٹائی		تصانیف
ولادت	۱۵۷	نام و نسب	۱۷۲	شاعری
تقسیم	۱۵۷	ولادت	۱۷۵	وفات
سفر	۱۵۷	تقسیم	۱۷۵	ق
چچا کا خط	۱۵۸	بھٹ میں قیام	۱۷۶	درویش قطب
بیعت	۱۵۸	شاہ جو رسالو	۱۷۸	ارادت
ریاضتیں اور مجاہدے	۱۵۸	غریبوں کی محبت	۱۷۸	بوہک میں
اطاعت شیخ	۱۵۹	وطن کی محبت	۱۷۹	تشریف آوری
توکل و استغفار	۱۵۹	شاعری	۱۸۰	وطن و مدفن

۲۱۹	۲۰۹ وفات	تبلیغ دین	ل
۲۱۹	۲۱۰ اولاد	مراد کا لقب	مخدوم لعل شہباز
۲۱۱	شیخ میر محمد	مسجد صفہ کی تعمیر	قلندر سیوتانی
	مشہور بہ	تبلیغی کوششوں	نام و نسب
۲۱۲	میاں میر	۱۹۹ کے ثمرات	وطن
۲۲۰	۲۱۲ نام و نسب	۱۹۹ وفات	ولادت
۲۲۰	۲۱۳ وطن	۲۰۰ نماز جنازہ	بیعت
۲۲۱	۲۱۳ ولادت	۲۰۰ خلفاء	سیاحت
۲۲۱	۲۱۳ تعلیم طریقت	۲۰۱ فضائل	خان شہید کی عقیدت
۲۲۱	بیعت	۲۰۲ شیخ موسیٰ آمیدانی	سندھ میں تشریف آوری
۲۲۲	۲۱۵ رشد و ہدایت	۲۰۳ حالات	پہلی برکت
۲۲۲	وفات	۲۰۳ سید شاہ مکین	رشد و ہدایت
۲۲۳	۲۱۶ تاریخ وفات	۲۰۳ نام و حالات	جذب و سکر
	۲۱۶ جہانگیر کی	۲۰۳ علوئے مرتبت	علم و فضل
۲۲۷	۲۱۶ عقیدت	۲۰۴ عبادات	شاعری
	۲۱۶ شاہجہاں کی	۲۰۴ رشد و ہدایات	وفات
۲۲۵	۲۱۶ عقیدت	۲۰۴ شہادت	روضہ کی تعمیر
	دارا شکوہ کی	۲۰۶ سید میر کلال	فضائل
۲۲۶	۲۱۸ عقیدت	نام و نسب	۳
۲۲۷	خلفاء	سندھ میں	حضرت سید محمد حسین
	۲۱۸ شیخ مغل چاچک	تشریف آوری	معروف بہ
۲۳۱	حالات	حضرت شہباز قلندر	پیر مراد
۲۳۲	۲۱۸ وفات	کی عقیدت	نام و نسب و
۲۳۳	۲۱۹ اولاد	۲۰۸ زہد و عبادت	خاندان
	۲۱۹ فقراء و مکین کا خیال	۲۰۸ فقراء و مکین کا خیال	ولادت

۲۴۰	۲۴۸ ولادت	شاعری	میر محمد یوسف
۲۴۰	۲۵۰ تعلیم و تربیت	علوئے مرتبت	رضوی
۲۴۰	۲۵۱ اساتذہ کا ادب	۲۳۲ وفات	خاندان
۲۴۱	۲۵۲ رشد و ہدایت	۲۳۲ تاریخائے وفات	بیعت
۲۴۱	خلفاء	مخدوم محمد زماں	کھٹھہ میں
۲۴۲	تصانیف	۲۳۵ اول	تشریف آوری
۲۴۲	۲۵۶ وصال	۲۳۴ نام و خاندان	بزرگوں کا اعتراف
۲۴۳	۲۵۶ سجادگی	۲۳۸ ولادت	شاعری
۲۴۴	۲۵۶ اولاد	۲۳۸ تعلیم	ازدواج و اولاد
	۲۵۷ شیخ الشیوخ	۲۳۸ بیعت	تربیت
	۲۵۸ حضرت نوح	۲۳۸ خلافت	مدفن
	بھکری	ناری میں	مخدوم محمد معین
۲۴۸	۲۵۸ حالات	تشریف آوری	کھٹھوی
۲۴۸	بیعت	۲۳۹ شاہ عبداللطیف کی	نام و نسب
۲۴۹	۲۵۹ مزار	۲۳۹ حاضری	وطن
۲۴۹	۲۵۹ فضائل	۲۳۹ شاہ کی عقیدت	تعلیم
	سید نظام	۲۳۲ مریدوں کی تربیت	بیعت
	۲۶۰ بھکری	شب بیداری	صوفی شاہ عنایت سے
۲۸۰	۲۶۱ حالات	۲۳۳ اتباع شریعت	عقیدت
۲۸۰	۲۶۱ سماع	جود و سخا	شاہ عبداللطیف بھٹائی
۲۸۱	۲۶۲ مزار	۲۳۳ وفات	سے عقیدت
	۲۶۲ حضرت مخدوم نوح	۲۳۲ خلفاء و مریدین	مدفن
	۲۶۲ لائی	اولاد	اہل کھٹھہ کی
۲۸۲	نام - نسب - خاندان	۲۳۵ پیر محمد راشد	عقیدت
۲۸۳	۲۶۳ ولادت	۲۳۶ نام و نسب	تصانیف

۳۲۰	۳۲۰	ادبِ رسول	۲۸۲	تعلیم
۳۲۰	۳۲۲	وفات	۲۸۶	عبادت
	بنی بی	۴	۲۸۷	توکل
	جمال خاتون	شیخ الشیوخ	۲۸۸	استجاب دعا
	سیوستانی	ہوتی لاکھا	۲۸۸	ابتداء شریعت
۳۳۱	۳۲۳	حالات	۲۸۹	خدمتِ خلق
۳۳۱	۳۲۳	ریاضت و عبادات	۲۹۰	تصنیف
۳۳۱	۳۲۳	کرامت	۲۹۱	پیلا مرید
	بنی بی رانی	اولاد	۲۹۱	مفوضات
۲۳۲	۳۲۲	مزار	۲۹۲	علو مرتبت
	بنی بی فاطمہ	ی	۲۹۶	وفات
	معروف بہ	درویش یعقوب	۲۹۶	ازدواج و اولاد
	بنی بی حاجیانی	پلیچہ	۲۹۸	یارانِ مخدوم نوح
۳۳۲	۳۲۵	حالات		و
۳۳۲	۳۲۶	وفات		درویش و ہمیہ
۳۳۲	استجاب دعا	خواتین	۳۱۹	حالات
۳۳۵	مدفن	بنی بی تاری	۳۱۹	مجتہد رسول
	بنی بی	نام و خاندان		امراء اور اہل حکومت
	نور بھری	خشیت الہی	۳۲۰	پر اثر
۳۳۶	۳۲۹	روزیہ	۳۲۱	طریقہ اصلاح

۱۶۶	تاریخ	۱۶۶	تاریخ
۱۶۷	تاریخ	۱۶۷	تاریخ
۱۶۸	تاریخ	۱۶۸	تاریخ
۱۶۹	تاریخ	۱۶۹	تاریخ
۱۷۰	تاریخ	۱۷۰	تاریخ
۱۷۱	تاریخ	۱۷۱	تاریخ
۱۷۲	تاریخ	۱۷۲	تاریخ
۱۷۳	تاریخ	۱۷۳	تاریخ
۱۷۴	تاریخ	۱۷۴	تاریخ
۱۷۵	تاریخ	۱۷۵	تاریخ
۱۷۶	تاریخ	۱۷۶	تاریخ
۱۷۷	تاریخ	۱۷۷	تاریخ
۱۷۸	تاریخ	۱۷۸	تاریخ
۱۷۹	تاریخ	۱۷۹	تاریخ
۱۸۰	تاریخ	۱۸۰	تاریخ
۱۸۱	تاریخ	۱۸۱	تاریخ
۱۸۲	تاریخ	۱۸۲	تاریخ
۱۸۳	تاریخ	۱۸۳	تاریخ
۱۸۴	تاریخ	۱۸۴	تاریخ
۱۸۵	تاریخ	۱۸۵	تاریخ
۱۸۶	تاریخ	۱۸۶	تاریخ
۱۸۷	تاریخ	۱۸۷	تاریخ
۱۸۸	تاریخ	۱۸۸	تاریخ
۱۸۹	تاریخ	۱۸۹	تاریخ
۱۹۰	تاریخ	۱۹۰	تاریخ
۱۹۱	تاریخ	۱۹۱	تاریخ
۱۹۲	تاریخ	۱۹۲	تاریخ
۱۹۳	تاریخ	۱۹۳	تاریخ
۱۹۴	تاریخ	۱۹۴	تاریخ
۱۹۵	تاریخ	۱۹۵	تاریخ
۱۹۶	تاریخ	۱۹۶	تاریخ
۱۹۷	تاریخ	۱۹۷	تاریخ
۱۹۸	تاریخ	۱۹۸	تاریخ
۱۹۹	تاریخ	۱۹۹	تاریخ
۲۰۰	تاریخ	۲۰۰	تاریخ

آخذ

۱	تحفة اکرام فارسی	میر علی شیر قانع ٹھٹھوی
۲	تُب تاریخ سندھ	خان بہادر خداداد خاں
۳	تاریخ سندھ	میر معصوم بھکری
۴	مدیقۃ الاولیاء قسلی	سید عبد القادر
۵	ذخیرۃ الخوانین قسلی	شیخ فرید بھکری
۶	ہیئت العالم قسلی	شیخ اعظم بن شیخ محمد شفیع ٹھٹھوی
۷	تحفۃ الطاہرین	شیخ اعظم بن شیخ محمد شفیع ٹھٹھوی
۸	مقالات الشعراء	میر علی شیر قانع ٹھٹھوی
۹	حواشی مکی نامہ	مرتہ سید حسام الدین راشدی
۱۰	معارف الافوار	محمد صالح بن ملازکریا ٹھٹھوی
۱۱	تذکرۃ المراد	شیخ حسین صفائی ٹھٹھوی
۱۲	تذکرہ مشاہیر سندھ قسلی	مولیانہ دین محمد وقانی مرہوم
۱۳	مرغوب الاحباب قسلی	نظیر علی
۱۴	منشور الوصیت	میاں نور محمد کھٹورا
۱۵	تحفۃ اکرام (سندھی)	مترجمہ مخدوم امیر احمد
۱۶	دراسات البلیب	مخدوم محمد معین ٹھٹھوی
۱۷	تکمید مقالات الشعراء	مخدوم ابراہیم خلیل

سید مطیع اللہ راشد بریلوی	بریلوان پور کے سندھی اولیاء	۱۸
(شہید نمبر) سندھی	رسالہ نین زندگی	۱۹
سندھی ادبی بورڈ	رسالہ مہران	۲۰
(شاہ صدر نمبر)	روزنامہ اخبار مہران (سندھی)	۲۱
سید صباح الدین	بزم صوفیاء	۲۲
شیخ اکرام	موج کوثر	۲۳
شیخ عبدالحق	اخبار الاخیر	۲۴
میرک یوسف	منہر شہبانی قلمی	۲۵
حاجی پھور	دلیل الذاکرین قلمی	۲۶
سید علی گوہر حسینی	خزینۃ المعرفۃ قلمی	۲۷
خلیق نظامی	تاریخ مشائخ چشت	۲۸
مولانا غلام رسول مہر	سیرت سید احمد شہید	۲۹
سید جمال الدین شرازی قنوی	ترجمان نامہ	۳۰
شیخ رکن الدین	لطائف القدوسی	۳۱
	تاریخ اسلام	۳۲

پیش لفظ

جناب سید حام الدین راشدی صاحب

مولانا اعجاز الحق قدوسی ۱۹۵۲ء میں ہمارے ادارے "سندھی ادبی بورڈ" میں اس لئے مقرر ہوئے تھے، کہ "تاریخ سندھ" کے سلسلے میں ہم جس مواد کی نشاندہی کریں، وہ اس کو سلیقے سے نقل کر کے فائلوں میں منسلک کرتے جائیں۔ خیال یہی تھا کہ مولانا اپنے ہمسکaroں ہی کی طرح دفتری اوقات تک، سندھ اور اس کی تاریخ سے سروکار رکھیں گے۔ جہاں وقت ختم ہوا اور یہ دوسرے غیر علمی مشاغل میں مصروف رہ کر زندگی جیسی قیمتی چیز کو صرف بلکہ ضائع کرتے رہیں گے۔ لیکن معاملہ بالکل برعکس نکلا۔ ایک عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ دفتر میں رہنے سے ان کا مطمح نظر یا مقصد فقط تنخواہ حاصل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ وہ زندگی کے قیمتی اوقات کو دفتر سے باہر رہ کر بھی، علمی مشاغل اور مصروفیتوں میں صرف کرتے ہیں۔

مولوی صاحب چونکہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خاوند سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ایک بہت بڑا علمی پس منظر ان کی پشت پر ہے۔ خدا جلنے

یہ اس کا اعجاز ہے ، یا میرے عزیز وطن ، یعنی سرزمین سندھ کی تاریخی ، علمی ، ادبی اور روحانی ماضی کی کشش تھی کہ مولوی صاحب نے ہمارے دفتر سے متعلق ہونے کے بعد اسی سرزمین کی تاریخ اور ماضی کی علمی ، ادبی اور دینی عظمتوں کو اُجاگر کرنے کے لئے اپنے آپ کو مخصوص کر لیا ۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی سندھ کی تاریخی کہانیاں ہے ۔ جو شائع ہوتے ہی اپنی دلچسپی اور دلآویزی کی وجہ سے ، قبولِ عام کا شرف حاصل کر چکی ہے ۔ سندھ کے فارسی گو شعراء پر انھوں نے ایک کتاب مرتب کی ہے جو عنقریب منظرِ عام پر آئے گی ۔ جدید تاریخ سندھ کی تدوین بھی ان کے پیشِ نظر ہے ۔ تصوف چونکہ ان کا خاندانی ورثہ ہے ، اور ذاتی طور پر وہ خود بھی اسی طرف میلان رکھتے ہیں ، اس لئے اس ذوق کی تسکین کے لئے انھوں نے ” تذکرہ صوفیائے سندھ “ بڑی کاوش ، تحقیق اور تلاش سے مرتب کیا ہے ۔ جس کو آئندہ صفحات میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے ۔ ان کی یہ کتاب سندھ کے مختلف سلسلوں کے اکابر صوفیائے کرام سے متعلق ہے ۔ جن کی ذات گرامی ، کفایت و کردار ، فکر و عمل ، حق پرستی اور صداقت کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے ۔

سندھ کو ہند و پاک کے گوشے گوشے پر نہ صرف اس لئے برتری حاصل ہے کہ یہ خطہ قدیم ترین تہذیب اور تمدن کا حامل ہے ، بلکہ افضلیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جس صدی میں عرب کے ریگ زار میں کلہوڑو حید کی صدا گونجی ،

عین اسی صدی میں ہی اس سرزمین نے بھی اُس صدا پر لبیک کہہ کر اپنے آپ کو اسلام کے آغوش میں ڈال دیا۔ اسلام نے جو دینی اور دنیوی نعمتیں اپنے ماننے والوں کو بخشیں اُن کے حصول میں یہ بھی یہ ملک اور اس ملک کی قوم، ہندو پاک میں سب سے پہلے پیش پیش رہی۔

جس زمانے میں تصوف کی داغ بیل عرب میں پڑی، اسی دور میں یہاں بھی اس کی نشوونما ہوئی۔ بہت سے اکابر صوفیا اور جلیل القدر بزرگ انہیں ابتدائی صدیوں میں یہاں پیدا ہوئے جن کی کشش اور جذب نے دوسرے ممالک کے صوفیائے کرام کو بھی فنا ہی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

عرب، عراق اور عجم سے جو صوفیائے کرام ہندوستان اور پاکستان کی طرف آئے۔ ان میں سے زیادہ تر یہاں سے ہوتے ہوئے پھر دوسرے گوشوں کی طرف عازم ہوئے۔ اور کتے اہل اشر و ایسے بھی ہیں جو یہاں آتے ہی یہاں کے ہو گئے، شیخ زبانی شیخ فوج بھکری اور شیخ عثمان مرندی اسی خاک میں پیوست ہوئے۔ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، جب ہندوستان تشریف لائے، تو وہاں جانے سے پیشتر اپنے مرشد حضرت عثمان اردوئی کی معیت میں سندھ پہنچے، اور سیوہن میں رہ کر وہاں کے عارف کامل شیخ صدق الدین محمد احمد سیوستانی سے سلوک کے مقامات طے کئے۔ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر حضرت ہارونی علیہ الرحمۃ کے چلہ کشی کا حجرہ ابھی تک سیوستان کی پہاڑی پر

موجود ہے۔ حضرت خواجہ زید گنج شکر اپنے پیر و مرشد حضرت
 بختیار کاکلی کی ہدایت پر جب علوم ظاہری و باطنی کے لئے عازم
 سفر ہوئے تو آپ سیستان میں بھی تشریف لائے۔ یہاں اس
 دور کے شیخ کبیر حضرت اودعد الدین اور یہاں کے کئی دوسرے
 اولیائے کبار سے ملاقاتیں کیں اور بہت کچھ اُن سے حاصل کیا۔
 شیخ زکریا سندھی اور شیخ عصاہ سیستانی، آپ ہی کے دوسندھی
 خلفاء ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کے نعل شب چسراغ حضرت شیخ
 نصیر دہلوی بھی یہاں تشریف لائے۔ وہ اُس وقت یہاں
 موجود تھے، جب سلطان محمد تغلق نے ٹھٹھہ کے قریب وفات
 پائی۔ سلطنت ہند کا تاج فیروز کے سر پر آپ ہی نے یہاں
 رکھا اور یہیں سے آپ حضرت قطب الدین کی ملاقات کو،
 ہانسی تشریف لے گئے۔ حضرت جلال الدین سمرخ بخاری
 جب اپنے وطن سے نکلے تو سب سے پہلے بھکر پہنچے،
 اور وہاں کے جید صوفی حضرت سید بدر الدین کی صاحبزادی سے
 عقد کیا۔ اسی بی بی کے بطن سے سید احمد کبیر ولد ہمنے
 جن کے صاحبزادے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ہیں۔ حضرت
 جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کا اس سرزمین سے بہت ہی
 گہرا تعلق رہا ہے۔ سلطان فیروز اور سلاطین سندھ کے درمیان
 آپ ہی کی کوششوں سے صلح ہوئی اور آپ کے دو صاحبزادے
 سید صدر الدین اور سید ناصر الدین بھی بھکر میں مدفون ہوئے
 حضرت شیخ بابو تاج الدین بھکری جو اپنے دور کے کابل ولی

ہیں، آپ ہی کے خلیفہ ہیں۔ شیخ بہار الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سہروردی کی فرائض پر جب عراق سے نکلے تو سب سے پہلے حضرت شیخ نوح بھکری سے ملاقات کے لئے بھکر پہنچے۔ لیکن شیخ پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اس لئے ملتان گئے لیکن سندھ میں آتے جلتے رہے۔

اگر اس طرح کے واقعات تاریخ سندھ سے جمع کئے جائیں تو ہند و پاک کا شاید ہی کوئی صوفی اور بزرگ نکلے جو سندھ نہ آیا ہو اور جس کا سندھ کی سرزمین کے ساتھ کسی نہ کسی وجہ سے تعلق خاطر نہ ہو۔

سندھ کا یوں تو ہر قصبہ اور تہذیب، بلکہ یوں کہیے کہ چمچہ چمچہ اور گوشہ گوشہ تصوف اور عرفان، رشد اور ہدایت کا مرکز رہا ہے۔ لیکن خاص طور پر قدیم شہروں میں اور، دیبل سیوستان، منصورہ، مٹھہ، بھکر وغیرہ اور جدید شہروں میں روہڑی، ریل، لکھنوی، منٹولی، ہالا، لاری، ٹٹلی اور بوبک وغیرہ کو اس سلسلہ میں ہمیشہ سے مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اور یہی شہر تھے، جو عرفان و تصوف، اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفس کے سرچشمہ بنے رہے، اور سندھ میں سماجی انقلاب لانے کا باعث ہوئے۔ اور یہیں کی خائستہاں تھیں جن کے نظام اصلاح و تربیت نے نہ صرف اخلاقی قدروں کو بلند کیا، بلکہ ایمان اور عمل کی قوتوں کو اُجاگر کر کے خدا شناسی کی فضا قائم کی، اور معصیت کے تمام سوتوں کو خشک

کر دیا۔ آج کے گئے گزرے دور میں بھی جب کوئی ان شہروں میں پہنچتا ہے تو جو قلبی سکون، ذہنی راحت اور روحانی طہائیت وہاں میسر آتی ہے وہ اور کہیں ملنی مشکل ہے۔ اور یہ ساری برکت اُسی گزرے ہوئے زمانے کی وجہ سے ہے۔

سندھ میں صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کے تذکرے کہتے کہاں کہاں اور کب کب لکھے گئے اس کا کچھ علم نہیں۔ سندھ کے علمی ذخائر ہر قرن اور ہر دور میں تباہ و برباد ہوتے رہے اس لئے نہ تو پہلے تذکرے محفوظ رہے اور نہ ان کی نشاندہی آج کسی تاریخ سے ہو سکتی ہے۔ آج تک جو اس سلسلہ کی کتابیں ملتی ہیں یا جن کے نام مل سکتے ہیں وہ یہ ہیں :-

۱ تذکرہ اولیائے سندھ علامہ قاضی محمد بخش ٹھٹھوی

۲ حقیقۃ الاولیاء عبدالقادر بخش ٹھٹھوی

۳ تحفۃ الطاہرین شیخ اعظم ٹھٹھوی

۴ تحفۃ الکرام جلد سوم میر علی شیر قانع ٹھٹھوی

۵ معیار سالکان طریقت

۶ طوابع سلاسل

۷ تذکرۃ المراد شیخ حسین صفائی ٹھٹھوی

۸ معارف الانوار محمد صالح بن ملازکر یا ٹھٹھوی سنہ ۱۱۴۲ھ

۹ حیات محمد ہاشم میاں غلام محمد ٹھٹھوی

۱۰ فردوس العارفین بلوچ حسان ٹاپور سنہ ۱۲۰۱ھ

۱۱	مرغوب الاحباب	نظر علی تاجپور	۱۲۶۳
۱۲	صقال الضائر	خواجہ محمد سعید	۱۳۰۳
۱۳	لطیفۃ التحقيق	سید رفیق علی شنگی	۱۳۰۵
۱۴	الجواهر البدائع	بلال	۱۳۲۱
۱۵	عمدة المقامات	خواجہ فضل اللہ	۱۳۲۶
۱۶	زبدة المقامات	خواجگان نقشبندیہ	۱۳۲۶
۱۷	امیس المریدین	خواجہ حسن جان نقشبندی	۱۳۲۶
۱۸	انساب الانجباب	" "	۱۳۲۶
۱۹	مونس المخلصین	خواجہ شاہ آغا	۱۳۲۶
۲۰	حالات بزرگان سیوتان		۱۳۲۶
۲۱	حالات بزرگان صدیقی سیوتان		۱۳۲۶
۲۲	تذکرہ مشائخ سیوتان	عبد الغفور سیوتانی	
۲۳	رسالہ سیر قلندری	خضر علی سیوتانی	
۲۴	گلشن اولیاء	(۱۲ صدی)	
۲۵	اولیائے سیوتان		
۲۶	دلیل الذاکرین	حاجی پنخور	
۲۷	کنوس فخریہ		
۲۸	قلندر نامہ		
۲۹	انوار قلندری	حالات مشائخ بکیرانی	(بعد ۱۲۸۴ھ)
۳۰	اذکار قلندری		
۳۱	تذکرۂ مخدوم کھڑا		

مشاق متعلوی

۳۲ مناقب غوثیہ

قاضی ہدایت اللہ بن میاں محمود بن میاں سعید متعلوی

۳۳ مناقب السادات

مشاق متعلوی

۳۴ کواکب السعادات

میر عبدالحسین سانگی

۳۵ لطائف لطیفی

داروغہ کھر

۳۶ بیان العارفین

غوثی مانڈوی

۳۷ گلزار ابرار

غلام رسول مستدیشی دلائی

۳۸ ارشاد الطالبین

۳۹ سوانح حیات شاہ عثمان ذراشی

۴۰ سوانح سید حیدر سنائی

۴۱ محفوظات حضرت پیر محمد راشد

۴۲ محفوظات حضرت پیر محمد صبغۃ اللہ راشدی

مولانا قدوسی نے ، یہ کتاب ، ماخذوں کی کمی اور فقہان مواد کے باوجود بڑی محنت ، تلاش اور محنت کے ساتھ مرتب کی ہے ۔ قلمی مواد ، مطبوعہ مواد جو حاصل ہونا ممکن تھا ، اس کو حاصل کیا ، پڑھا اور اس سے اپنے مطلب کی چیزیں لے کر بڑی عمدگی اور سلیقے سے اس تذکرے کی تکمیل کی ہے ۔ جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں ۔ اور خاص طور پر اس لئے بھی وہ ہم سب پڑھنے والوں کے شکرگزاری کے مستحق ہیں کہ اُردو زبان میں سندھ کے صوفیاء پر کتاب لکھنے میں ادیت انھوں نے کی ۔

مجھے یقین ہے کہ اُردو دان طبقہ ، جو سندھ کو سمجھنے اور جلتنے کا خواہشمند ہے ، اس کے لئے یہ کتاب بے حد مفید اور معاون ہوگی ، اور اُمید کرتا ہوں کہ مولانا کی دوسری کتابوں کی طرح ، یہ کتاب بھی شائع ہوتے ہی قبولِ عام حاصل کرے گی ۔ آمین ۔

حسام الدین راشدی

کراچی - ۲۵ فروری ۱۹۵۵ء

خج کما علف و د قبط ناله عوداً لاجب نیتو جب
عجب بنگایه کک رده ا جی شرفه لافیه
ک لاله کاسه لکایه عفا . راجه ناله عوداً
رجه علف شاف رجه بنگایه ا رده کاسه رجه
- نیتو - کاسه رجه رجه رجه

نقشہ نمایاں ہے

۶۵۴۱ - ۵۶ - ۵۶ - ۵۶

مقدمہ

اسلام کے آفتاب نے ہندوستان میں جس سرزمین کو سب سے پہلے منقہ و تباہیاں بنایا وہ سندھ ہے۔ سندھ کو ہماری علمی اور مذہبی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، عین اُس زمانے میں جب کہ عرب میں علوم کا نشو و نما ہو رہا تھا، ہندوستان میں سندھ اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں ہونے کی وجہ سے مرکزِ علم و فضل بن رہا تھا۔ اسی زمانے میں سندھ کے مشہور شہر منصورہ، دہل اور بہکر علوم اسلامیہ کے گہوارہ بنے ہوئے تھے۔

ساتھ ہی ساتھ علمِ عمل کے سانچے میں ڈھل رہا تھا، اور اس خطۂ ارضی میں وہ مردانِ حق آگاہِ جنم لے رہے تھے جو علی تصوف کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔

اسلام میں سب سے پہلے صوفی جن کا اہل تذکرہ صاحب تحفۃ الکرام نے کیا ہے، وہ حاجی تڑابی ہیں، جو عہدِ بنو عباس میں یہاں کسی معزز عہدے پر فائز ہو کر آئے، اور قیامِ مابین میں سے تھے۔

اس کے بعد تصوف کے جو سلسلے ہمیں سندھ میں ملتے ہیں وہ سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ ہیں۔ انہیں تین سلسلے کے بزرگوں نے یہاں غائبانہ قائم کر کے رشد و ہدایت کے فیضان

کو عام کیا اور صدیوں ان کی خانقاہیں معرفت الہی ، تزکیہ نفس اور پاکیزگی اخلاق کی تعلیم کا مرکز بنی رہیں ، لیکن عجیب بات ہے کہ سندھ کی ایک مستقل اور قدیم تاریخ تصوف ہونے کے بعد بھی ہمیں فارسی اور اُردو کے قدیم تذکروں میں سندھ کے صوفیائے کرام کے متعلق جو مواد ملتا ہے ، وہ اس قدر ناکافی ہے کہ یہاں کی تاریخ تصوف اور صوفیاء کے متعلق ہماری معلومات کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھتی اور نہ ابھی تک صوفیائے سندھ کا کوئی تذکرہ اُردو میں درون ہوا ہے کہ جو اس کمی کو پورا کر سکے ۔

اس بناء پر میں نے اس کتاب میں سندھ کے مشاہیر صوفیائے کرام کے حالات کو ایک خاص ترتیب سے سہل اور سلیس اُردو میں یک جا کر دیا ہے ۔ اس کتاب میں جن صوفیائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ انھیں مندرجہ بالا تین سلسلوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔

واقعات کے انتخاب میں حتی الامکان اس کی کوشش کی گئی ہے کہ ان بزرگوں کی سوانح حیات کے ساتھ ساتھ اُن کی تبلیغی اور اصلاحی کوششیں سامنے آسکیں ۔ اس کے علاوہ اُن کی اخلاقی زندگی کے مختلف پہلو جو مجھے مل سکے ۔ میں نے انھیں اس میں خصوصیت سے شامل کیا ہے کہ اسلاف کی زندگی کا یہ پہلو سیرت و کردار کی تشکیل میں سب سے زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے ۔

ماخذ کے حوالے ہر جگہ فٹ نوٹس میں دیئے گئے ہیں ، اور تقریباً ہر جگہ ضروری معلوماتی فٹ نوٹس کا اضافہ کر دیا ہے ۔ تاکہ اس کتاب کے پڑھنے والے کو کسی جگہ ذہنی الجھن واقع نہ ہو ۔

مجھے اعتراف ہے کہ قارئین کو ان بزرگوں کے حالات میں یہ کمی محسوس ہوگی کہ میں اس تذکرے میں اکثر بزرگوں کے سلسلہ طریقت کو متعین نہ کر سکا۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ سندھ کے قدیم تذکرے جو اس کتاب کے لکھتے وقت میرے پیش نظر رہے ہیں، ان میں اکثر بزرگوں کے متعلق یہ پہلو تشنہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ کمی مکمل طور پر اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک کہ سندھ کے مشہور مورخ و تذکرہ نگار میر شیر علی قانع ٹھٹھوی کی کتاب ”طوابع سلاسل“ شائع نہ ہو جائے۔ جس میں انھوں نے سندھ کے تمام صوفیاء کے شجروں کو نہایت کاوش سے مرتب کیا ہے۔

اس کے علاوہ اس کتاب کا سب سے بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ سندھ میں نئے آباد ہونے والے مہاجرین کو سندھ کی قدیم ثقافت تہذیب و تمدن، روایات اور یہاں کی تاریخ سے واقف کرایا جائے تاکہ یہاں کے نئے بننے والوں اور قدیم باشندوں میں تعارف، ہم آہنگی اور خوشگوار ربط پیدا ہو۔

میں نے اس تذکرے کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے کہ اس میں پڑھنے والے کو زیادہ سہولت ہوتی ہے، اور اپنے حسبِ بغیر وقت کے ہر بزرگ کے حالات کو آسانی سے نکالا جاسکتا ہے۔ احسان ناشناسی ہوگی اگر میں آخر میں اپنے مخلص ترین دوست محقق سندھ سید حسام الدین صاحب راشدی کا شکر گزار نہ ہوں کہ انھوں نے اپنے کتب خانے سے نہایت ہی نایاب اور نادر مافذ کہ جن کے بغیر اس کتاب کی تکمیل ناممکن تھی بڑی فراخ دلی سے عنایت

فرما کر مجھے اپنا رہبر بنایا اور ہر مشکل موقع پر اپنی وسیع تاریخی معلومات اور گراں قدر مشوروں سے باوجود اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے مستفید فرمایا، پھر مزید کرم یہ فرمایا کہ اس کتاب پر ایک بصیرت افزا پیش لفظ لکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کا یہ مخلصانہ تعاون میرے شامل حال نہ ہوتا تو شاید اس کتاب کی تکمیل میرے لئے مشکل ہوتی۔

میں جناب محترم ڈاکٹر فی بخش خاں بلوچ پروفیسر سندھ یونیورسٹی کا بھی شکرگزار ہوں کہ موصوف نے حضرت پیر محمد راشد کے حالات اس کتاب کے لئے روانہ فرمائے کہ جن کے بغیر اس کتاب میں تشنگی محسوس ہوتی۔

میں اپنے عزیز دوست زیڈ۔ ایچ۔ انصاری سول اینجینئر شیفر مین پاکستان کراچی کا بھی ممنون ہوں کہ اس سے قبل انھوں نے ”سندھ کی تاریخی کہانیاں“ لکھتے وقت اس کے لئے شیفر کا ایک خوبصورت قلم عنایت فرما کر مجھے صاحب قلم بنایا تھا اور اس کتاب کے لکھتے وقت اپنی علمی دلچسپیوں کی بدولت بعض مطبوعہ پیش قیمت کتابوں سے نوازا کہ جن کے حوالے کی اس کتاب میں بیکہ ضرورت تھی اور جو میرے لئے بیکہ کارآمد ثابت ہوئیں۔

میں اپنے عزیز دوست جمیل جالبی کا بھی ممنون ہوں کہ اس کتاب کی تکمیل کے متعلق ان کے تقاضے اور اشتیاق، سمند ناز پہ اور ایک تازیانہ ثابت ہوئے۔ ورنہ خدا جلنے یہ مسودہ کب تک معرض التوا میں پڑا رہتا؟

اعجاز الحق سندھی

یکم جنوری ۱۹۵۸ء

کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

ہندوپاکستان کے پہلے صوفی و درویش

(۱)

شیخ ابوتراب

معروف

حاجی ترابی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی سیاست اور سماج کو جن اصولوں پر منظم کیا تھا، اُس کے اہم اجزاء اخوت و مساوات و عدل تھے، اُس نظام میں حاکم و محکوم کا کوئی فرق نہ تھا، بلکہ حکومت کا سارا کام مسلمانوں کے مشورے سے ہوتا تھا، یہ وہ عادلانہ نظام تھا، جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی، آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے بھی نظام خلافت کو اُسی نہج پر ترتیب دیا جو رسول اکرم نے چھوڑا تھا، خلافت راشدہ کے بعد بنی امیہ

کے عہد میں جب خلافت کی جگہ ملوکیت نے اپنے پرے جائے تو اس دور میں عہدِ خلفائے راشدین کی خصوصیات ختم ہو گئیں، مذہب اور سیاست کے راستے جدا جدا قرار دیئے گئے، اور اسلامی اجتماعی زندگی کا نظام بالکل بدل کر رکھ دیا گیا، حکومت بنی امتیہ کی بے راہ روی کو دیکھ کر بہت سے بزرگوں نے اپنا تعلق حکومت سے منقطع کر لیا، اور ان بزرگوں کے حکومت کے دائرے سے نکل جانے کی وجہ سے حکومت کے نظام میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا جو پھر پُر نہ ہو سکا، انہیں بزرگوں نے سب سے پہلے تصوف کے مرکز قائم کئے، اور انہیں بزرگوں کا شمار صوفیاء کے پہلے طبقے میں ہوتا ہے۔

صوفیاء کا پہلا طبقہ سلاطین میں وجود میں آیا، اور تاریخ تصوف کے مرتب کرنے والوں نے پہلے طبقے کا زمانہ سلاطین سے منسوب کیا ہے، صوفیاء کے پہلے طبقے میں جن بزرگوں کا شمار ہوتا ہے ان میں حضرت اویس قرنی، حضرت خواجہ حسن بصری، حضرت مالک بن دینار، حضرت فضیل بن عیاض وغیرہ مشہور ہیں، صوفیاء کے پہلے طبقے نے اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے تصوف کے پہلے مرکز کو فخر اور بصرے میں قائم کیے، جہاں بنی امتیہ کے گورنروں کے ظلم و ستم انتہائی عروج پر تھے، ان مراکز میں خشیتِ الہی، پاکیزگیِ نفس، توبہ و استغفار، تربیتِ اخلاق و عبادت و ریاضت پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا، یہی بزرگ عوام سے ربط پیدا کر کے ان کی اسلامی تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ بنے۔ انہیں میں بعض بزرگ ایسے بھی تھے جنہوں نے بادشاہوں کو ان کی بے راہ روی پر ٹوکا، اور ان کی سطوت و شوکت کو چیلنج کیا کہ اگر وہ اپنے آپ کو اسلامی سانچے میں نہیں ڈھالیں گے تو ان کی زندگی ایک عذاب بن کر رہ جائے گی، ان بزرگوں میں حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام سفیان ثوری، حضرت فضیل

بن عیاض وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایک سوال

لیکن ہندو پاکستان کے رہنے بسنے والے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال خود بخود آتا ہے کہ اُس وقت جب کہ سلاطین میں صوفیا کا پہلا طبقہ وجود میں آیا، ہندوستان میں بھی اُس زمانے میں کوئی بزرگ تھا یا نہیں کہ جس کا شمار طبقہ اول کے صوفیاء میں کیا جاسکے، قبل اس کے کہ اس سوال پر غور کیا جائے، یہ بتادینا ضروری ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے تصوف کا جو سلسلہ چھٹی صدی ہجری میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے ذریعہ سے پھیلا وہ سلسلہ چشتیہ ہے، جس کے نام لیوا آج بھی سارے ہندوستان میں موجود ہیں، سلسلہ چشتیہ کے بعد جو سلسلہ حضرت خواجہ بہا الدین زکریا ملتانی کے ذریعہ سے اسی صدی میں ہندوستان پہنچا وہ سلسلہ سہروردیہ ہے، پندرہویں صدی عیسوی کے وسط میں سلسلہ قادریہ شاہ نعمت اللہ قادری کے ذریعہ سے ہندوستان پہنچا، اکبر کے زمانے میں ہندوستان میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی، اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے ذریعہ سے یہ سلسلہ ہندوستان میں خوب پھیلا، چھٹی صدی ہجری سے پہلے ہیں اگرچہ ہندوستان میں باقاعدہ تصوف کا کوئی سلسلہ نہیں ملتا، لیکن یہ حقیقت مسلم ہے کہ چھٹی صدی ہجری سے پہلے بھی ہندوستان میں تصوف کا ذوق موجود تھا، اور انفرادی طور پر بعض بزرگ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن میں مصروف تھے، لیکن ہندو پاکستان میں یہ شرت بھی سندھ کو حاصل ہے کہ ہندوستان کے پہلے صوفی اور درویش شیخ ابوتراب اسی سرزمین میں موعظا ہوئے دوسری صدی ہجری کے پہلے صوفی ہیں، اور ہندو پاکستان کی تاریخ تصوف میں بھی پہلے صوفی ہیں، اگرچہ آپ کے حالات ہمیں تفصیل سے نہیں ملتے لیکن جو کچھ

بھی ملتے ہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔
 آپ کا نام شیخ ابوتراب تھا، لیکن آپ مشہور حاجی ترابی کے لقب
 سے تھے۔ شیخ ابوتراب بنی عباس کی حکومت کی جانب سے سندھ کے بعض
 حصوں پر حاکم مقرر ہوئے تھے۔ شیخ ابوتراب کا شمار تبع تابعین میں ہے۔
 آپ نے شہید ہو کر وفات پائی، آپ کا مزار مبارک موضع کچھ اور موضع
 کوری کے درمیان جو ٹھٹھہ سے ۱۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے زیارت گاہ
 خاص و عام ہے، مزار مبارک کے گنبد پر جو کتبہ نصب ہے اس میں سنہ تعمیر
 ۱۱۸۷ ہجری درج ہے۔

۱۔ شیخ ابوتراب کے حالات کی تمام تفصیل تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۲۵۳ سے ماخوذ ہے۔

(۲)

درویش احمد و محمد

حالات | یہ دونوں بھائی سندھ کے مشہور صوفی و درویش مخدوم اسحاق علی کے صاحبزادے تھے، اور ہالہ کنڈی کے رہنے والے تھے تمام تذکرہ نگاروں نے ان دونوں بھائیوں کا تذکرہ یکجا کیا ہے، اور ان دونوں بھائیوں کی عظمت و بزرگی میں ہر ایک رطب اللسان ہے، حدیقہ الاولیاء میں ہے۔
ولدان محمد اسحاق از جملہ اولیائے کبار و بزرگواران نامدار بودہ اند و در ہالہ کنڈی سکونت داشتند۔

مخدوم محمد نے علوم ظاہری کی تکمیل کر کے تزکیہ نفس اور صفائی باطن کی طرف توجہ کی اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد صاحب ولایت و کشف ہوئے، ان کے روحانی ہر تھا کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حالت مراقبہ میں عالم ملکوت کی سیر کرتے تھے، اور اس منزل کو تصوف کا ادنیٰ مقام سمجھتے تھے، مخلوق خدا کی خدمت اور حاجت برآی کے لئے آپ اکثر حکام و بادشاہوں کے پاس جاتے، ان کی سفارش فرماتے اور لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ مخدوم احمد نے گوشہ عزلت و تنہائی کو اختیار فرمایا تھا وہ ہمیشہ لوگوں سے

۱۔ مخدوم اسحاق بھی قوم سے تھے، اور شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کے خاندان میں مرید تھے صاحب فضل و کمال تھے، تحفہ الکرام جلد ۳-۱۳۸
۲۔ ہالہ کنڈی ضلع حیدرآباد سندھ میں واقع ہے۔

علمدہ رہ کر ذکر الہی و عبادتوں اور ریاضتوں میں مشغول رہتے، کبھی کبھی حلقہ مذکور و سماع میں تشریف لے جاتے، ان حلقوں میں شریک ہو کر آپ پر دہ کی کیفیت طاری ہوتی تھی، یہ بھی اپنے وقت کے اولیاء کبار میں شمار ہوتے تھے۔

صاحب مدیقۃ الاولیاء کی روایت ہے کہ ایک تشرع عالم باعلیٰ دور سے آپ کی بزرگی و ولایت کا شہرہ سن کر آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، جب وہ ہالہ کندھی میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ سماع کی طرف بیدار ہیں، اور اپنا وقت وجد و حال میں گزارتے ہیں، یہ سن کر اُسے آپ سے سو رُظن پیدا ہوا اور اُس نے مخدوم کی ملاقات سے گزیر کیا، اتفاقاً ایک دن راستے میں اس کی ملاقات مخدوم احمد سے ہو گئی، آپ نے بڑھ کر بڑی خندہ پیشانی سے اس سے معاف کیا اور بہت دیر تک اس سے استفسار حالات فرماتے رہے، پھر آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا کہ آپ نے جو میرے حلقہ سماع کے متعلق سنا ہے یہ سماع نہیں جو شریعت میں منع ہے، بلکہ یہ حلقہ تو اتم کدہ اور حلقہ تعزیت ہے، کسی دن آپ بھی تشریف لائیے، چنانچہ آپ کے اس ارشاد کے بعد ایک دن وہ عالم آپ کے حلقہ سماع میں شریک ہوا، اور حلقہ سماع میں اس پر گریہ و زاری کی عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور وہ رقص کرنے اور نعرے لگانے لگا، جب حلقہ ختم ہوا تو لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ یا تو آپ کو اس حلقہ میں شرکت سے اس قدر انکار تھا، اور اب تم شریک ہوئے تو اس طرح کہ آپ کو کسی چیز کا ہوش نہ رہا، اُس نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ اس حلقہ سماع میں شریک ہونے کے بعد مجھ پر ایک بخود بخود اور جذبہ شوق کی عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور مجھ پر عالم بالا کی ماہیں کھل گئیں، میں نے دیکھا کہ مخدوم احمد کی پیشانی عرش کو چھو رہی ہے، اس مشاہدہ حال کے بعد مجھے بالکل اپنا ہوش نہ رہا، اُس کے بعد وہ عالم صاحب

مال اور اہل کشف میں سے ہوئے۔

اتباع شریعت | مخدوم احمد شریعت و سنت کے اتباع میں بید کوشش کرتے

اور نہایت ہی متبع شریعت تھے، جس کا پتہ درویش زکریا کے ایک خواب سے چلتا ہے جو ایک خاص واقعہ کے ضمن میں انھوں نے دیکھا تھا، وہ واقعہ یہ تھا کہ مخدوم احمد کے استاد مولانا عبدالرشید نے مخدوم سے فرمایا تھا کہ ایک سال کے بعد اہل درویش سے ایک شخص تم سے ملے گا کہ جس کی وجہ سے تم پر بید خوف طاری ہوگا، لیکن انشاء اللہ انجام بہتر ہوگا، کہتے ہیں کہ ایک سال کے بعد ایک مجذوب آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا کہ میرے لئے پانچ ٹکڑے لاؤ، مخدوم احمد نے اپنے خادم کو اشارہ فرمایا کہ مجذوب جو سامان مانگ رہا ہے اس کے لئے لائے، چنانچہ خادم نے پانچ دوثیاں مجذوب کے سامنے لا کر رکھیں، مجذوب نے ان کو کھانے کے بعد مخدوم سے اعتراض کیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں ہمارے کام میں شرم آئی، اسی لئے تم اپنی جگہ سے نہ اٹھے، اور اپنے خادم کو حکم دیا، اس لئے یہاں سے جہاں بھی بھاگ سکتے ہو بھاگ جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا، مخدوم پر مجذوب کی یہ بات سن کر خوف طاری ہوا اور وہ اٹھ کر اپنے عبادت کے حجرے میں آئے، حجرے میں وہ جس طرف بھی دیکھتے تھے ہر طرف ان کو مجذوب شیر پر سوار حملہ کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا، جس سے ان کی دہشت اور بڑھ گئی، پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ غلوت و جلوت، گھر میں اور باہر غرض کہ ہر جگہ مجذوب کی شکل ان کو نظر آتی تھی، اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ شکل غائب نہیں ہوتی تھی، جس کی وجہ سے آپ نہایت افسردہ سمجھتے تھے، چند روز اسی طرح گزرے، ایک دن مخدوم زکریا جو آپ کے

لے تحفہ الکرام جلد ۲ صفحہ ۴۸ پر مذکور ہے کہ مولانا عبدالرشید سے مخدوم احمد نے علوم ظاہری باطنی دونوں چل کئے تھے۔

بیتھے تھے علی الصباح مخدوم کی خدمت میں پہنچے، اور انھوں نے مخدوم سے عرض کیا کہ رات میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ اُس دیوانے مجذوب سے فرما رہے ہیں کہ مخدوم ہماری شریعت کے ادب کو خصلت سے ملحوظ رکھتا ہے، اور تم اُس سے دشمنی رکھتے ہو، ابھی جاؤ اور اس سے معافی چاہو، ابھی یہ بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ مجذوب دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے معافی کا خواستگار ہوا آپ نے اُسے معاف فرما دیا۔

شاہانِ وقت کو
ملاقات کا اشتیاق
آپ کے زہد و ورع، تقویٰ و تقدس کی شہرت عالمگیر تھی، یہاں تک کہ فرماں روا یا ان وقت مخدوم احمد سے ملاقات کو اپنی سعادت اور خوش قسمتی سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے بھائی مخدوم محمد کسی ضرورت سے ٹھٹھہ تشریف لے گئے، اس وقت ٹھٹھہ میں سمہ خاندان کے بادشاہ جام نظام الدین نندا کی حکومت تھی، جام نظام الدین نندا کو جب مخدوم محمد کی تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے نہایت عزت و احترام سے آپ کو بلایا، اور عرض کیا کہ مجھے آپ کے بھائی مخدوم احمد سے ملاقات کا بید اشتیاق ہے، میں اب آپ کو اُس وقت تک نہ جانے دوں گا تا وقتیکہ میری ملاقات مخدوم احمد سے نہ ہو جائے، مخدوم محمد نے جام نندا سے فرمایا کہ اس خیال کو چھوڑیے کیونکہ مخدوم احمد کی وہ بے نیاز شخصیت ہے کہ جسے میری اور تمہاری دونوں کی پروا نہیں، لیکن عالم کشف میں مخدوم احمد اس واقعہ سے مطلع ہوئے، اور اُسی وقت ٹھٹھہ پہنچ کر جام نظام الدین نندا کے پاس تشریف لے گئے، جام نظام الدین نندا نے قد مبسو کی سعادت حاصل کر کے

جام نظام الدین نندا اسمہ خاندان کا سب سے بہترین فرمانروا تھا جو سلاطین میں تخت پر بیٹھا اور
سلاطین و فات پائی معصومی صفحہ ۷، دفٹ نوٹ مقالات اشعار صفحہ ۴۵۳۔

اپنے اغراض و مقاصد بیان کئے اور دعا کا طالب ہوا، آپ نے اُس کی ہر بات پر انشاء اللہ منہرایا، جام نے آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اپنے مصاحبین سے کہا کہ میں اب تک جن لوگوں سے بھی دعا کا طالب ہوا ہوں انہوں نے بہت سی باتیں کیں لیکن مخدوم نے سوائے انشاء اللہ کے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں فرمایا، مجھے یقین ہے کہ یہ کام پورے ہوں گے۔

وفات

مخدوم احمد وفات سے کچھ پہلے ایک روز حلقہ سماع میں شریک ہونے کے لئے ہالہ کنڈی سے قلعہ نیرن کوٹ تشریف لائے، اور وجد و ذکر میں مشغول ہو گئے، اتفاقاً ذکر نے مرسوز سے ایک بیت نہایت خوش الحانی سے پڑھنا شروع کیا، اُس کے سننے سے آپ پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہوئی، اور اسی حالت میں آپ نے وصال فرمایا۔

آپ کا سنہ وفات ۱۳۲۹ ہجری ہے، یہ مرزا شاہ حسن ارغون کا زمانہ تھا، لاش قلعہ نیرن کوٹ سے ہالہ کنڈی لائی گئی اور وہیں مدفون ہوئے جنازے کے لانے والوں کا بیان ہے کہ جب ہم آپ کے جنازے کو اٹھاتے تھے تو ہم کو ذکرِ مہلی کی آواز آتی تھی، اور جب کسی منزل پر جنازے کو رکھ دیتے تو

۱۔ حیدر آباد سندھ کا سابقہ نام نیرن کوٹ ہے۔

۲۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۴۸ پر آپ کا سنہ وفات ۱۳۲۹ ہجری مذکور ہے۔

۳۔ مرزا شاہ حسن ارغون، ارغون خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا جو ۱۳۲۹ء میں اپنے والد شاہ بیگ کی وفات کے بعد نصر پور میں تختِ حکومت پر بیٹھا، شاہ حسن ارغون نہایت ہی شجاع اور صاحبِ علم و فضل فرمانروا تھا، شاعر بھی تھا، اور غالباً اپنی شجاعت کی وجہ سے سپاہی تخلص کرتا تھا، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ء کو دوشنبہ کے دن میرزا شاہ حسن ارغون نے موضع علی پور میں وفات پائی، اُس کی لاش ٹھٹھہ لائی گئی اور مکلی میں دفن کی گئی (معصومی صفحہ ۱۱۱ تا ۱۹۲) سے یہ حالات ماخوذ ہیں)

یہ آواز بند ہو جاتی۔

مخدوم احمد کی اولاد | مخدوم احمد کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مخدوم فتح اللہ نے مسند و ہدایت کو آراستہ کیا

ان کے بعد ان کے صاحبزادے مخدوم احمد ثانی سجادہ نشین ہوئے، مخدوم احمد ثانی کی وفات کے بعد ان کے فرزند مخدوم عبد الحمید نے جو اپنے اکابر کے صحیح جانشین تھے اس مسند کو زینت بخشی، مخدوم عبد الحمید کے تین صاحبزادے مخدوم حسین مخدوم ابراہیم اور مخدوم عبدالرؤف تھے۔

مخدوم محمد کی اولاد | مخدوم محمد کے تین صاحبزادے مخدوم یوسف، مخدوم محمد صادق اور مخدوم یعقوب تھے، آپ کے پوتینوں صاحبزادے اہل دل اور صاحب حال بزرگ تھے۔

۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲ سے ماخوذ ہیں۔
۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲ سے ماخوذ ہیں۔

۱۲ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۳۸

۱۳ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۳۹

(۳)

مخدوم اسماعیل سومرہ

حالات | مخدوم اسماعیل سومرہ سندھ کے طویل القدر صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں، بچپن سے اور وفات تک آپ ہمیشہ ریاضتوں، مجاہدوں اور عبادتوں میں مصروف رہے، اور مقام فنا فی اللہ سے گذر کر درجہ بقا یا اللہ تک اہل ہوئے۔
جو دوسنہا | فیاضی بخشش آپ کا امتیازی وصف تھا، قدرت نے آپ کو مال و دولت سے نوازا تھا، داد و دہش میں بھی آپ کلبا تھو بیچ اور دسترخوان بھی بیچ تھا لوگوں کو حسبہ اللہ عمدہ سے عمدہ کھانے کھلاتے، اور خود اسی دسترخوان پر جو کی روٹی بغیر سالن کے نوش فرماتے۔

مستحقین، حفاظ اور طلباء علم دین کے باقاعدہ وظائف مقرر کئے تھے تاکہ وہ سکون و اطمینان سے تعلیم حاصل کر سکیں، کوئی حاجت مند آپ کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔

ذکر الہی | ذکر الہی اور عبادت آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، آپ کا سارا وقت عبادت میں گزرتا تھا، خود بھی بید شیع شریعت تھے، اور دوسروں کو شریعت اسلامیہ کے پابند بنانے کی انتہائی سعی فرماتے تھے۔

خدمتِ خلق | خدمتِ خلق آپ کا خاص شعار تھا آخر عمر میں جب کہ ضعف پیری کی وجہ سے کمر جھک چکی تھی اور آپ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے

تھے، یہاں تک کہ سواری پر بھی سواہونے پر قادر نہ تھے اُس وقت بھی آپ چادریں بیٹھ جاتے اور اپنے خادموں سے ارشاد فرماتے کہ مجھے اٹھا کر لوگوں کے دروازوں پر لے چلو، خادم اٹھا کر آپ کو دور دور لے جاتے آپ وہاں پہنچ کر لوگوں سے اُن کی ضرورتیں اور حاجتیں پوچھتے اور اُن کو پورا کر کے واپس تشریف لے آتے۔

تلاوتِ کلام اللہ | تلاوتِ کلام اللہ سے آپ کو غیر معمولی عشق تھا، عبادت الہی سے جو وقت بچتا اُسے تلاوتِ قرآن مجید میں صرف فرماتے۔

وفات | مخدوم اسماعیل سومرہ نے ۹۹۰ھ میں وفات پائی، اور قلعہ اکھ نامی گاؤں میں مدفون ہوئے۔

خلفاء | مخدوم اسماعیل سومرہ کے خلفاء میں مخدوم اسحاق خاص شہرت رکھتے ہیں مخدوم اسحاق کا اصل وطن گجرات تھا، یہ گجرات سے آکر قلعہ اکھ میں مقیم ہوئے اور مخدوم اسماعیل سومرہ کی عقیدت و بیعت کا شرف حاصل کیا۔

۱۔ مخدوم اسماعیل سومرہ کے حالات حدیقۃ الاولیاء قلمی صفحہ ۱۶، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹ سے اخذ ہیں، تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۲ پر آپ کا سنہ وفات ۹۹۰ھ مذکور ہے۔
۲۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۲۲۔

مخدوم آدم نقشبندی

معروف تاج

مخدوم آدو

نام و نسب آپ کا اسم گرامی آدم لقب مخدوم آدو ہے، آپ کے والد محترم کا اسم گرامی عبدالاحد ہے آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق سے جاتا ہے، آپ کے اجداد میں دو بھائی تھے، بڑے بھائی کا نام عبدالباری تھا، اور چھوٹے بھائی کا نام عبدالخالق، بڑے بھائی عبدالباری ۱۲۸۰ھ میں ٹھٹھہ سے جا کر ”کچھ“ میں آباد ہو گئے اور چھوٹے بھائی عبدالخالق ٹھٹھہ میں رہے، سلطان محمود غزنوی نے جب سندھ پر قبضہ کیا تو عبدالخالق کے علم و فضل و زہد و ورع سے متاثر ہو کر ان کو شاہی اعزازات سے نوازا، انھیں کی اولاد سے مخدوم آدم ہیں، مخدوم آدم کا سلسلہ نسب حضرت عبدالخالق تک یہ ہے۔

مخدوم آدم بن مخدوم عبدالاحد بن عبدالرحمن بن عبدالباقی بن محمد بن احمد بن آدم بن عبدالمادی بن محسن بن علی بن محمد بن عبدالخالق

۱۲۸۰ھ میں سکستین ۱۲۸۰ھ میں غزنی کے تخت پر بیٹھا، خلیفہ قادر باللہ عباسی نے اس کو بین الدولہ اور امین الملت کا خطاب دیا، اس نے اپنی جدوجہد سے دیارے سلج سے لے کر بحر قرہ وین اور دارالہند سے لے کر عراق و بلوچستان تک ایک وسیع سلطنت قائم کی، ۱۲۸۰ھ میں محمود غزنوی نے وفات پائی تاریخ اسلام مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی، جلد ۴، صفحہ ۴۱۴ و ۴۱۵

سندھ کے سلسلہ نقشبندیہ میں مخدوم آدم پہلے بزرگ ہیں۔

بیعت | مخدوم آدم بادشاہ قانگیر کی یہ شہرت سن کر کہ وہ علوم و معارف کا دُرّان ہے، اور علماء و حفاظ کے ساتھ نہایت حسن سلوک سے پیش آتا ہے اس تصور سے کہ شاہی حکم سے اُن کا کچھ یومیہ یا روزینہ مقرر ہو جائے گا علماء کی ایک جماعت کے ساتھ ٹھٹھ سے دہلی تشریف لے گئے، اتفاقاً آپ کی ملاقات سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی سے ہوئی، خواجہ محمد معصوم نے ایک ہی نظر میں آپ کے جوہر قابل اور علمی استعداد کا اندازہ فرمایا، اور آپ کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے، اپنے پاس ٹھیرایا اور فرمایا اگر تم کو پسند ہو تو میرے بچوں کو تعلیم دو، اور میں اُس کے عوض تمہارے اور تمہارے وابستگان کے اخراجات کا کھل ہوں گا، آپ نے اسے منظور فرمایا، اور آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادوں کی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔

شیخ عبدالرحیم گڑھوڑی کا بیان ہے کہ ابتداءً مخدوم آدم کو حضرت خواجہ محمد معصوم سے عقیدت نہ تھی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس زمانے میں ٹھٹھ سے ملتان تک پورے سندھ میں آپ کے ہم پایہ کوئی عالم نہ تھا، علم و فضل کا کمال عقیدتِ نیازمندی سے بے نیاز نہ تھا، ایک روز حضرت خواجہ محمد معصوم نے نہایت شفقت سے اُن سے قرآن مجید کی اس آیت والطور ہو کتاب مسطور فی رق منشور

لہ دور حکومت ۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ (مقالات الشعراء صفحہ ۲۰)

لے حضرت خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے ہیں، آپ کی ولادت ۱۱۱۸ھ میں ہوئی، آپ نے ۹ ربیع الاول ۱۱۸۸ھ میں وفات پائی، مرغوب الاحباب قلمی تذکرہ حضرت خواجہ معصوم

والبیت المعصور کے معنی پوچھے، مخدوم آدم نے نہایت ہی توجہ اور وضاحت سے آیت کے معنی بیان فرمائے، میں اُس وقت جب کہ وہ آیت کے معنی بیان فرما رہے تھے، آپ نے اپنی توجہ باطنی سے اُن پر عرفان و عقیدت کی راہیں کھولیں، خواجہ محمد معصوم کی نگاہ کی کیا اثر کا یہ کہ شمع تھا کہ مخدوم آدم نے اسی وقت آپ کے زمرہ عقیدتمندوں میں داخل ہو کر آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

ریاضت و مجاہدے | ایک طویل عرصہ تک مخدوم آدم اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر مختلف قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے،

تقریباً سات سال تک آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہی، یہ کیفیت اس قدر کمں تھی کہ اُس زمانے میں جو خطوط آپ کے پاس وطن سے آتے تھے، آپ اُن کے نفاذ کو اس اندیشے سے کھولتے تھے کہ آپ کی کیفیت کو زائل کر دے۔

خلافت | ان ریاضتوں اور مجاہدوں کی تکمیل کے بعد آپ کے شیخ حضرت خواجہ محمد معصوم نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اب تم اپنے وطن جا کر رشد و ہدایت کے فرائض انجام دو کہ منہائے تصوف یہی ہے کہ بھٹکے ہوئے انسانوں کا رشتہ خدا سے جوڑا جائے، مخدوم آدم نے عرض کیا کہ تعمیل ارشاد میرا فرض ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں اس قدر مشائخ کرام ہیں کہ اُن کے ہوتے ہوئے میری طرف کون رجوع کرے گا، آپ کے شیخ نے فرمایا جاؤ سارا سندھ بھی اگر مشائخ سے بھرا ہوا ہو تو اس کی پروا نہ کرو، چنانچہ جب آپ سندھ میں تشریف لائے، طالبانِ حق دور دور سے آپ سے فیض حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے،

۱۷۰۰ء یہ تمام تفصیل مرغوب الاحباب علمی و درنساب اقطاب مرتبہ نظر علی تصنیف ۱۳۷۱ھ ہجری تذکرہ حضرت مخدوم آدم سے ماخوذ ہے۔

بڑے بڑے علماء اور مشائخین آپ کی خدمت میں حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، اور آپ کی خانقاہ ہر وقت طالبانِ حق سے معمور رہتی تھی۔

اپنے ہمعصروں کی توقیر | مخدوم آدم باوجود علومِ مرتبت اور افتخارِ دینی مبالغہ کرتے تھے، چنانچہ ایک دوسرے بزرگ مخدوم آدم بن اسحاق جو آپ کے ہم نام اور ہمعصر تھے، آپ اُن کی انتہائی تعظیم کرتے اور لوگوں سے کسرِ نفسی کی بنا پر کہتے کہ مجھے بجائے آدم کے آدو کہا کرو، اس لئے کہ ایک شہر میں دو آدم کیسے ممکن ہو سکتے ہیں۔

فضائل | سلسلہ نقشبندیہ میں، آپ بہت بڑے صاحبِ کمال اور عالی مقامات پر فائز سمجھے جاتے ہیں، بہت سے تاریک دلوں نے آپ کی مشعلِ ہدایت سے روشنی پائی، اور ایک بڑی جماعت نے آپ کی برکت سے ہدایت حاصل کی۔

مشہور ہے کہ ملا آخوند یوسف آپ کی مسجد کا امام تھا، اور بغیر آپ کے تشریف لائے ہوئے نماز شروع نہیں کرتا تھا، ایک دن مخدوم آدم بن اسحاق کے بیٹے میاں ابوبکر صدر — نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد

لے مخدوم آدم بن اسحاق کا شمار سندھ کے علیل القدر اولیاء میں ہوتا ہے، مشہور ہے کہ جب مخدوم آدم بن اسحاق حج کے لئے بیت اللہ حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ مرد اور عورتیں ایک ہی طرف سے اکٹھے حرم میں داخل ہوتے ہیں، مخدوم آدم کو یہ بات پسند نہ آئی، انھوں نے کئے کے ذمہ دار لوگوں سے کہا کہ حرم میں مرد اور عورتوں کا داخلہ ایک ہی جگہ سے بیک وقت مناسب نہیں، بلکہ مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ دن مقرر ہونے چاہئیں، لوگوں کی یہ بات ماننے میں مل ہوا لیکن اس کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم فرماتے ہیں کہ مخدوم آدم کے کہنے کے مطابق عمل کیا جائے، چنانچہ اس کے بعد سے مردوں اور عورتوں کے لئے حرم میں داخلے کے لئے علیحدہ علیحدہ دن مقرر ہوئے (تحفۃ النظائر ج ۶ صفحہ ۶۷ و ۶۸ و تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۰۵)۔

میں آئے، دیکھا کہ نماز ہو چکی ہے، انھوں نے امام مسجد کو ڈانٹ کر کہا کہ تم سوئے
مخدوم آدم کے کسی دوسرے آدمی کی پروا نہیں کرتے، اگر تم اپنی اس حرکت
سے باز نہ آئے تو ہم تم کو اس مسجد کی امامت سے معزول کر دیں گے، امام مسجد
بہت ہی طول اور رنجیدہ ہو کہ حضرت مخدوم آدم کی خدمت میں حاضر ہوا اور
روتے ہوئے سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں، جاؤ اور
اپنے مکان کے بالا خانے پر بیٹھ کر تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو جاؤ، تم
دیکھو گے کہ ابوبکر صدیق خود تمھارے دروازے پر آئیں گے، لیکن خوب یاد رکھو کہ جب
تک تم ان سے اپنے معاملے کا صحیح تصفیہ نہ کر لو ہرگز صلح نہ کرنا، آپ کے ارشاد
کے مطابق، امام مسجد اپنے بالا خانے پر تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہوئے،
اور ادھر میاں ابوبکر پیٹ کے شدید درد میں مبتلا ہوئے، لیکن وہ فوراً ہی سمجھ
گئے کہ یہ درد کس وجہ سے ہے، فوراً پاکی میں سوار ہو کر امام کے دروازے پر
پہنچے، اور رونے لگے، لیکن امام مسجد اپنی تلاوت میں مصروف رہا، جب میاں ابوبکر
صدر کارونا حد سے بڑھا، تو امام مسجد نے ان کو اس شرط پر معافی دی کہ وہ ان
کو چھ مہینے کی تنخواہ پیشگی اور خلعت و سند مجدد اُعطائیں گے جب وہ اس پر راضی
ہو گئے تو امام مسجد نے کچھ پڑھ کر پانی پر پھونکا اور وہ ان کو پینے کے لئے دیا،
اسی وقت انھوں نے خدا کے فضل سے شفا پائی۔

وفات حضرت مخدوم آدم نے ٹھٹھہ میں وفات پائی، آپ کا مزار مبارک
ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

اولاد مخدوم آدم کے دو صاحبزادے مخدوم فیض اللہ اور مخدوم اشرف تھے،
دونوں صاحبزادے علم و فضل، زہد و ورع، تقویٰ و تقدس سے ممتاز تھے۔

لے یہ تمام تفصیل تحفۃ الطاہرین صفحہ ۴۸ اور تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴۹ سے اخذ ہے۔

مخدوم آدم نے اپنی وفات کے وقت مخدوم فیض اللہ کو اپنا جانشین بنایا چند دن کے بعد، یہ دونوں صاحبزادے سرہند میں بھی حاضر ہوئے اور وہاں سے فیوض و برکات حاصل کئے، اور اپنے وطن (سندھ) میں واپس ہو کر اپنے والد محترم کے طریقہ پر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، افسوس ہے کہ اپنی والد کی وفات کے پانچ سال بعد دونوں نے عالم فوجانی میں ایک سال کے فاصلے سے وفات پائی، اور اپنے والد کے مزار کے پہلو میں مشرقی جانب مدفون ہوئے۔

مخدوم اشرف کے صاحبزادے مخدوم محمد کا جمع یہ مصرع تھا۔ ع

محمد اشرف اولادِ آدم

خلفاء | آپ کے خلفاء اور مریدین میں شیخ ابوالقاسم، شیخ ابراہیم رد ہڑوی، سید فتح محمد اور شیخ انس مشہور ہیں، مخدوم صاحبزادے نے بھی آپ سے استفادہ کیا تھا۔

۱۵ مرغوب الاحباب قلمی تذکرہ حضرت شیخ آدم، تحفۃ الکرام جلد ۲ صفحہ ۲۳۵ پر ہے کہ مخدوم آدم کے جانشین ان کے صاحبزادے مخدوم اشرف ہوئے۔

(۵)

مخدوم ابوالقاسم

معروف

حضرت نقشبندی صاحب

نام۔ لقب کنیت | آپ کا اسم گرامی ابوالقاسم، لقب نورالحق تھا، جو آپ کے پیر و مرشد شاہ سیف الدین قدس سرہ نے دیا تھا۔

لیکن آپ پورے سندھ میں ”حضرت نقشبندی صاحب“ کے نام سے معروف و مشہور ہوئے، نقشبندی صاحب سے آپ نے اس وجہ سے شہرت پائی کہ ابتداءً سندھ میں سلسلہ نقشبندیہ کا وجود نہ تھا، بلکہ سارے سندھ میں طریقہ قادریہ اور سہروردیہ پھیلا ہوا تھا، سلسلہ چشتیہ کا اگرچہ سندھ میں موجود تھا، لیکن وہ بھی زیادہ شایع نہ تھا، اس وقت سندھ میں صرف نقشبندیہ سلسلے کے ایک بزرگ حضرت مخدوم آدم نقشبندی تھے مگر لوگ سلسلہ نقشبندیہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، مخدوم ابوالقاسم نقشبندی جب سرہند سے خرقہ خلافت حاصل کر کے سندھ تشریف لائے تو آپ نے اس سلسلے کو سندھ میں عام کرنے کی عظیم ترین جدوجہد کی، آپ روزانہ مزدوروں، معماروں، لکڑی بچھڑ والوں اور سبزی فروشوں کو طلب فرماتے اور طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم دیتے تھام کو جب یہ لوگ

رخصت ہونے لگتے تو ہر ایک کو اُن کی روزانہ کی اجرت کے مطابق رقم عطا فرماتے، آہستہ آہستہ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے، یہ لوگ آپس میں کہا کرتے کہ یہ سلسلہ بھی نیا ہے، اور یہ طریقہ تعلیم بھی نیا ہے، جب یہ سلسلہ سندھ میں عام ہو گیا، اور لوگوں کا شعور بیدار ہو گیا تو حضرت مخدوم نے یہ طریقہ عطا مسدود فرمادیا، اور آپ ”نقشبندی صاحب“ کے نام سے مشہور ہو گئے۔

مخدوم ابوالقاسم کے والد کا نام درس ابراہیم تھا، اُن کے بزرگ ابتدا ہی سے حضرت شیخ بہار الدین زکریا تلمانی کے خاندان کے مرید و متقدّم تھے، مخدوم کے خاندان میں سب سے پہلے درس ابراہیم ٹھٹھہ تشریف لائے، اور ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی۔

تعلیم و تربیت | ابتداء حضرت مخدوم ابوالقاسم نے قرآن مجید حفظ کیا، پھر علوم ظاہریہ کی تکمیل کی، پھر آپ علوم باطنیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

شروع میں آپ چند روز سندھ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ مخدوم آدم قدس سرہ کی خدمت میں رہے اور اُن سے فیض حاصل کرتے رہے، اُسی زمانے میں ایک روز حضرت شیخ مخدوم آدم نے مخدوم ابوالقاسم کے جوہر قابل کو پرکھ کر فرمایا ”میاں صاحبزادے! تم میں نہایت عمدہ صلاحیت ہے، اگر تم سرہند چلے جاؤ تو شاید وہاں تم اپنی بلند استعداد کے مطابق استفادہ فیوض و برکات کر سکو، شیخ آدم کی زبان مبارک سے یہ نوید سن کر آپ میں سرہند شریف کے لئے ایک کشش پیدا پیدا ہوئی، اور آپ فوراً سرہند روانہ ہو گئے۔“

۱۔ نمونہ مقالات الشعر مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۸۴ و ۸۵۔

۲۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۶۔

حضرت شاہ سیف الدین سے ملاقات

جب حضرت مخدوم ابوالقاسم سرہند پہنچے تو اس وقت حضرت شاہ سیف الدین جو حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے ہوتے ہیں، حضرت مجدد صاحب

کے فرار پر حاضری دینے کے لئے پاکی کے انتظار میں تھے، ابھی مخدوم ابوالقاسم چند قدم کے فاصلے پر ہی تھے کہ انھوں نے آپ کو دور سے دیکھ کر فرمایا ”دادا صاحب آپ کی سفارش فرماتے ہیں“ یہ سنتے ہی حضرت مخدوم ابوالقاسم فوراً ہی قدم بوس ہوئے، حضرت شاہ سیف الدین نے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ زیارت کو چلا کرو، چنانچہ آپ کا معمول ہو گیا کہ آپ ہمیشہ حضرت شاہ سیف الدین کے ساتھ، حضرت مجدد الف ثانی کے فرار پر حاضر ہوتے۔

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی کا اسم گرامی احمد، لقب بدر الدین، کنیت ابوالبرکات اور عرف امام ربانی تھا، آپ کے والد کا نام شیخ عبدالاحد تھا، جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، حضرت مجدد الف ثانی کی ولادت باسعادت ۲۶ جون ۱۰۰۷ھ کو سرہند میں ہوئی، ابتداً حضرت مجدد نے اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی، پھر سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیری سے تعلیم حاصل کی، اور حدیث و تفسیر کی تعلیم قاضی بہلول بدخشی سے حاصل کی، حصول تعلیم کے بعد ایک عرصہ تک آپ اکبر آباد میں مقیم رہے، اکبر آباد سے واپسی پر آپ کی شادی تھانیر کے ایک رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے ہوئی، اثنائے ہجرت میں آپ نے حضرت خواجہ محمد باقی باہد سے بیعت کی، اور ریاضتوں و مجاہدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے، خلافت کے بعد آپ اپنے شیخ کے ارشاد پر لاہور میں ارشاد و ہدایت کرتے رہے، ۱۰۱۷ھ میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد آپ اپنے وطن سرہند میں ارشاد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا، ۱۰۲۸ھ میں آپ کی مجددانہ فیوض و برکات سارے ہندوستان اور ہندوستان کے باہر پھیل چکے تھے، جہانگیر نے آپ کو ظالمانہ طریقے پر ایک سال تک قلعہ گوالیار میں قید رکھا، آخر اپنی فطری برنامہ ہو کر معافی کا خواہاں ہوا، اور آپ کو رہا کر دیا، آخر میں جہانگیر آپ کا بیحد متعقد ہو گیا تھا، ۱۰۲۸ھ صفر ۱۰۲۸ھ کو آپ واپس آئے، ۱۰۳۰ھ میں آپ کا فرار مبارک سرہند میں زیارت گاہ خاص و عام ہے (ماخوذ از مروج کش)

بیعت | مختصر یہ کہ سلوک و طریقت کے تمام منازل آپ نے حضرت شاہ سیف الدین سے طے کیے اور آپ ہی کے دست حق پرست پر بیعت کی، اس سلسلے میں مرتبہ حضرت مخدوم ابوالقاسم سرہند حاضر ہوئے، اور اپنے مرشد سے اکتساب فیض باطنی کرتے رہے۔

مرشد کا ارشاد | تیسری مرتبہ جب آپ اپنے پیر سے رخصت ہونے لگے، تو حضرت شاہ سیف الدین نے ارشاد فرمایا کہ میاں اب ہمارا تمھارا معاملہ بالکل یکساں ہو گیا، اب تم سندھ جا کر ہمارے طریقے کو پھیلادو، مخدوم ابوالقاسم نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے، لیکن قرآن مجید میں ہے کہ قلوبہم کالجادة او اشد قسوة، یعنی بعض آدمیوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں، فرمایا ہاں بلاشبہ ایسا ہی ہے، تم سندھ کے کسی ایک عالم کی طرف توجہ دو۔

پیر کے ارشاد کی تعمیل | چونکہ اُس وقت سندھ میں اپنے علم و فضل، تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے میاں عبدالباقی واعظ ساکن متعلیٰ مشہور تھے،

مخدوم ابوالقاسم نے سرہند میں بیٹھے ہوئے اُن پر توجہ کی، اس وقت میاں ابوالقاسم دغظ فرما رہے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ اُن پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ اپنے آپ میں نہ رہے، اس کی اطلاع جب شاہ سیف الدین اور مخدوم ابوالقاسم کو سرہند پہنچی تو شاہ سیف الدین نے مخدوم ابوالقاسم سے فرمایا کہ تم نے اپنی توجہ کا کمر بند دیکھا، جاؤ اب سندھ میں تم سے رشد و ہدایت کے سرچشمے پھوٹیں گے، وہاں پہنچ کر دین کو حیاتِ نو بخشو، مخدوم ابوالقاسم نے عرض کیا مجھے تعمیلِ ارشاد میں لے میاں عبدالباقی واعظ - مخدوم ابوالقاسم کے فیض یافتگان میں تھے، اور اپنے دور کے مشہور واعظ تھے، اُن کے مواعظ و تذکیر سے بہت سے لوگوں نے ہدایت پائی (تحفۃ الکرام جلد ۱ صفحہ ۷۶)۔

عذر نہیں، لیکن جب کہ طالبانِ حق کی آمد و رفت میرے پاس کثرت سے ہوگی، اُن کے اخراجات خورد و نوش کا کیا انتظام ہوگا؟ فرمایا آؤ ہمارے پاس تھیں عملِ قرطاس کھا دوں گا غذا کو کاٹ کر مٹھی میں لو، خدا کے حکم سے تم روپیہ یا ریال یا اسٹرنی جس چیز کا خیال تم دل میں کر دو گے مٹھی کھولنے کے بعد اس کو پاؤ گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے مخدوم ابوالقاسم کو تسخیر ہوا کا عمل بھی بتایا تھا یعنی ہوا میں ہاتھ مارتے تھے اور جو جاتے تھے مٹھی میں آجاتا تھا۔

سندھ میں پہنچنے کے بعد حضرت مخدوم ابوالقاسم نے بہت سے بھٹکے ہوئے انسانوں کا رشتہ خدا سے جوڑا، لوگوں کو نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف بلایا، برائیوں اور بد اخلاقیوں سے روکا، یہاں تک کہ سندھ کے علاوہ دودھ دور سے لوگ طالبِ حق بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور راہِ سعادت پا کر واپس جاتے تھے۔

نظامِ اصلاح و تربیت | حضرت مخدوم ابوالقاسم کے اصلاح و تربیت کا نظام کسی خاص طبقے یا جماعت سے متعلق نہ تھا، بلکہ آپ کے رشد و ہدایت کا ابرگمبار خاص دعام دونوں کو فیض یاب کرتا تھا، اور دونوں طبقے کے لوگ آپ کی ذاتِ بابرکات سے مستفید ہوتے تھے تحفۃ الطاہرین میں ہے کہ۔

اَلذَاتِ مُلْكِ صِفَاتِ خورشیدِ مَرَحْمَتِ بُوْدِ كِه بِرِخْلَقِ مِیْ یَافَتِ ،
وَسَحَابِ رَحْمَتِ بُوْدِ كِه عَالَمِ اَز رَشْحِ غَیَاثِشِ فِیضِ مِیْ یَافَتِ ، ہزاراں
مردم بہمنِ نظرِ فیضِ انردِ مِیْ بِلَاكِ دِلِ رَاہِ بَرْدَنْدِ بِلِشْعَلِ ذِكْرِ خَفِیْ بَدْرِجُہِ
تَحْقِیْقِ رَسِیْدَنْدِ۔

۱۰ تحفۃ الطاہرین شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۸۰۔

تحفۃ الکرام میں ہے کہ

از اہل مشائخ صاحب حال و قال برآمدہ، بغیض تمکاثر رسانیدہ، صحبتش
گم گشتگان باوئیہ منالیت را بشاہراہ نجات فائز کردے، بسیار بزرگ
از خدمتش بمقصد رسیدند۔

استجاب دعا بعد مستجاب الدعوات تھے، ٹھٹھہ کے گورنر نواب سیف اللہ خاں
کا ایک مصاحب حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹھوی سے چھپی ہوئی
دشمنی رکھتا تھا، اور آپ کو اذیت پہنچانے کی فکر میں لگا رہتا تھا، اُس کی خفیہ کوشش
یہ تھی کہ کوئی ایسی ترکیب کی جائے کہ جس سے نواب سیف اللہ خاں مخدوم محمد معین
کے خلاف ہو جائے، لیکن اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی، ایک دن اُس نے
نہایت چالاکی سے علاقہ چاچکان کی فوجداری کی خدمات کے احکام نواب سے اپنے
لئے حاصل کر لئے، کیونکہ اس علاقے میں مخدوم محمد معین کی جاگیر واقع تھی، جس سے اس کا
مقصد یہ تھا کہ وہاں پہنچ کر مخدوم محمد معین کی جاگیر کو نقصان پہنچائے، اور اس حد تک
دیران کرے کہ کبھی آباد نہ ہو سکے، مخدوم محمد معین کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے پیر و
مرشد مخدوم ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تمام واقعہ بیان کیا، آپ اُس
وقت وضو فرما رہے تھے، واقعہ سننے ہی لوٹا آپ کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر ا اور ٹوٹ

۱۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۶

۲۔ نواب سیف اللہ خاں ذالجبہ ۱۳۱۱ھ میں ٹھٹھہ کا گورنر مقرر ہوا، اُس نے ٹھٹھہ کے نظم و نسق کو بہترین
طریقہ پر چلایا، اور شہر کو پرواقف بنایا، اُس نے ۱۳۱۱ھ میں قن میں مبتلا ہو کر وفات پائی، اور ٹھٹھہ کے
مشہور قبرستان ”مکلی“ میں جلوہ گاہِ امین میں مدفون ہوا، اس کی تاریخ وفات اس مصرعہ سے نکلتی ہے۔
ع ”دست دے بادامن آل رسول“ (تحفۃ الکرام جلد ۲ صفحہ ۱۰۲)۔

۳۔ چاچکان تعلقہ بدین میں ایک موضع ہے، اور ایک قوم بھی ہے، اس موضع کے اطراف کو ”سراچاچکان“
اور ”علاقہ چاچکان“ کہتے ہیں (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۵)۔

گیا، آپ مخدوم محمد معین کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ مطمئن رہو اُس بداندیش کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا، چنانچہ جیسے ہی وہ فوجدارِ چاچکان کے احکام لے کر روانہ ہوا، ابھی وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے نکلا ہی تھا، اور دریا کے گھاٹ سے آگے گزرنے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک اس کا گھوڑا چراغ پا ہوا، اور وہ گھوڑے سے گرا، گھوڑا اُس کو زمین پر ٹپک کر اس حال میں بھاگا کہ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں تھا، اور گھوڑا دوڑ رہا تھا، یہاں تک کہ اُسی حالت میں اُس نے دم توڑ دیا۔

مریدین و خلفا | آپ کے مریدین و خلفا کی تعداد کثیر ہے، تکملہ مقالات الشعر کے فٹ نوٹس میں سید صام الدین صاحب راشدی نے ”طوار سلاسل“ کے حوالے سے آپ کے مریدین و فیض یافتگان کے حسبِ ذیل اسمائے گرامی دیئے ہیں۔

- (۱) مخدوم محمد معین ٹھٹھوی
- (۲) محمد مقیم ولد سعد اللہ، ساکن جھنجھ
- (۳) میاں محمد یعقوب سمہ، ساکن قریہ کبر
- (۴) شیخ یحییٰ عرب جنھوں نے مدینہ طیبہ میں اس طریقے کا احیا کیا
- (۵) سید سلطان شاہ ہندی
- (۶) میاں حبیب، مشہور بہیت پوترہ
- (۷) میاں عبدالوالی، برادر عبدالباقی داغظا گھمی
- (۸) حاجی کمال اودھیجہ
- (۹) مخدوم ضیاء الدین دانشمند معروف ٹھٹھوی
- (۱۰) میاں نور محمد سہار
- (۱۱) سید ناصر ولد سید نعمت اللہ شکر اللہی، شیرازی

(۱۲) سید عبداللہ ولد سید نعمت اللہ شکر اللہی، شیرازی

(۱۳) مخدوم غایت اللہ بصیر، داغظٹھوی

(۱۴) میر مرتضیٰ ولد میر کمال الدین خاں رضوی

(۱۵) سید رحمت اللہ عرف سید متو، شکر اللہی، شیرازی

(۱۶) میاں عبدالباقی داغظ، ساکن انکھ و متعلوی

(۱۷) عبدالرحیم سومرہ

(۱۸) مخدوم میدانہ، نصر پوری

(۱۹) درس بلال، ساکن پران

(۲۰) میاں محمد، نواسہ مخدوم آدم نقشبندی

میاں السالکین میں بھی آپ کے دو تین طفلار کاتذکرہ موجود ہے جو بندہ سورت میں رہ کر سلسلہ نقشبندیہ کے فردغ و ترقی میں مصروف تھے۔

میاں ابوالحسن خشت والہ جو عمر کوٹ کے قریب کہیں رہتے تھے، ادب بزرگوں سے نہایت عقیدت رکھتے تھے، ان کی عادت تھی کہ جس شہر میں کسی بزرگ کاتذکرہ سنتے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک دہہ یا دو دہے یا ایک چلہ گزارتے اور فیض حاصل کرتے تھے، جب مخدوم ابوالقاسم کے فیوض و برکات کا پورا چاندھ میں عام ہوا تو یہ بھی ایک چلہ گزارنے کے لئے آپ کی خدمت میں پہنچے، آپ نے تین چار روز کے بعد ان کو روانگی کی اجازت دے دی، اور خلافت عطا فرما کر حکم دیا کہ اپنے بزرگوں کے طریقے کے مطابق دین کو پھیلانیں، جب یہ اپنے وطن واپس لوٹے، تو اہل وطن ان سے ملنے کے لئے آئے اور انھوں نے ان سے کہا کہ آپ کی عادت تو یہ ہے کہ آپ جب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ان کے پاس ایک یا دو چلے گزارتے ہیں، شاید آپ کا وہاں دل نہیں لگا، اسی لئے

آپ جلد واپس تشریف لے آئے، میان ابوالحسن نے کہا افسوس ہے کہ یہ تم کیسی فضول باتیں کر رہے ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں کی ایک دو گھڑی دوسروں کے یہاں تمام عمر کے رہنے سے بہتر ہے، وہ چیز کہ جس کی مجھے تلاش تھی، اور جسے میں ہر روز اسے پر ڈھونڈتا تھا اُس بارگاہ میں میں نے تین بار روز میں حاصل کر لی۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے درگاہ حضرت پیر بیٹھا میں تصوف کے کسی خاص مقام کے حصول کے لئے ایک چٹہ کھینچا، جب چالیسویں رات ہوئی، تو عالم مراقبہ میں حضرت پیر بیٹھا نے اس سے فرمایا کہ بابائے اس زمانے میں لوگوں کی وہ طلب ہے، اور نہ وہ طلب کرنے والے ہیں، تم جس مقام کے طالب ہو کر آئے ہو وہ تمہیں تعبیر محنت کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے، بیچارہ بد دل اور نل ہو کر وہاں سے لوٹا، اور خدم ابوالقاسم کی شہرت سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تھوڑے ہی دن میں تصوف کے جس مقام کا وہ طالب تھا، اُس سے بلند تر مقامات پر فائز ہوا، ایک روز اس نے تنہائی میں حضرت خدم ابوالقاسم سے درگاہ حضرت پیر بیٹھا پر چٹہ کھینچنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت پیر قدس سرہ نے تو ایسا فرمایا تھا، اور میں آپ کی خدمت میں رہ کر چند ہی دن میں اُس مقام سے کہیں بالاتر گزر چکا ہوں، آپ نے فرمایا بیشک بابا پیر قدس سرہ نے جو تم سے فرمایا تھا وہ صحیح ہے جو کچھ بھی انسان کو حاصل ہوتا ہے، محنت سے حاصل ہوتا ہے، مگر یہاں خدا کی رحمت کا بحر بے پایاں جوش میں آیا ہوا ہے جو ہر خشک زمین کو سیراب کر رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہب ایک دوسری چیز ہے، اور کسب ایک اور چیز، کاسب خواہ درزی ہو یا دھوبی اگر تم اس سے سوال کرو کہ تم ایک لاکھ روپیہ جمع کر سکتے ہو، وہ بغیر مال کے جواب دے گا کہ میرے لئے یہ ناممکنات میں سے ہے، لیکن وہ شخص

جس کو بادشاہِ دقت نے طلب کر کے اپنی مہربانی سے ایک وقت میں دس لاکھ روپیہ دے دیا ہو، اگر اس سے یہی سوال کیا جائے تو وہ جواب دے گا کہ اگر خدا چاہے تو یہ ایک منٹ میں ممکن ہے۔

حجرہِ حضورؐ | خانقاہ کے جس حجرے میں آپ کا قیام تھا وہ حجرہِ حضورؐ کہلاتا تھا، حجرہِ حضورؐ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک رات عشا کے بہت دیر بعد، آپ کے حجرے سے دو آدمیوں کے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز آرہی تھی، خانقاہ کے فقیروں نے یہ سمجھا کہ شاید شہر کے علماء دین میں سے کوئی آیا ہے جس سے آپ باتیں فرما رہے ہیں، تھوڑی دیر میں آپ حجرے سے برآمد ہوئے، اور تازہ وضو کیا، اور خانقاہ کے ایک فقیر سے فرمایا کہ حجرے میں سے ہماری دستار لاؤ، فقیر حجرے سے دستار لینے کے لئے گیا، لیکن جب وہ اندر داخل ہوا تو اسے حیرانی ہوئی کہ حجرے میں کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں تھا، وہ بہت دیر تک حیران رہا کہ حجرے میں کوئی موجود نہیں، آخر یہ دوسری آواز کس کی تھی۔ کچھ دن بعد اسی خادم نے راز میں اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے، اس وقت سے آپ کے حجرے کا نام حجرہِ حضورؐ پڑ گیا۔

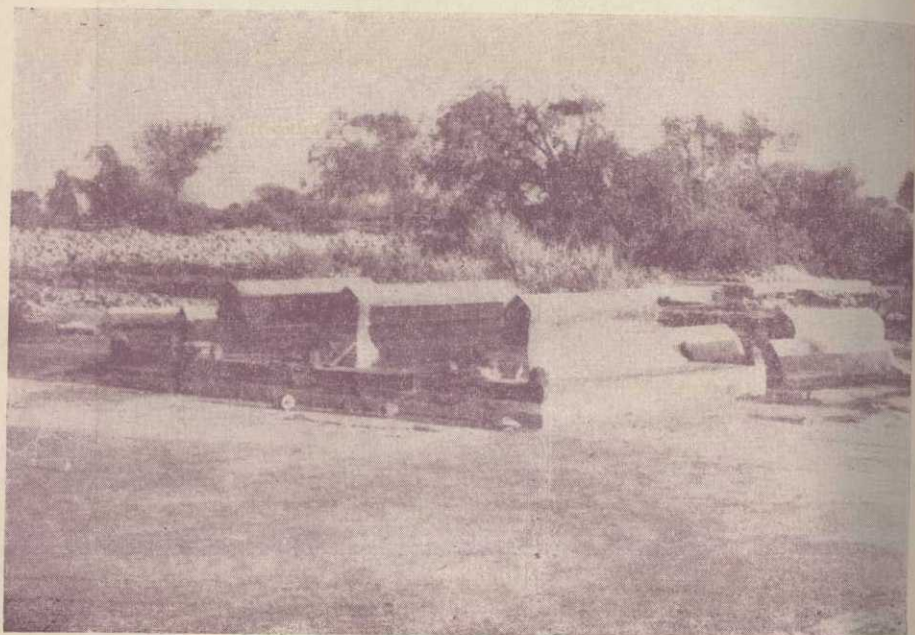
وفات | ۳ شعبان ۳۸ھ کو حضرت مخدوم ابوالقاسم وصلی اللہ علیہ وسلم سالِ تاریخ وفات اس شعر کے مصرعہ ثانی سے نکلتا ہے۔

بسالِ وصلِ اہلِ اہلِ بختِ بود
ابوالقاسم سرا سرِ نورِ حقِ بود

۸ ۳ ۱ ۱ھ

فضائل | طریقہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت شاہ ضیاء الدین الحق صاحب سرہندی نے فرمایا کہ جب میں نے یہ سنا کہ شیخ جیہ چراغِ مکی ہیں، تو

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے اک صاحبِ اسرار

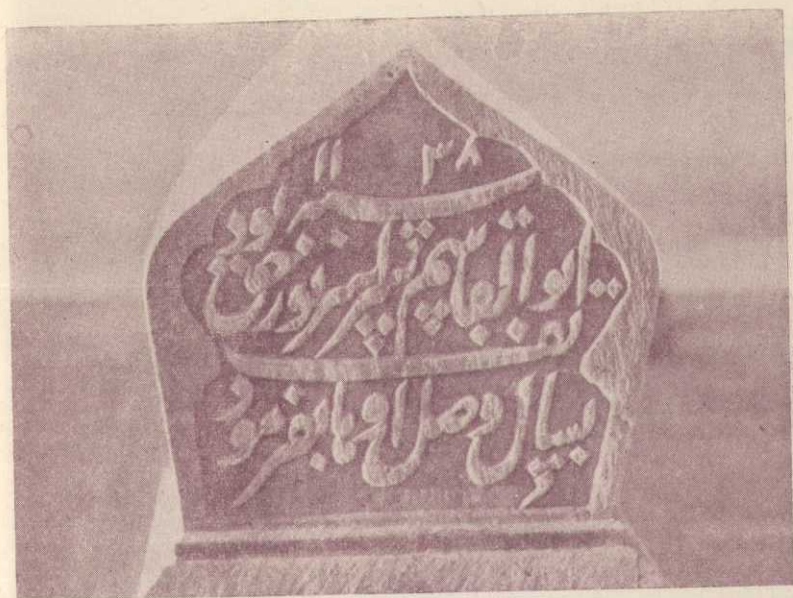


مزار مخدوم ابوالقاسم نقشبندی

واقعہ مکی - ٹھٹھہ

جن سے سمناء میں سلسلہ 'نقشبندیہ' کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا

(شکریہ سندھی ادبی بورڈ)



کتبه مزار حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی

واقع قبرستان مکلی - ٹھٹھہ

(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

مجھے خیال ہوا کہ آپ کے مزار مبارک کی زیارت کرنی چاہئے، چنانچہ انہوں نے مکلی حاضر ہو کر شیخ جیہ کے مزار کی زیارت کی پھر فرمایا بیشک آپ ”چراغِ مکلی“ ہیں، جب انہوں نے حضرت مخدوم ابوالقاسم کے مزار کی زیارت کی تو فرمایا کہ یہ بزرگوار مکلی کے خورشید ہیں، اور خورشید کے سامنے چراغ کی کیا حقیقت ہے۔

شاہ ضیاء الدین الحق پھر ایک مرتبہ سندھ تشریف لائے، اور جب آپ مخدوم ابوالقاسم کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے تو دیر تک مراقبہ کیا، پھر فرمایا یہ تو سرہند کی خانقاہ ہے۔

آپ کی بزرگی و فضیلت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے شیخ شاہ سیف الدین کے پاس جب سندھ کے بڑے بڑے علماء اور اولیاء خط لکھتے اور کچھ دریافت کرتے تو آپ تحریر فرماتے کہ خدا کی طرف سے خطہ سندھ مخدوم ابوالقاسم کے حوالے ہے، جو کچھ پوچھو ان سے پوچھو۔

سندھ کے عظیم المرتبت عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی آپ سے بید عقیدت رکھتے تھے، اور ہر روز آپ کی نشست گاہ میں جا رو بکشی کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، اور آپ سے توجہ و تلقین کے طالب رہتے تھے۔

شاعری | آپ کا ایک شعر صاحبِ مرغوبِ الاجاب نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے، جسے ہم یہاں تبرا کا نقل کرتے ہیں۔

ہر لوحِ دل جو تختہٴ تسلیم کو دکاں

ہر حرفِ آرزو کہ نوشتم خراب شد

۱۔ مخدوم ابوالقاسم کے تمام حالات تکملہ مقالات الشعراء باب الخاریفینِ خلیل سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ تکملہ مقالات الشعراء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۴۴۔

۳۔ مرغوبِ الاجاب قلمی۔ تذکرہ مخدوم ابوالقاسم۔

خوش درخشید و لے لمعہ مستعجل بود

لا اله الا الله محمد رسول الله
الله اعلم

۶۶ - حضرت یونس علیه السلام

(۶)

درویش اسحاق

معروف

بہ اسحاق پوتہ

حالات | درویش اسحاق صاحبِ حال اور باکرامت بزرگ تھے، اپنا سارا وقت عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں میں گزارتے، سخاوت و فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو کچھ اُن کے پاس ہوتا خدا کی راہ میں دے دیتے یہاں تک کہ اگر کچھ بھی نہ ہوتا اور کوئی سائل و مسکین آپ کے دروازے پر آجاتا تو اپنی چادر اور تہبند اس کو دے دیتے، لیکن اُس کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔

صائم الدہر تھے، اور آخر عمر میں ایک ہتیلی بھر اجواں سے روزہ افطار کرتے۔
وفات | ایک روز فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، عین سجدے کی حالت میں آپ نے وفات پائی۔

مزار | آپ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مٹکی میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

(۷)

شیخ ابراہیم

حالات | آپ کا نام شیخ ابراہیم تھا، اپنے زہد و تقدس کی وجہ سے اولیاء و صوفیاء میں ممتاز تھے، ہمیشہ جنس غلے سے کھانے سے پرہیز کرتے اور ذکر الہی میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ آپ کو کھانے پینے کی چیزوں میں میٹھے اور کھٹے کی لذت معلوم نہ تھی۔

جس بیماری میں کہ آپ نے وفات پائی، آپ کی لڑکی نے ایک دن آپ کے لئے گیہوں کی ایک روٹی اس میں گھی اور شکر ڈال کر بچائی، اور اپنے والد کے سامنے لے کر آئیں تاکہ آپ اسے نوش فرمائیں، شیخ ابراہیم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ گیہوں کی روٹی ہے جس میں گھی اور شکر بھری ہوئی ہے، فرمایا اے میرے آنکھوں کے نور اب جب کہ میری زندگی کا آفتاب غروب ہونے کے قریب ہے، اور میرے عمر بھر کے روزے کے افطار کا وقت قریب آچکا ہے، تم چاہتی ہو کہ میں اپنے عمر بھر کے روزے کو ان دو تین میٹھے لقموں کی وجہ سے کہ جن کی لذت ایک منٹ سے زیادہ نہیں توڑ دوں، اور شاہدۂ ابدی کی ملاوت کی چاشنی سے محروم رہوں، یہ ممکن نہیں۔

مزارِ وفات کے بعد موضع مشکریاری میں مدفون ہوئے۔

لے حدیقۃ الاولیاء رقمی صفحہ ۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۲۲ و تحفۃ الکبام صفحہ ۱۲۵ جلد ۳۔

(۸)

مخدوم بلال تلی

نام و وطن | اسم گرامی بلال تھا، آپ موضع تلی کے رہنے والے تھے۔ شاہ
حسن ارغون کے ہم عصر تھے۔

ملقات و ہمیشینی | مخدوم بلال، حقائق و معارف آگاہ مخدوم جمعہ کے ہمیشین
تھے، اور ان سے انتہائی مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے،
مخدوم جمعہ اپنے وقت کے جید عالم اور بڑے متقی و متدین بزرگ تھے۔

علوم ظاہری | مخدوم بلال علوم ظاہری میں بھی بڑا بلند مرتبہ رکھتے تھے، اور
لوگ ان کے بحر علمی سے استفادہ کرتے تھے، صاحب تحفہ الکرام
میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے لکھا ہے

”از اجلہ عارفان، و اصل بحق در علم ظاہر شائے عظیم داشتہ“
میر معصوم بھکری نے اپنی مشہور کتاب تاریخ معصومی میں لکھا ہے۔
”دروادی تقوی و زہد شبیہ و نظیر نہ داشتہ در علم حدیث و تفسیر مہارت
نامتہ داشتہ و صاحب مقامات ارجمند بود“

۱۵ تلی ضلع دادو کا ایک موضع ہے۔ ۱۶ مرزا شاہ حسن ارغون سندھ میں ارغون خاندان کا
دوسرا بادشاہ تھا، یہ ۱۷۹۰ھ میں اپنے والد شاہ بیگ ارغون کی وفات کے بعد نصر پور میں تخت
نشین ہوا، اور ۱۸۰۰ھ میں اس نے موضع علی پورہ میں وفات پائی (معصومی صفحہ ۱۹۲)
۱۷ مخدوم جمعہ کا مزار کھلی میں واقع ہے (تحفہ الکرام جلد ۲ صفحہ ۲۵۰)

عبادت | ایام طفلی ہی سے آپ کو عبادت کا ذوق و شوق تھا، ہمیشہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے، تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ ساری عمر آپ نماز و روزے میں مصروف رہے، ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ رات کو آپ پانی سے بھرے ہوئے ایک بڑے طشت میں بیٹھ کر ذکر و شغل کرتے، ذکر و شغل کی وجہ سے پانی میں ایک جوش پیدا ہو جاتا، اور پانی چلکی کی طرح گھومنے لگتا، اور پانی میں یہ جوش اس وقت تک باقی رہتا تھا تا وقتیکہ صبح کو وہ پانی دریا میں نہ پھینک دیا جاتا۔

رشد و ہدایت | لیکن اس زہد، عبادت اور ریاضت کے باوجود آپ رشد و ہدایت کے فرائض سے کبھی غافل نہ ہوئے، عوام کی مذہبی اور روحانی تعلیمات کی طرف آپ کی خاص توجہ تھی، عبادت و ریاضت کے بعد آپ کو جو کچھ وقت ملتا، آپ اپنے وقت کا بڑا حصہ ہندو معظمت میں صرف کرتے، اور عوام کی اخلاقی و معاشرتی حالت سنوارنے کی کوشش کرتے۔

نبرہ گوں کی عقیدت | گذشتہ نبرہ گوں سے غیر معمولی عقیدت رکھتے، اور ان کے فرار پر حاضری و زیارت کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ آپ سلطان العارفین حضرت مخدوم لعل شہباز قلندر کی زیارت کے لئے نکلتی میں بیٹھ کر سیون تشریف لے جا رہے تھے، کشتی کا طراح جیسا کہ ان لوگوں کی عادت ہوتی ہے، گالی گلوچ و خرافات بکنے میں مصروف تھا، لوگ اس کی یادہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے تنگ آ کر بار بار اس کو روکتے تھے مگر وہ کسی کی نہ سنتا تھا، اور برابر اپنی بکواس میں لگا ہوا تھا، جب معاملہ حد سے بڑھا اور وہ کسی

طرح خاموش نہ ہوا تو مخدوم بلال اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنی ٹوپی ملاح کے سر پر رکھ دی، ٹوپی کا سر پر رکھنا ہی تھا کہ ایک عجیب و غریب تبدیلی ملاح میں پیدا ہوئی لوگوں نے دیکھا کہ وہی ملاح جو طرح طرح کی بکواس کر رہا تھا ٹوپی کے سر پر رکھتے ہی یکایک قرآنی آیات کے معارف اور احادیث نبوی کی توضیحات کرنے لگا، کشتی میں بیٹھنے والا بہر فرد اس تبدیلی پر حیران تھا، یہاں تک کہ سفر پورا ہو گیا کشتی سے اترتے وقت مخدوم نے اپنی ٹوپی اس کے سر پر سے اتار لی، ملاح کی پھر وہی حالت عود کر آئی، حسبِ عادت پھر وہ اپنی بکواس میں مصروف ہو گیا۔

وفات مخدوم بلال نے ارغون خاندان کے پہلے بادشاہ شاہ بیگ ارغون کے ایک سال بعد ۹۲۹ھ میں وفات پائی، آپ کا فرزند مکیؒ میں { باغیانہ درگاہ شیخ حاد جالی کے عقب میں واقع ہے۔

خلفاء و مریدین حضرت مخدوم بلال کے خلفاء میں مخدوم رکن الدین مشہور بہ مخدوم متواتب تیار خاص رکھتے ہیں۔ مخدوم متواتب حضرت ابو بکر صدیق کی اولاد سے تھے، ہمیشہ اوراد و وظائف و عبادات میں مصروف رہتے، مسند ارشاد پر بیٹھے تو ان کو بڑی مقبولیت حاصل ہوتی، معصومی میں لکھا ہے کہ :-
”ساکنان طریق زہد و تقویٰ و طالبان مہاجر رشاد وہی نسبت

۱۔ یہ واقعہ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۲۱ و معصومی جزی سوم صفحہ ۱۹۹ پر مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔
۲۔ شاہ بیگ خاندان ارغون کا پہلا بادشاہ ہے جس سے ۱۲۱۰ھ میں قندھار سے آکر سندھ کو فتح کیا۔ ۱۲۱۰ھ میں جب کہ وہ گجرات کے فتح کرنے کے ارادے سے سفر کر رہا تھا، راستے میں بیمار ہوا، ۲ شعبان ۱۲۱۰ھ کو اس نے راستہ ہی میں وفات پائی، اس کی لاش بھکر لائی گئی، اور تین سال کے بعد اس کے تابوت کو کہ مظہر بھیجا گیا، جہاں وہ جنت المعلیٰ نامی قبرستان میں مدفون ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا امیر شاہ حسن ارغون سندھ کا فرماندار ہوا و معصومی ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱ھ تحفۃ الطاہرین لکھ معصومی جزی سوم صفحہ ۱۹۹۔

بادور غایت ارادہ بودند اعتماد بر سلوک او نمودند۔

علوم ظاہری میں بھی یگانہ عصر اور صاحب تالیف و تصنیف تھے، آپ کی تصانیف میں شرح اربعین، شرح کیدانی اور بعض دوسرے رسائل مشہور ہیں۔

مخدوم رکن الدین نے ۹۸۶ھ شاہ حسن بیگ ارغون کے زمانہ میں ٹھٹھہ میں وفات پائی، مخدوم بلال کے تربیت یافتگان میں مورخین نے سید حیدر ساکن موضع سن کا بھی تذکرہ کیا ہے، جو بارہ سال کی عمر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کے فیض تربیت سے روحانی مراتب کے اعلیٰ مارج پر فائز ہوئے، سید حیدر نے ۹۸۶ھ میں وفات پائی۔

شاعری | مخدوم بلال شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، ان کی ایک رباعی صاحب مقالات الشعر اے نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے

کہ وہ تصوف کے دقیق نکات کو انتہائی دل آویزی و دلکشی کے ساتھ پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں۔

سرمایہ اختیار خود می باید باخت
از خویش بروں شدہ سوش میاید تاخت

دروا خدا ز سر قدم باید ساخت
کفر است بخود نمائی بردن بچہاں

(۹)

درویش برکیہ کا تیار

حالات | آپ کا نام شیخ برکیہ آپ کے والد کا نام شاہو کا تیار تھا، اپنے زہد و تقویٰ میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے، مخدوم احمد و محمد ابن حضرت اسحاق ہالہ کنڈی کے ہم عصر تھے، صاحب حدیقۃ الاولیاء نے اپنے تذکرے میں ان الفاظ سے آپ کو متعارف کرایا ہے۔

آن عارف محقق و مجذوب حق، والی کشور ولایت، سالک سالک حقیقت، سر دفتر مجاہدانِ راہ ترک و فنا، سالارِ روزندگانِ بوادِ ہی، مخالفتِ نفس دہوارِ انص کمال، صاحبِ حالِ اہلِ دل، قدوۂ ابرارِ روزگار، زبدۂ احرارِ نامدار یعنی شیخ برکیہ ولد شاہو کا تیار از جملہ بزرگوارِ نامدار و مشائخِ کبار و سالک و مجذوب بود۔

مجاہدات | درویش برکیہ کا تیار نے ابتداء ہی سے نہایت سخت مجاہدات کئے تھے، جو مشکل ہی سے دوسرا شخص کر سکتا ہے، میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ دراد اہل احوال ریاضات شادہ کشیدہ حدیقۃ الاولیاء میں ہے کہ

کہ دراد اہل حال ریاضتِ بیشمار و مجاہدات بسیار کشیدہ

و عبادات شاقہ و اعمال دقیقہ از وجود انجامیدہ

سرمہ کے شدید موسم میں جب کہ شدتِ برودت سے پانی جم جاتا تھا، شیخ برکیہ کا تیار ایک چادر اوڑھ کر دریا کے کنارے تشریف لے جاتے، اور غسلِ سرمہ کر اُسی بھگی ہوئی چادر میں نماز میں مشغول ہو جاتے یہاں تک کہ نماز پڑھتے پڑھتے وہ چادر آپ کے بدن پر خشک ہو جاتی، پھر آپ غسل فرماتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے اسی طرح صبح ہو جاتی تھی۔

موسم گرما میں جب کہ سورج کی تمازت شباب پر ہوتی تھی، اور آفتاب کی حرارت سے چشموں کا پانی نکھولنے لگتا تھا، اور پرندے گرمی کی شدت سے ہوا میں اڑتے ہوئے گر پڑتے تھے، آپ چٹیل صحراؤں میں تشریف لے جاتے، اور تپتے ہوئے ریت پر نماز میں مشغول ہو جاتے، اس کی وجہ سے آپ کا جسم جھلس گیا تھا۔

آپ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ روزے بڑی کثرت سے رکھتے تھے، اور ایک روزہ تو سولہ سال کے بعد آپ نے افطار فرمایا۔

ایک روز فرمایا کہ میں نور الہی کے مشاہدہ میں مستغرق تھا کہ میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے کہ اے برکیہ بندہ ہونا چاہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں، پھر آواز آئی کہ ملازم ہونا چاہتے ہو، میں نے کہا نہیں، پھر میں نے سنا کہ کوئی کہتا ہے کہ نہ بندہ ہونا چاہتے ہو نہ ملازم آخر کیا چاہتے ہو، میں نے کہا میں کچھ

۱۵ ایک روزہ کا سولہ سال کے بعد افطار کرنا بظاہر امکان سے باہر ہے، یہ صوم وصال کی صورت ہوگی کہ افطار کے وقت برائے نام کچھ کھا لیتے ہوں گے، اور دوسرے دن پھر روزہ رکھ لیتے ہوں گے، شاید دیکھنے والوں نے اپنے عدم علم کی وجہ سے اسے ایک روزے سے تعبیر کر لیا ہے، (مولف)

ہوں ہی نہیں، اس لئے کچھ نہیں چاہتا، میرے اس جواب کے بعد قدرت کا ہاتھ مجھے اپنی بیٹھ پر محسوس ہوا، اور مجھے عرفان کی دولت بخشی گئی۔
 مزار | آپ نے موضع کا تیار میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

۱۷۔ یہ واقعہ تحفہ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ پر مذکور ہے، باقی تمام واقعات حقیقۃ الادبیات سے لی
 صفحہ ۱۸ تا ۱۹۹ سے ماخوذ ہیں۔

۱۸۔ موضع کا تیار تعلقہ نصر پور میں واقع ہے۔

(۱۰)

حضرت شیخ پٹھا دیلی

نام و نسب | آپ قوم ایلان سے تھے۔ آپ کا اصل نام حسین، لقب شاہ عالم کینت ابوالخیر ہے۔ والد کا نام راجبار اور والدہ کا نام سلطانی رنت مراد بن شرفو ہے۔ لیکن سارے سندھ میں آپ "شیخ پٹھا" کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حسین بن راجبار بن کاہ بن سخیہ ہے۔ قانع کا بیان ہے کہ مشہور بزرگ شاہ جمیل گرناری (سید عبد الہادی بن سید عبد العباس بھی آپ کی بیعت میں داخل تھے اور ان کا مقبرہ حضرت شیخ پٹھا کے مقبرے کے پاس واقع ہے۔

بزرگی و عظمت | شیخ پٹھا سندھ کے قدیم بزرگوں میں سے ہیں کہ جن سے اس ملک میں ہدایت و عرفان کا نور پھیلا، صاحب تحفہ الکرام نے ان کی بزرگی اور کمال کا اعتراف علامہ قاضی محمود کے ان الفاظ کو نقل کرتے ہوئے کیا ہے۔

اقدام ادلیا، واکرم واصلان راہ خدا می باشد در تعریفش چه قدم کسی راہ رود کہ شمش از دالامقاآتش بد فتر نگنجد، در اکثر سند بھی صاحب کمالی کم پر خواستہ۔

بیعت | حضرت شیخ پٹھا موضع آری کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں، جہاں آج لے موضع آری ٹھٹھ سے دکن کی جانب تقریباً میل دیرھ میل کے فاصلے پر واقع ہے، غنوم ما آری ایک بزرگ تھے جو حضرت سید علی کلاں شیرازی کے ارادت مندوں میں تھے۔ یہ موضع ابتداً ان ہی بزرگ کے نام سے موسوم ہوا لیکن آج کل یہ موضع پیر پٹھا کے نام سے موسوم ہے

تحفہ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۱ و تحفہ الطاہرین صفحہ ۹، فٹ نوٹ (۱) مرتبہ آغا بدیع عالم دہلوی

آپ کا مزار پر انوار واقع ہے، عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے، ایک دفعہ حضرت شیخ بہار الدین زکریا قلمانی شاہ عثمان شہباز کے ساتھ اس پہاڑ پر سے گزرے آپ نے اپنے مکاشفہ سے اُس جوہر قابل کو محسوس کیا جو اُصل کی طرح اس پہاڑ میں مستور تھا، آپ نے شیخ پٹھا کو اس فار سے نکال کر اپنے دستِ حق پرست پر بیٹھ کیا، اور چند ہی دن میں حضرت شیخ بہار الدین کی نگاہِ فیض اثر نے شیخ پٹھا کو آسمانِ ولایت کا آفتاب بنا دیا۔

اس کے بعد آپ کی ذات سے ہدایت و عرفان کے سندھ میں وہ چشمے جاری ہوئے کہ ہزاروں تشنگانِ معرفت نے آپ سے سیرابیِ حلال کی۔

سندھ میں اردو کا پہلا فقرہ | اردو کا سب سے پہلا فقرہ جو آٹھویں صدی ہجری سنہ ۷۰۰ میں سندھ میں بولا گیا، وہ تاریخ فیروز شاہی میں محفوظ ہے اور اس کی قدامت کو دیکھتے ہوئے بعضوں کو یہ گمان ہوا ہے کہ اردو نے سب سے پہلے سندھ ہی کی سرزمین میں جنم لیا ہے تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ جب پہلی مرتبہ سلطان فیروز شاہ تغلق

۱۰۰ سلطان فیروز شاہ سلطان محمد شاہ تغلق کا بیٹا تھا، سنہ ۱۰۰۰ میں اس کی تاج پوشی سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد دریا کے سندھ کے کنارے ہوئی، سلطان محمد تغلق چونکہ ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا تھا، اسلئے سلطان فیروز نے سنہ ۱۰۰۰ میں ٹھٹھہ کو فتح کرنے کے لئے حملہ کیا، اس وقت سندھ کا فرماں روا اسماعیل خان کا ایک شخص جام بامنیہ تھا، جام بامنیہ نے بھی فیروز شاہ کے حملے کی خبر سن کر اپنی فرج تیار کی، دونوں جوں میں زبردست مقابلہ ہوا مگر اتفاقاً سلطان فیروز کے لشکر میں جانوروں کی بیماری پھیل گئی، اسی کے ساتھ قحط پڑ گیا، جام بامنیہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا رہا، سلطان فیروز نے جب دیکھا کہ حالات اس کے نامساعد ہیں وہ اپنے لشکر کو لے کر گجرات چلا گیا، اگ ٹھٹھا اسی کی طرف اشارہ ہو، پھر اُس نے سندھ پر ایک سال کے بعد دوبارہ حملہ کیا، جام بامنیہ نے شکست کے آثار دیکھ کر فیروز شاہ سے صلح کر لی، اور سندھ فیروز شاہ کے ماتحت آگیا، لیکن سلطان فیروز نے اپنی طرف سے دوبارہ سندھ کی حکومت جام بامنیہ کے سپرد کر دی، سلطان نے اترت سال حکومت کر کے سنہ ۱۰۰۰ میں وفات پائی (تاریخ فیروز شاہی) (مختصیف) مقدمہ چارہم و محصومی ذکر سلطان فیروز محمد شاہ)

جام بانیہ فرماں روا سے سندھ سے شکست کھا کر گجرات گیا، اور ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا تو اہل سندھ نے اطمینان کا سانس لیا، وہ اس کے جانے کے بعد خوشیاں مناتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

برکت شیخ پٹھا اک مو اک نٹھا

تاریخ فیروز شاہی کی اصل عبارت یہ ہے۔

واول کرت کہ سلطان فیروز از ٹھٹھہ بے غرض سمت گجرات بازگشت،

ٹھٹھیاں اس سخن راورد حجت ساختند و میفکند "برکت شیخ پٹھا

اک مو اک نٹھا"

"اک مو" سے ان کا اشارہ محمد شاہ تغلق کی طرف تھا جو ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا، اور ٹھٹھہ ہی میں بیمار ہو کر وفات پائی، اور اک نٹھا سے ان کا اشارہ فیروز شاہ تغلق کی طرف تھا، جو جام بانیہ سے شکست کھا کر گجرات جا چکا تھا، اس فقرے سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل سندھ حضرت شیخ پٹھا سے کس قدر دلی عقیدت رکھتے تھے۔

وفات | حضرت شیخ پٹھا رحمہ اللہ میں واصل الی اللہ ہوئے، اور موضع آری کے قریب اسی پہاڑ پر دفن ہوئے جس کے غار میں آپ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔

عرس | آپ کا عرس ۱۲ ربیع الاول کو ہوتا ہے، صاحب حدیقۃ الاولیاء نے لے جام بانیہ سمہ خانہ ان کا ایک فرماں روا لکھا، جس نے سندھ پر پندرہ سال حکومت کر کے وفات پائی۔

لے تاریخ فیروز شاہی، رعیت، مقدمہ یازدہم صفحہ ۲۳۱ ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کا خیال ہے کہ یہ لفظ نٹھا نہیں بلکہ ٹٹھا ہے جو خالص سندھی لفظ ہے جس کے معنی ہیں بھاگا۔

لے شیخ پٹھا کے تمام حالات تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۲۵۲ اور حدیقۃ الاولیاء سے ماخوذ ہیں

اُس عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے جو عوام و خواص کو آپ کی ذاتِ بابرکات سے
ہے ایک طویل نظم لکھی ہے، جس کے چند شعر یہ ہیں۔

شیخ پتہ از سر صدق و یقین	شد مرید شیخ زکریا میں
بعد ازاں آں گوہر بحر شہود	از نقاب خفا چہرہ کشود
ساخت عالم روشن از انوار خویش	کردہ ظاہر در جہاں آثار خویش
بر سرِ آں کوہ مسکن ساخته	دل ز میں ماسومی انداختہ
مدفن پاکش شد اکنوں آں مقام	خوش بیا سوده در آں دار السلام
خوش مزارے فیض بخش جاں فزا	دیدہ دل را از نور وضیا
قلعہ کو پیش بگردوں بردہ سر	شمسہ قصرش نمازی با تسمیر
نردبانِش سنگ و گچ برداختہ	مہرہ ہرش مصقل ساخته
سُلم است یا منبر نور است این	یا کہ موج بحر کافور است این
روضہ نہ بلکہ قصرے از بہشت	کز گلاب و عود و زعفران سرشت
از بخور عود و عنبر فی الملش	جلہ حور است گوئی آں محل
در سواد صحن او اندہر طرف	سایہ و اشجار بینی ہر طرف
چشمہ آب ہواں چون سبیل	کآب او باشد شفا بخش علیل
زائران آستانش صد ہزار	میرسد از ہر طرف یل و نہار

رحمت ایزد تعالیٰ پے بہ پے

ز آسمان منزل بود بر روح و شے

لکھ حدیقۃ الاولیاء ملی ملکہ سندھ یونیورسٹی صفحہ ۵۵، ۵۶۔

(۱۱)

حضرت سید جلال الدین بخاری

جلال سرخ

نام و نسب اسم گرامی جلال الدین، لقب جلال سرخ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے سید جلال الدین جلال سرخ بن ابی الموید علی بن جعفر بن محمود بن احمد عبد اللہ بن علی اصغر بن عبد اللہ جعفر بن امام علی نقی علیہ السلام۔
بھکر میں تشریف آوری حضرت جلال سرخ بخارا سے بھکر تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار کی۔

بیعت آپ نے عمان جا کر حضرت بہار الدین زکریا ملتانی سے بیعت کی، اور مجاہدوں و ریاضتوں کے بعد خرقہ خلافت بھی حاصل کیا۔
بزرگی و عظمت آپ کی بزرگی و عظمت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ

از بزرگان صحیح است، جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بودند

۱۔ حضرت جلال سرخ اگرچہ سندھ میں مدفون نہیں ہیں، لیکن آپ کا بہت گہرا تعلق سندھ سے رہا ہے، اور ایک لحاظ سے سندھ کو انھوں نے اپنا وطن بنایا تھا، اسلئے آپ کا تذکرہ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ ۲۔ اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ ۳۔ بزم صوفیاء صفحہ ۳۹۵ ۴۔ اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ ۵۔ سفینۃ الاولیاء صفحہ ۲۱

ازدواج | بھکر کے دوران قیام ہی میں وہاں کے ایک مشہور امیر سید بدر الدین کی چھوٹی لڑکی سے آپ نے نکاح کیا، اخبار الاخبار میں ہے کہ اس نکاح کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو دی تھی، اور اس بشارت سے سید بدر الدین بھی نوازے گئے تھے۔

ترک وطن اور وفات | خویش و اقارب کے رشک و حسد کی بنا پر آپ بھکر چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے، اور سلسلہ ۱۲ء میں اچھ تشریف لے گئے اور وہاں محلہ بخاریاں آباد کیا، اور آپ ہی کی بدولت اچھ میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی، اور یہ شہر اسلام کا مرکز بنا، پھر آپ نے پنجاب میں شہر جنگ سیالوں کی بنیاد ڈالی، اور بہت دن تک مغربی پنجاب میں اعلا رکلمۃ الحق اور تبلیغ اسلام فرماتے رہے، آپ کی سعی سے کئی قبیلوں نے اسلام قبول کیا، آپ نے پچانوے سال کی عمر میں ۱۲۸۰ء میں اچھ میں وفات پائی، وہیں آپ کا مزار مبارک ہے۔

اولاد | سید جلال سرخ کے تین فرزند تھے، حضرت سید احمد کبیر، حضرت سید بہار الدین اور حضرت سید محمد، سید جلال الدین بخاری محند دم جہانیاں جہاں گشت، حضرت سید محمد کی اولاد میں ہیں جنہوں نے سلسلہ ۱۲ میں ٹھٹھہ کے بادشاہ جام بانیہ اور فیروز شاہ تغلق کی عین لڑائی کے موقع پر صلح کرائی تھی۔

۱۲ اخبار الاخبار صفحہ ۶۱ ۱۲ اخبار الاخبار صفحہ ۶۱ و آب کوثر مولفہ شیخ محمد اکرام صفحہ ۳۰۹، ۳۱۰ بحوالہ بہاول پور گزیٹیر ۱۲ محند دم جہانیاں جہاں گشت سلسلہ ۱۲ میں اچھ میں پیدا ہوئے، حضرت بہار الدین کو گریا کے پوتے حضرت ابوالفتح سے بیعت و خلافت حاصل کی، ۱۲ میں آپ نے جام بانیہ کی تحریک پر سلطان فیروز شاہ تغلق اور جام بانیہ کے درمیان صلح کرائی، حضرت محند دم جہانیاں جہاں گشت نے اٹھتر سال ایک ماہ چھبیس روز کی عمر میں ۱۲ میں وفات پائی (بزم صوفیاء صفحہ ۳۹۳ ذکرہ حضرت جلال الدین بخاری)

(۱۲)

شیخ جیہ

نسب و خاندان | رشد و ہدایت کے روشن چراغ شیخ جیہ کے والد کا اسم گرامی شیخ نعمت اللہ تھا، جو حضرت شیخ بہار الدین زکریا لمٹانی کی اولاد میں ہیں، شیخ نعمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ خاندان کے فرماؤں کے زمانے میں ٹھٹھہ تشریف لائے، اور ٹھٹھہ میں ہی وفات پائی، شیخ نعمت اللہ خود بھی بڑے باکرامت اور صاحب کمال بزرگ تھے، ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ جیہ بھی زہد و درع اور عمل کی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہوئے، روحانی اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند تھا، اپنی عظمت و جلالت کی وجہ سے ”چراغِ مکی“ کہلاتے ہیں، ان کے عرفان و تصوف کی روشن کی ہوئی شمع سے، سیکڑوں انسانوں نے حق کی راہ پائی، صاحب تحفۃ الطاہرین نے لکھا ہے کہ

دے اہل ادیب سے کرام و اقدم مشائخ عظام بودہ، بوفور نور ہدایت
ادرا ”چراغِ مکی“ گویند، انوارِ معرفت از جبین دے تاباں و اشعہ
ہدایت از ناصیہ دے درخشاں بود، بامردم از فیض تربیت ادراہ

اسم ایک قوم ہے جو سندھ کے قدیم باشندے ہیں، معصومی یہ ہے کہ ابتدائے قحطی کے سہ اگر سندھ میں آباد ہوئی، ان میں اور سندھ کے لوگوں میں بید ربط و اتحار تھا، سومرہ خاندان کی بسات سلطنت کو اللہ کے بعد سندھ میں سہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی، سہ خاندان کا پہلا بادشاہ جام اُتر تھا اور آخری بادشاہ نام جام فیروز تھا، سہ خاندان نے سندھ پر حکومت کی ان کی تعداد سترہ ہے۔

(معصومی - تحفۃ الکرام - لب تاریخ سندھ)

بھی برونند بسیار کساں ہمیں ہمت اور ہلک معنی رسیدند۔

کرامت مشہور ہے کہ آپ کے خادموں میں سے ایک خادم کو ضعفِ بصر کا مرض یہاں تک بڑھا کہ وہ بینائی سے محروم ہو گیا، وہ ہر روز ایک وقت مقررہ پر شیخ جیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا، مگر زبان سے کچھ نہ کہتا، اسی طرح جب بہت دن گزر گئے تو شیخ جیہ نے خود اُس سے پوچھا کہ آخر تمہاری روزانہ حاضری کا کیا مقصد ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ حضور مجھے اس کا غم نہیں کہ میں نابینا ہو گیا ہوں، مگر میرے لئے باعثِ افسوس تو یہ ہے کہ میرے دل کی دنیا بھی ایک ہے جو میرے لئے آنکھوں کی بینائی زائل ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہے، شیخ جیہ اُس کی یہ گفتگو سن کر بے حد متاثر ہوئے، اور آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی، آپ نے اُس پر ایک نظر ڈالی، اُس نگاہِ فیض اثر کا پڑنا ہی تھا کہ دل نورِ بصیرت اور آنکھیں نورِ بصارت سے منور ہو گئیں۔

مزار آپ کا مزار کوہِ مکی پر واقع ہے، قدیم زمانے میں ہر مہینے کے پہلے دو شنبہ کی رات میں آپ کے مزار پر عقیدت مندوں کا بڑا اجتماع ہوتا تھا، تحفۃ الکرام میں ہے کہ

ہر سال بتایں موصوفِ مجمعِ سترگِ مہمہ گردید
ندام از شہر و بیرون آنجا احیا نمایند و تقیران
و جد و سماع آغاندہ غریبِ حلقی مشاہدہ گردد
(تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴۸)

لے تحفۃ الطاہرین صفحہ ۳۹ لے یہ واقعہ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۳۹ سے ماخوذ ہے، اور شیخ جیہ کے متعلق باقی تفصیلات تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴۸ و تحفۃ الطاہرین صفحہ ۳۸ و ۳۹ سے ماخوذ ہیں۔

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ یہ درگاہ اپنی نورانیت کی وجہ سے ممتاز ہے، میر صاحب لکھتے ہیں۔

در تمام کوہ مکی این درگاہ بفرط نورانیت مستثنیٰ است

اہل زیارت باستہ ادبتمش فالنوما جند

(تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴۸)

اس وقت بھی شیخ جیہ کے فرار پر ایک بڑا گنبد ہے، جس میں کئی قببریں واقع ہیں، جن میں دکن کی جانب شیخ جیہ کا فرار ملحدہ ہے، مقبرے کے گرد جو احاطہ ہے اُس میں بھی ایک بڑا قبرستان ہے، شیخ کا مقبرہ اپنی کھنگلی کی وجہ سے مرتے طلب ہے۔

فضائل | صاحب مدیقہ الاولیاء نے آپ کی عظمت عارفانہ کا اعتراف حب ذیل اشعار میں کیا ہے۔

صدر زمن و مدار دوراں	آں سرور افتخار دوراں
نوبادۂ باغ استقامت	گلستۂ گلشن کرامت
گنجینۂ جوہر تجلی	آئینۂ منظر تجلی
سردنفر و اصلاہ خالق	روشن دل عارف حقائق
سیاح محیط وجد و حالات	گل دستۂ گلشن کرامات
خورشید جال شیخ جیہ	مرآت خصال رضیہ
سرچشمۂ آب زندگانی	خضر ویم و سیح ثانی
از شیخ بہاء دین و دنیا	نیکو خلفے بتخت دالا
بسیار بہ درہ بہار امید	صبح نقش ز فیض جاوید

۱۵ حواشی مکی نامہ مرتبہ سید حامد الدین صاحب راشدی شائع شدہ رسالہ بہران ۱۳۵۲ھ

متکین زدمش دماغِ توفیق	تابان زرخش چراغِ توفیق
بنمود قضا رو رضایش	صاحبِ نفسے کہ رفیقِ رایش
بر فسقِ عامہ اجابت	صدبرگِ دعایش اذنا بت
یکتاے دیر ز بحرِ تقدیر	شاہنشہ ملکِ ترک و تجرید
بر خاکِ رہش کلاہِ سایاں	از صدقِ عقیدہ سرخِ رایاں
در پوزہ گرِ دردِ عایش	شاہانِ جہاں ہمہ گدایش
کز فیضِ سر رشته آبِ فاکش	خوش روح فرا فرار پاکش
کز خلدِ بریں دہد نشانے	آراستہ گشتہ آستانے
سر مست ز دیدش نظارہ	فیض از دردِ بامش آشکارا
گلہائے امید از ان فرارے	بشگفت چمن چمن بہارے
بر چیدہ از ان گلے بہاں	ہر کس بد نبالِ صدقِ ایقان
کز آبِ دہو اے فیضِ رستہ	ایں گلِ مئی تازہ شگفتہ
مخردس ز آفتِ خزانہ	سر سبز بہاند جادوانی

مخ چمنش ز پردہ راز

ہموار چمن بود نوا ساز

(۱۳)

مخدوم جمعہ

حالات | مخدوم جمعہ سندھ کے ممتاز ترین صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں، یہ حضرت سید علی شیرازی اور شیخ اسحاق اربعائی کے ہم عصر ہیں۔

صاحب تحفۃ الکرام اُن کے حامد و مناقب میں رستم طراز ہے کہ
 ”اجل اولیاء و اکمل اتقیا بفضل و کمال معروف و بجال و قال
 موصوف معاصر سید علی ثانی شیرازی است“

صاحب تحفۃ الطاہرین نے ان کے اوصاف و فضائل کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔
 ”وے اجل اولیاء و اکمل اتقیا و عالم عامل و فاضل کامل بود،
 معاصر سید علی شیرازی و شیخ اسحاق اربعائی است“

ایک دفعہ ایک شخص مخدوم جمعہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُس نے پوچھا کہ
 قرآن مجید کی اس آیت و فی انفسکم افلا تبصرون کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے

✓ لے شیخ اسحاق اربعائی کا محل وطن اُچھ تھا، آپ اولیاء کرام کی ایک جماعت کے ساتھ ٹھہرے تشریف
 لائے، اور ٹھہرے ہی مستقل سکونت اختیار فرمائی، اربعائی آپ کو اس لئے کہتے ہیں کہ آپ بدھ کے روتہ
 پیدا ہوئے اور بدھ کو عربی میں اربعا کہتے ہیں، اسی نسبت سے آپ اربعائی مشہور ہو گئے، صاحبِ کلیت
 و صاحبِ حال بزرگ تھے، ملاحجو دراموتی جو سندھ کے مشہور صوفیاء میں ہیں انھیں کے مرید تھے،
 شیخ اسحاق اربعائی نے ۳۰ رمضان کو عید کی شب میں ۷۹۰ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار ٹھہرے کے
 مشہور قبرستان ہکلی میں واقع ہے تحفۃ الطاہرین صفحہ ۴۰ و تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۱
 لے تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۵۰ لے تحفۃ الطاہرین صفحہ ۷۰ و ترجمہ اور کیا تم اپنے نفسوں میں نہیں دیکھتے

اس کے معنی بیان فرمائے، اس شخص نے کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں، لیکن اس سے کیا ملے گی اس کو پڑھتا ہوں اور اپنے نفس میں کچھ نہیں دیکھتا

یاد درخانہ دمن گرد جہاں می گردم

آب در کوزہ دمن تشنه لبان می گردم

مقدم اس کے اس کہنے پر اس قدر متاثر ہوئے کہ بے تاب ہو کر کبھی اٹھتے اور کبھی بیٹھتے اور کبھی اس کی طرف دیکھنے لگتے تھے، آخر آپ کی نگاہ فیض اثر نے اسی مجلس میں اس کی آنکھوں سے اس حجاب کو اٹھا دیا جو معرفت الہی میں مائل تھا، اور وہ شاہد حقیقی کے جلوؤں کو اپنے میں محسوس کرنے لگا۔

وفات | تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنہ وفات نہیں لکھا لیکن قیاس چاہتا ہے کہ آپ نے دسویں صدی کے آخر میں وفات پائی ہوگی، کیونکہ آپ کے معاصر حضرت سید علی ثانی شیرازی کا سنہ وفات (۹۸۱ھ) ہے۔

مزار | آپ کا مزار مکی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

لے شیخ جمعہ کے حالات تحفۃ الظاہرین مطبوعہ سندھ ادبی بورڈ صفحہ ۶۷، ۶۸ سے ماخوذ ہیں۔

(۱۴)

درویش چرکس

نام و خاندان | آپ کا نام چرکس آپ کے والد کا نام دند تھا، قوم سرکی سے تھے سندھ کے صوفیائیں خاص شہرت رکھتے تھے۔

حالات | ریاضت و مجاہدات کی وجہ سے اس مرتبہ عالی پر فائز ہوئے کہ بڑے بڑے صوفیا اور درویش اُن سے نظر ملاتے ہوئے ڈرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ سواری پر سوار ہو کر راستے سے گزر رہے تھے کہ راستے میں اُن کی ملاقات شیخ برکیہ کا تیار سے ہوئی، شیخ برکیہ کا تیار نے اُن کو آتا ہوا دیکھ کر سلام کیا، چونکہ آپ کے ہاتھ میں قرآن مجید تھا اور آپ تلاوت قرآن مجید میں مصروف تھے اس لئے آپ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ شیخ برکیہ کا تیار جلدی سے نظر بچا کر وہاں سے گزر گئے، اور اپنے خادم سے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ ایک اثمد دھاک کی نظر سے ہم صحیح سالم بچ نکلے، اور اپنا مال و متاع بچالائے، اُن کے جانے کے بعد درویش چرکس نے پوچھا کہ یہ کون تھا جس نے ہمیں سلام کیا تھا، لوگوں نے کہا یہ شیخ برکیہ تھے، آپ نے فرمایا بڑا بہادر تھا کہ ہم سے نقدِ دل بچا کر سلامت لے گیا۔

ایک دفعہ آپ مخدوم بلال کے پاس تشریف لائے جو اپنے زمانے کے متبحر عالم درویش تھے، اور اُن سے ایک علمی استفادہ کیا، مخدوم بلال نے اپنے علم کے مطابق جواب دیا، لیکن یہ جواب آپ کو پسند نہ آیا اور کدھر کدھر تشریف

ے گئے، مخدوم بلال کو آپ کے تشریف لے جاتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ تمام علوم اُن کے دل و دماغ سے محو ہو گئے ہیں، وہ فوراً ہی دوڑتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور نہایت ندامت و معذرت کا اظہار کیا، آپ نے پھر ایک بار توجہ فرمائی، اور انھیں ایسا محسوس ہوا کہ اُن کی تمام کھونی علمی صلاحیتیں دوبارہ اُن کو واپس مل گئیں۔

مزار آپ نے موضع ذکہ میں وفات پائی، اور وہیں آپ کا مزار مبارک مرجع خلافت ہے۔

(۱۵)

شیخ حماد جمالی

نام و نسب خاندان | شیخ حماد جمالی نام ہے، آپ کے والد کا اسم گرامی
شیخ رشید الدین جمالی تھا، آپ تدریۃ الواصلین شیخ
جال درویش اچھی کے دھڑی نو اسے ہیں۔

خانقاہ | ساتھی کے زیرین حصے میں جہاں آج آپ کا مزار مبارک واقع ہے،
وہیں آپ کی خانقاہ تھی، جو اُس دور میں سلوک و معرفت اور علوم ظاہری
کی تعلیم کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

آپ کی عادت مبارک تھی کہ خانقاہ کے ایک حجرے میں رہتے اور چہرے پر
ہمیشہ نقاب ڈالے رکھتے تھے، طالبانِ علم اور سالکانِ راہِ طریقت درس و تدریس
لے تھے۔ الطاہرین میں ان کا نام شیخ جال مذکور ہے، لیکن یہ سہو کتابت ہے، اصل میں ان کا نام حماد جمالی
ہے جو ہم نے تحفۃ الکرام سے نقل کیا ہے۔

۱۱۲۰ھ شیخ جال درویش ادبی صاحبِ حال و قالِ نیرنگ تھے، اور عذوم جانیانِ جہاں گشتِ مسید
جلال کے مرید تھے، (تحفۃ الکرام جلد ۲ صفحہ ۱۲۲)

۱۱۲۰ھ محمد طور کے شہر کے دیران ہونے کے بعد جو نواحِ قلعہ ارک میں تھا، اور سلطان علاء الدین کے
شکر کے حدود کے تحت دیران ہوا تھا، سہ بادشاہوں میں جامِ قفل نے اس شہر اور قلعہ کلا کوٹ کو
اپنے نام یعنی قفل آباد کے نام سے آباد کیا لیکن نامکمل رہا، یہ شہر کچھ دن دار الحکومت بھی رہا، پھر
دار الحکومت ٹھٹھہ منتقل ہو گیا، اسی سرزمین کو ساموئی کہتے ہیں جو ٹھٹھہ کے متصل اور مکی سے بالکل
مٹی ہوئی ہے، اگرچہ اب دیوانہ ہے (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۸۲) بضمن ساموئی۔

دیوخی باطنی کے حصول کے لئے خالقہ میں چہرے کے گرد جمع ہو جاتے اور آپ
 وہیں سے حقائے و معارف کے دریا بہاتے اور معرفت و تزکیہ نفس کی تعلیم دیتے۔
 طلباء کی تعداد روزانہ آپ سے اکتساب علوم کرنے والوں کی تعداد ہزاروں
 سے متجاوز ہوتی، محققہ الطاہرین میں ہے۔

”گو بند ہر روز صد ہزار تلامیذا خدمتِ آل مہر سپہر ولایت

اقتباس از دار علوم ظاہری دباطنی می نمودند“

مردیوں کا خیال سندھ میں جام جو نہ کی حکمت کا زمانہ تھا، اس کا چچا زاد
 بھائی جام تاجی اور اس کا لڑکا جام صلاح الدین شیخ حاد جالی

۱۸۳۲ء و تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۸

۱۸۳۲ء کا دوسرا بادشاہ ہے، جس نے اس خاندان میں سب سے پہلے جام کا لقب
 اختیار کیا، جام جو نہ کی مدت حکومت تیرہ سال ہے، اس نے اس زمانے میں مرضِ خاق میں مبتلا ہو کر
 وفات پائی جب کہ سلطان علاء الدین نے اپنے بھائی الخ خاں کو بنگال اور سندھ کی فتح پر مامور کیا تھا
 ابھی الخ خاں کا فرستادہ لشکر سندھ پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ جام جو نہ نے وفات پائی۔

۱۸۳۲ء کا دوسرا بادشاہ کے حوالے سے منقول ہے کہ

”در عہد خلافت جام جو نہ جام تاجی و پسرش جام صلاح الدین کہ از بنی اعوام دے بودند ملکہ ارادت اس

بند گوار و در گوش و غاشیہ عقیدت اس زندہ اسرار بدوش کشیدہ“ (تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۸)

پھر ان دونوں کی قید کا واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

آں گیسٹا ان راضیہ بدراخلافت دلی خستاد

ان عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ جام تاجی نانی کا ہی، کیونکہ وہی کے بعد جام صلاح الدین تخت نشین ہوا ہی لیکن
 مائیکوں سے ان دونوں کا دلی جانا ثابت نہیں اور نہ یہ جام تاجی جام جو نہ کے بعد تخت نشین ہوا ہی بلکہ یہ جام باقیہ
 کے بعد تخت پر بیٹھا ہی، اس لئے صلاح الدین کے نام کی وجہ سے یہ سہو واقع ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ صلاح الدین
 سہو کنایت ہی بلکہ یہاں خیر الدین چونا چاہئے، اور یہ جام تاجی اول بن انور کا واقعہ ہے، اس قیاس کے لئے
 یہ وجہ ہے۔ کہ مائیک سے ثابت ہے کہ جام جو نہ کے بعد جام تاجی اہل تخت نشین ہوا جس کا بیٹا جام خیر الدین
 تھا انیس باپ میوں کو سلطان علاء الدین قید کر کے دلی لے گیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سے غیر معمولی عقیدت رکھتے، اور آپ کی بارگاہ کی حاضری کو اپنے لئے موجب سعادت و برکت سمجھتے تھے، مفسدین نے جام جو نہ کے کان میں یہ بات ڈالی کہ جام تپاچی چاہتا ہے کہ شیخ کی دعا کی برکتوں سے وہ تخت سلطنت پر بیٹھے، اور سندھ کی حکومت کو حاصل کر لے، جام جو نہ نے اس خبر کے سنتے ہی اپنے اراکین دولت سے مشورہ کر کے ان دونوں بے گناہوں کو قید کر کے خفیہ طور پر دہلی بھجوا دیا، وہاں یہ دونوں ایک عرصہ تک قید رہے، پھر شیخ کی دعاؤں کی برکتوں سے ان دونوں نے رہائی حاصل کی، اور سندھ کے تخت حکومت پر متمکن ہوئے۔

استجاب دعا کہتے ہیں کہ جب جام تپاچی سندھ کے تخت حکومت پر بیٹھا تو وہ آپ کی خدمت میں ایک کثیر رستم بطور نذر لے کر حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یہ تاج و تخت حضور ہی کی دعاؤں اور برکتوں کا ثمرہ ہے، میں پھر بھی آپ کے لطف و کرم کا طالب ہوں، میرے لئے دعا فرمائیے کہ میرے بعد بھی سندھ پر میری اولاد کی حکومت باقی رہے، شیخ نے فرمایا یہ رقم جو تم لے کر آئے ہو میری خانقاہ کے متصل اس سے ایک مسجد تعمیر کر دو، اور اپنی اولاد میں سندھ کی زمین کو تقسیم کر دو، تاکہ یہ زمین ہمیشہ ان کے قبضے میں رہے، غالباً یہ شیخ کی ہی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ ایک طویل مدت تک سندھ سے لے کر کچھ تک زمین کا بڑا حصہ سہہ قوم کی ملکیت رہا۔

۱۷ میں نے یہاں اجمالی طور پر اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ و تحفۃ الظاہرین صفحہ ۲۸ پر یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، اور حدیقۃ الاولیاء میں بھی صفحہ ۵۹ تا ۶۲ پر اس کی تفصیل ملتی ہے۔

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثبات و دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام



شیخ حماد جمالی کی تعمیر کردہ جامع مسجد مکی جس کی
وجہ سے ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان کا نام مکی پڑا
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

مسجد مکلی | جام تماچی نے شیخ کے ارشاد پر ایک مسجد آپ کی خانقاہ کے متصل تعمیر کرائی، یہی مسجد بعد میں مسجد مکلی کے نام سے مشہور ہوئی، اس مسجد کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ _____ ٹھٹھہ کے بالکل متصل ایک پہاڑی ہے جو تقریباً بارہ میل لمبی ہے، اس پہاڑی پر بہت سے اولیاء اللہ، علماء و فضلاء، شعراء، مورخین، سلاطین اور یگانہ روزگار اہل کمال مدفون ہیں، ٹھٹھہ کا یہ قبرستان اپنی عظمت اور تاریخ کے لحاظ سے نہایت اہمیت رکھتا ہے، شیخ حاد ہی کے زمانے میں اس مسجد میں ایک اہل دل و صاحب حال درویش جو حرمین شریفین کی زیارت کے لئے جا رہے تھے مقیم ہوئے، انھوں نے اس قبرستان میں غیر معمولی انوار و برکات محسوس کئے، ان انوار و برکات کو مشاہدہ کر کے بار بار یہ بزرگ کہتے تھے کہ ہذا مکہ لی (یہی میرے لئے مکہ ہے)، شیخ حاد کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نے سب سے پہلے اس مسجد کو ”مسجد مکلی“ سے موسوم کیا، اُس وقت سے اس پہاڑی کا نام بھی مکلی پڑ گیا، اس وقت بھی یہ مسجد نہایت خستہ حالت میں موجود ہے۔

وضع و قطع | وضع و قطع بالکل سادہ رکھتے تھے، مقالات الشعراء میں ہے۔
 ”وضع شیخ سر دیا برہنہ، پارہ نمد سترویش و بوریا ئے فرش بود“

غالباً آپ نے اپنے ہی حال کا اظہار اپنے ان اشعار میں فرمایا ہے۔

دو گزک بوریا و پو سٹگی دلی پرزد درد و سٹگی
 ایں قدر بس بود جانی را عاشقی زند و لا آبابی را

۱۸۵۱ء ۱۸۵۲ء صفحہ ۳۴۲ ۲۵ مقالات الشعراء قلمی صفحہ ۸، علم کہ سید

حسام الدین صاحب راشدی، ان اشعار کے متعلق جناب سید حسام الدین صاحب راشدی نے حواشی مکلی نامہ میں ریاض الشعراء والہ داغستانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ اشعار سیر العارفین کے مصنف جانی دہلوی کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بزرگی | حضرت شیخ حاد جالی کے زہد و دُرع اور بزرگی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے تمام تذکرہ نگاروں نے اُن کے عرفان و تصوف، تقدس و تقویٰ کا نہایت اہتمام سے ذکر کیا ہے۔

حدیقۃ الاولیاء کے مصنف نے ان کے حالات کو اس اقباب سے شروع کیا ہے۔

» اُن صاحبِ کشف و کرامت و آں جلیل القدر عالی مرتبت، سرخیل

مبارزانِ طریقت، سرد فتر عارفانِ حقیقت، خداوندِ خصائلِ مرضیہ

جامعِ کمالاتِ علمیہ و عملیہ، محرمِ خلوت خانہٴ قدس، باریافتہٴ مجلسِ انش،

سرمدِ جامِ وحدت، غریبِ دردِ ریائے معرفت، محبوبِ ذوالجبالِ

شیخِ حاد بن شیخ رشید الدین جالی «

آگے چل کر اُن کھلوک و کرامت و فیضِ رسانی کا اعتراف کرتے ہوئے

صاحبِ حدیقۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ

خورشیدِ فیضانِ الہی، و مکاشفہٴ غیر متناہی بنوعی بکاشانہٴ وے پر تو

انداخت کہ جمیع اسرارِ عالم ملک و ملکوت بروے مکشوف ساخت،

تا آنکہ ہر روز صد تلامیذِ دانش اندوز از مجلسِ آن شمعِ دل اندروز

۱۵ حدیقۃ الاولیاء کے مؤلف کا نام سید عبدالقادر ہے، حدیقۃ الاولیاء و سندھ کے اولیاء

کا پہلا تذکرہ ہے، جس کو سید عبدالقادر نے ترخانی دور کے مشہور امیر خسرو خاں چرخس کے

نام سے معنون کیا تھا، خسرو خاں چرخس علم دوست، شعرا پرور اور علماء کا قدردان تھا، سید

عبدالقادری اسی کے دامنِ دولت سے وابستہ تھا، حدیقۃ الاولیاء کے تین نسخے میری نظر سے گزرے

ہیں اس کا ایک نسخہ سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے، دوسرا نسخہ ناقص سید حسام الدین صاحب

راشدی کی لائبریری میں ہے دیکھا تھا، تیسرا نسخہ آغا بدر عالم درانی کی لائبریری آشنیانہٴ ادب میں

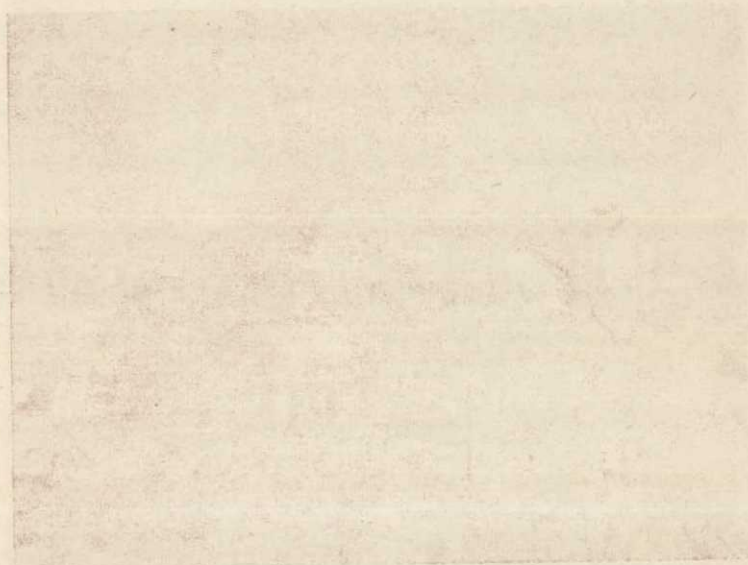
موجود ہے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کیئے



ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکی کا ایک عام منظر
جس میں سندھ کے جلیل القدر علماء، عظیم المرتبت صوفیاء،
بلند پایہ شعراء، بیمثل مفکرین، متعدد فرمانروایان سندھ،
اور مختلف اہل کمال و دانشور محو استراحت ہیں
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله الذي هدانا لهذا
ما كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله



والله اعلم بالصواب
والله اعلم بالصواب
والله اعلم بالصواب
والله اعلم بالصواب
(الحمد لله رب العالمين)

اقتباس انوار مسائل علوم می نمودند، و بذریعہ آل تثبت اذیال
مطالب و مقاصد دین و دنیا حاصل کردند۔

شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی نے اپنی مشہور تالیف تحفۃ الطاہرین میں شیخ حاد جالی
کے تذکرہ کو ان القاب سے شروع کیا ہے۔

آن کثافت غوامض حقیقت، دانائے رموز معرفت، غوامض بحر
تحقیق، فارس مضار توفیق، عالم حقائق شریعت، مشعلہ دار شہستان
طریقت، محبوب ذوالجلال، یعنی شیخ جمال بن شیخ رشید الدین جمال
علیہ الرحمۃ۔

شیخ حاد کا مقبرہ نہایت خستہ حالت میں ملکی میں جام نندا کے مقبرے
کے قریب اور مسجد ملکی کے برابر موجود ہے۔

۱۔ تحفۃ الطاہرین کا مولف شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی ہے، جس کے متعلق قیاس کیا جاتا ہے کہ
میان نور محمد کلہوڑا کے دوران حکومت (۱۱۳۱ھ - ۱۱۳۸ھ) میں پیدا ہوا، اور ٹالپوروں کی حکومت
کے ابتدائی زمانے میں اس نے وفات پائی، کیونکہ اس نے اپنی دوسری کتاب ہیئت العالم
میں جو جغرافیہ پر ہے میر سہراب خاں ٹالپور دلی خیرپور کی مدح نظم میں لکھی ہے، شیخ محمد اعظم نے
تحفۃ الطاہرین ۱۱۳۸ھ میں مرتب کی (تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ، تحفۃ الطاہرین مرتبہ آغا
بدر عالم درانی) ۲۔ مقالات الشعراء

(۱۶)

حضرت شیخ حسین صفائی

ابتدائی حالات | ٹھٹھہ کے اولیاء میں حضرت شیخ حسین صفائی ایک بڑے عالی مرتبت بزرگ گذرے ہیں، آپ کی والدہ حضرت

پیر مراد کی بیوی کی خادمہ تھیں، اور چونکہ ان کو اپنی والدہ کی وجہ سے حضرت پیر مراد کے یہاں تربیت پانے کا موقع ملا، اس لئے ابتدا ہی سے آپ میں بزرگی اور ولایت کے آثار ہوید اٹھے۔

توجہ شیخ | تذکرۃ المراد میں ہے کہ ایک روز حضرت سید مراد قدس سرہ وضو فرما رہے تھے، آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی، حضرت شیخ

حسین صفائی کو پینے کے لئے دیا، پانی کا پینا ہی تھا کہ آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور اسی دم آپ ولایت کے درجے پر فائز ہو کر اولیاء اللہ کے زمرے میں شمار ہونے لگے۔

استغناء | فقر و درویشی کا امتیازی وصف ماسوا اللہ سے استغناء و بے نیازی ہے، حضرت شیخ حسین صفائی میں بھی یہ وصف بدرجہ

اتم موجود تھا۔

آپ کے زمانے کے بادشاہ شاہ حسن ارغون نے کئی مرتبہ آپ سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی مگر آپ نے ہمیشہ انکار کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے خادموں سے ایک خادم کھینچا جاتا تھا، اسے

جب آپ کی تنگدستی کا حال معلوم ہوا تو اُس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی
 کمیاب بنانے کا نسخہ بتایا تاکہ آپ کا ہاتھ فراخ ہو۔ چند دن کے بعد ہی خادم آپ کی
 خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ شیخ کے گھر میں سابق کی طرح وہی تنگدستی و افلاس ہے،
 یہ دیکھ کر اسے افسوس ہوا، اور اُس نے شیخ سے عرض کیا کہ جو چیز میں نے آپ کو
 سکھائی تھی اُس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی تنگدستی دور ہو، لیکن آپ نے اُس کی
 طرف توجہ نہیں فرمائی، شیخ نے فرمایا جادو ہمارے کسی بیت الخلاء میں جادو اور تماشا
 دیکھو، وہ ایک بیت الخلاء میں گیا، وہاں اُس نے دیکھا کہ سونے چاندی کے
 ڈھیر لگے ہوئے ہیں، جب وہ وہاں سے ٹوٹا تو شیخ نے اس سے فرمایا، اے
 بے خبر تم نے دیکھا کہ دنیا مردانِ خدا کی نظر میں کس قدر ذلیل و خوار ہے، وہ
 چیز جس کو تم اپنے دل میں جگہ دیئے ہوئے ہو، ہم نے اسے اپنے پاس سے نکال کر
 بیت الخلاء کے سپرد کر دیا ہے۔

سرافرازی | مشہور ہے کہ آپ شیخ قطب الاقطاب پیر مراد کی جناب میں منصب
 "عرض بیگی" سے سرافراز تھے، اور اہل حاجت کی حاجت وائی میں تیار تھے۔
تصنیف | حضرت شیخ صفائی نے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ مراد کی سوانح حیات
 تذکرۃ المراد کے نام سے مرتب کی ہے۔

وفات | آپ نے ۹۳۷ھ میں وفات پائی جو خیر البقاء سے آپ کا سنہ وفات
 نکلتا ہے اور حضرت پیر مراد کے مزار مبارک کے پائینتی مدفون ہوئے۔

۱۵۰ یہ تمام تفصیل تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۱ و ۲۲ و تحفۃ الکلام و معارف الانوار سے ماخوذ ہے۔
 ۱۵۱ سالہ ہزارن نمبر جلد ۱۹۵۷ء حواشی مکمل نامہ مرتبہ سید حامد الدین صاحب راشدی، تذکرۃ المراد
 کا ایک عکسی نسخہ میرے محترم دوست آغا بدر عالم درانی سابق اسپیکر سندھ اسمبلی کی لائبریری آشیانہ
 ادب - گڑھی بسین منلع سکھر میں موجود ہے۔

درویش حسن مرقی

حالات | آپ کا نام درویش حسن مرقی، عرف موزن تھا، قصبہ بانوت کے رہنے والے تھے، بخاری کا پیشہ کرتے تھے، ہمیشہ ریاضت و مجاہدات میں مشغول رہتے اور بحر مکہ شیفے میں غرق رہتے تھے، نفاذت و پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں علیحدہ وضو و طہارت کے لئے ایک طہارت خانہ بنا رکھا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ آپ اس میں وضو کے لئے داخل ہوتے، اور عین وضو میں آپ پر استغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی، اور گھنٹوں اسی عالم میں گزر جاتے۔

ایک روز آپ ٹوٹے کر وضو کے لئے بیٹھے، ابھی ہاتھ بھی دھونے نہ پائے تھے کہ ظہر کی اذان کی آواز آپ کے کان میں پہنچی، اور آپ پر استغراق کی کیفیت طاری ہو گئی یہاں تک اسی عالم میں پوری ایک رات اور دن گزرا، کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ آپ سے کچھ پوچھے، یہاں تک کہ جب دوسرے دن ظہر کا وقت آیا اور موزن نے ظہر کی اذان دی تو اس وقت آپ ہوش میں آئے اور حیرت سے فرمایا کیا ابھی تک موزن نے اذان ختم نہیں کی۔

صاحب حدیقۃ الاولیاء کی روایت ہے کہ ایک دفعہ مخدوم مراد ابن مخدوم صدر الدین اپنی سواری پر سوار ہو کر آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائے، اور سواری کو ایک جگہ باندھ کر آپ کے مکان پر پہنچے، وہاں جا کر خدام سے معلوم ہوا کہ آپ پر سات روز سے وضو کی حالت میں استغراق کی کیفیت طاری ہے، یہ سن کر

مخدوم صدر الدین کو تعجب ہوا، اور تھوڑی دیر آپ کے پاس گھرے رہے، یہاں تک کہ آپ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے اور آپ نے مخدوم مراد سے مصافحہ کیا، مخدوم مراد نے ذرا گستاخانہ لہجے میں کہا کہ آپ پر وضو کی حالت میں سات دن سے استغراق کی کیفیت طاری ہے، ان سات دن کی پینتیس نمازیں ہوتی ہیں، آپ نے کوئی نماز بھی ادا فرمائی؟ درویش حسن مرقی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، میاں آپ جائیے اور پہلے اپنی سواری کے جانور کی خبر لیجئے، پھر مجھ سے نماز کے متعلق دریافت کیجئے، مخدوم مراد یہ سن کر اُس جگہ لوٹے جہاں اُنہوں نے اپنی سواری کو باندھا تھا، دیکھا کہ سواری کا جانور غایب ہے، کئی دن کی تلاش و جستجو کے بعد وہ سواری کا جانور ملا اور مخدوم مراد اپنے گھر واپس ہوئے۔

ایک دفعہ ایک صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے لوگوں سے اُن کے متعلق دریافت کیا لوگوں نے کہا یہ ایک مسافر ہیں اور حافظ کلام اللہ ہیں، آپ اُن صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم حافظ قرآن ہو، انہوں نے کہا ہاں، پھر پوچھا کہ میاں یہ تو بتاؤ کہ قرآن مجید کی تلاوت میں کئی وقت بھی کوئی نشتر تمہارے دل میں کھٹکا ہے، یہ فقرہ زبانِ مبارک سے سن کر ان صاحب کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا، اور ان کی پوری زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا، اور مختلف ریاضتوں و مجاہدوں کے بعد وہ اپنے زمانے کے اولیائے کبار میں شمار ہوئے۔

وفات | درویش حسن مرقی نے بانوت^۱ ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔
 ۱ بانوت ضلع دادو میں (سجدہ کا) ایک قصبہ ہے۔

۲ یہ تمام حالات حدیقۃ الاولیاء قلمی صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۴ سے ماخوذ ہیں۔

(۱۸)

شیخ خضر سیستانی

حالات | شیخ خضر سیستانی سندھ میں سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں، سندھ میں سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات کو عام کرنے میں، شیخ خضر کا بڑا حصہ ہے، میاں میر لاہوری انھیں کے جلیل القدر مرید خلیفہ تھے، جنھوں نے نہ صرف سندھ میں بلکہ پنجاب میں بھی سلسلہ قادریہ کی تعلیمات کو پھیلایا۔

شیخ خضر قادری کا وطن سیوستان تھا، اُن کے آئینہ سیرت میں اتقا و تقدس، توکل و استغنا کے جوہر نمایاں نظر آتے ہیں، توکل کی انتہا یہ تھی کہ انھوں نے اپنی ساری زندگی میں کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا، وہ ابتداءً اپنے وقت کا بڑا حصہ ایک قبرستان میں گزارتے تھے، پھر وہ سیوستان کے متصل ایک پہاڑ میں مقیم ہو گئے تھے، جہاں ان کا سارا وقت عبادتوں، مجاہدوں اور یادِ الہی میں گزرتا تھا، اس پہاڑ میں انھوں نے ایک تنور بھی بنوایا تھا، جس میں روٹی پکینے کی نوبت کبھی نہیں آئی، گرمی و سردی میں ہمیشہ اُن کا لباس ایک تہ بند تھا، سردی میں ہمیشہ اُس تنور میں بیٹھ کر یادِ الہی کرتے، مشہور یہ ہے کہ جس پتھر پر وہ بیٹھتے تھے وہ کبھی گرم

نہیں ہوا، پہاڑ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد وہ سہر سیوستان میں بہت کم آتے تھے، تعلقات دنیوی سے یہاں تک اجتناب کرتے تھے کہ سوائے خدا کے اُن کا

کوئی دوست نہ تھا، درختوں کے پتے کھا کر زندگی بسر کرتے۔

داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیلوستان کا حاکم اس پہاڑ پر آپ کی زیارت کے لئے آیا، شدید گرمی کا موسم تھا، اور آپ تجھ پر بیٹھے ہوئے عبادت و مراقبہ میں مصروف تھے، وہ اس خیال سے کہ آپ کو راحت پہنچے اس طور پر کھڑا ہوا کہ اُس کا سایہ آپ پر پڑے، جب آپ مراقبہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کیوں اس دیرانے میں آئے ہو، اور تمہارا کیا مقصد ہے، اُس نے جواب دیا کہ اس وقت حاضری سے میرا مقصد یہ تھا کہ آپ کی زیارت کی خوش نصیبی حاصل کروں، اور آپ سے عرض کروں کہ اگر آپ کوئی خدمت مجھ سے متعلق فرمائیں تو اس کی بجا آوری میری انتہائی سعادت ہوگی، آپ نے فرمایا کہ میرا کوئی کام بھی ایسا نہیں جو تم پورا کر سکو، حاکم نے نہایت ہی بجا جتن سے پھر دوبارہ عرض کیا کہ اگر کوئی خدمت مجھ سے متعلق فرمائی جائے تو میرے لئے باعث فخر ہوگی، آپ نے فرمایا اچھا جو میں کہتا ہوں تم اُسے منظور کر دو گے، اُس نے عرض کیا ضرور، آپ نے فرمایا تو یہ اپنا سایہ جو تم نے مجھ پر ڈال رکھا ہے اسے ہٹاؤ، اس لئے کہ جو لوگ اللہ کے سامنے میں زندگی گزارتے ہیں، انہیں اس سائے کی ضرورت نہیں، دوسری بات جو میں تم سے کہنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم جہاں سے آئے ہو واپس چلے جاؤ، حاکم یہ سن کر فوراً ہی وہاں سے ہٹ کر اتنی دور کھڑا ہو گیا کہ اُس کا سایہ آپ پر نہ پڑے، پھر اُس نے عرض کیا کہ میں حضور کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں اور واپس جاتا ہوں، لیکن میری تمنا یہ ہے کہ آپ اپنے خاص وقت میں جب آپ عبادت الہی میں مصروف ہوں میرے لئے دعائے خیر فرمائیں، آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ مجھے اُس وقت کے لئے زندہ نہ رکھے کہ جب کہ اللہ کی ذات

کے سوا میرے دل میں کوئی دوسرا خیال آئے، اور میں اس وقت میں
تمہیں یاد کروں۔

وفات شیخ خضر سیوستانی نے ۱۹۹۷ء میں وفات پائی، مفتی غلام سرور
لاہوری نے یہ قطعہ تاریخ کہا ہے۔

خضر چوں آں رہنا کئے دو جہاں

مقدارے دیں ولی و مفتی

کرد چوں رحلت ازیں دارِ فنا

سالِ وصلِ آں ولی جنتی

آفتابِ عارفانِ حق بگو

نیز سالکِ مفتی نور الہی

۱۳۹۹ھ

۱۔ یہ نام تفصیل تذکرہ شاہرہ سندھ (سندھی) مولفہ مولانا دین محمد وفائی سے ماخوذ ہے
جس میں خزانۃ الاصفیاء کا حوالہ موجود ہے۔

(۱۹)

قاضی خیر الدین

حالات | قاضی خیر الدین سندھ کے نامور صوفیا اور مشائخین میں شمار ہوتے ہیں، صاحبِ حدیقۃ الاولیاء نے انکی متعدد کرامتیں نقل کی ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص مرضِ اسہال میں اس درجہ مبتلا ہوا کہ کوئی دوا اُس پر کارگر نہ ہوتی تھی، اُس کے اعزہ جب دوا و علاج سے عاجز آ گئے تو اُسے گھر سے لاکر چوراہے پر ایک گھڑی پر بٹھا دیا، ناگاہ اُدھر سے قاضی خیر الدین کا گزر ہوا، اور آپ کی نظر اُس بیمار پر پڑی، جب آپ اُس کے پاس پہنچے، آپ نے اُس سے اس کی کیفیت دریافت کی، اُس شخص نے آپ سے اپنا سارا حال بیان کیا، آپ نے اس پر ایک نظر کیا اثر ڈالی، اُسی وقت اُس کے اسہال رُک گئے، اور وہ تندرست ہو گیا، اور تقریباً چالیس سال تک زندہ رہا اور تندرستی و عیش و آرام کی زندگی بسر کی۔

وفات | قاضی خیر الدین نے غالباً نصر پور میں وفات پائی اور نصر پور سے ایک میل دور جانبِ جنوب دفن ہوئے۔

(۲۰)

قاضی دتہ سیوستانی

نام و نسب | آپ کا نام قاضی دتہ آپ کے والد کا نام قاضی شرف الدین تھا جو مخدوم راہو کے لقب سے مشہور تھے، مخدوم راہو کے والد شیخ محمود علی القدر اولیاء اللہ میں سے تھے۔

تعلیم | قاضی دتہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صاحب کشف بزرگ تھے، وہ بہت سے اولیاء کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کتاب فیض کیا، اور روحانی تعلیم حاصل کی، قاضی دتہ نے علوم متہ اولہ کی تعلیم ایک طویل عرصہ تک اپنے والد محترم قاضی شرف الدین کی خدمت میں رہ کر حاصل کی، جب وہ علوم و فنون میں خاطر خواہ ترقی کر چکے تو مخدوم بلال کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی، بعض علوم میں انھوں نے مخدوم محمود داؤد پورؒ اور مولانا عبدالعزیز ہرادی کے تلمذ

لے مخدوم محمود فخر پورہ سندھ کے اکابر علماء میں سے تھے، ان کی وجہ سے سندھ میں کافی علم کی اشاعت ہوئی عالم اور صاحب باطن بزرگی تھے، علم میں فیوض و برکات کا یہ عالم تھا کہ جس طالب علم نے بھی آپ سے علمی اکتساب کیا ہمیشہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا، جس وقت آپ ہرات سے سندھ تشریف لائے راستے میں بہت سے خوارق عادات آپ سے ظاہر ہوئے، آپ نے موضع کاہان میں اقامت اختیار فرمائی تھی (مجموعی صفحہ ۱۹ - جزیوم) لے مولانا عبدالعزیز ہرادی ابھری ہرات سے سندھ تشریف لائے، اور موضع کاہان میں سکونت اختیار کی اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، علم معقول میں مہارت تامہ رکھتے تھے، حکام وقت آپ کا بڑا احترام اور خاص خیال رکھتے تھے، اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کو اپنی سعادت سمجھتے تھے (مجموعی صفحہ ۱۹ - جزیوم)

کا فخر حاصل کیا۔

تفسیر سے شغف | تفسیر قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے تقریباً قرآن مجید کی اٹھارہ تفسیروں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا اور قرآنی معارف و نکات کو بیاختہ بیان فرماتے تھے۔

حافظہ | مختلف علوم پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، حافظہ کی یہ کیفیت تھی کہ اکثر کتابوں کی عبارتیں بغیر کتاب کے سنا دیا کرتے تھے۔

شاہ حسن ارغون کی عقیدت | ارغون خاندان کا دوسرا فرمانروا میر شاہ حسن ارغون آپ کے علم و فضل و تقویٰ و تقدس کی وجہ سے آپ سے بید عقیدت رکھتا اور آپ کی انتہائی تعظیم و توقیر کرتا تھا، شاہ حسن نے بعض علوم میں آپ سے استفادہ بھی کیا تھا، اس لئے وہ آپ کو اپنا استاد بھی کہتا تھا، اور علمی عظمت کی بنا پر انھیں امام جبار الشہد کہتا تھا، میر معصوم بھٹکری مؤلف تاریخ معصومی بھی آپ کے حلقہ درس میں شریک رہے ہیں۔

مزار | قاضی دتہ نے موضع باغبان میں وفات پائی اور وہیں آپ کا مزار مبارک مرجع خاص و عام ہے۔

(۲۱)

حضرت میاں سید علی کلاں شیرازی

ولادت | حضرت سید علی کلاں شیرازی حضرت پیر مراد کے حقیقی بھائی، اور حضرت پیر مراد ہی کے مرید ہیں آپ کی ولادت ۹۹۰ھ میں ہوئی، اور تصوف و طریقت کے منازل آپ نے اپنے بھائی حضرت پیر مراد سے ملے کر کے خلافت حاصل کی اور ٹھٹھہ میں اپنے بزرگوں کی طرح تزکیہ باطن اور اصلاح خلق میں مصروف ہو گئے۔

پیر کی دعا | مشہور ہے کہ حضرت قطبِ زمان حضرت پیر مراد نے، ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں خیر و برکت اور وسعتِ رزق کی دعا فرمائی تھی، حضرت پیر مراد کی دعا کا یہ اثر تھا کہ آپ درجہ ولایت تک پہنچے، صاحب کشف و کرامات ہوئے۔

اولاد | حضرت سید علی کلاں شیرازی کے دو صاحبزادے ایک سید جلال، اور دوسرے سید جمال تھے۔

سید جلال آپ کے بڑے صاحبزادے تھے جو ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کی طرح صاحبِ حال بزرگ تھے، یہ اپنے والد کی وفات کے بعد حضرت پیر مراد کے دوسرے خلیفہ مقرر ہوئے، علوم ظاہری میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا، خصوصاً تفسیر، حدیث اور فقہ میں آپ بیحد کمال رکھتے تھے، اور ان علوم کا درس بھی دیتے تھے، آپ کی ساری عمر مذہبی علوم کی اشاعت و درس

تدیس میں بسر ہوئی، سید جلال نے چھیانوے سال کی عمر میں سنہ ۹۱۳ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار مکہ میں اپنے والد کے مزار مبارک کے پائنتی، سید محمد جعفر کی قبر کے متصل مغربی جانب ہے، وجعلنا للمتقین اماما سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

وفات حضرت میاں سید علی کلاں شیرازی نے بیاسی سال کی عمر میں ۳ صفر ۱۰۸۸ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی اور یکم ربیع الاول کو اپنے والد کے مزار مبارک کے پائنتی دفن ہوئے۔

فضائل صاحبِ حدیقۃ الاولیاء نے آپ کی بزرگی و عظمت و فضائل کا اعتراف ان اشعار میں کیا ہے۔

آن واسے گشورِ ولایت	بُرہانِ مالکِ ہدایت
صاحبِ دلِ عارف و محقق	بیدارِ دلی و بی مطلق
سید علی آن بفضلِ ممتاز	سر دفترِ سیدانِ شیراز
گلِ دستہ بوستانِ طاہر	غزِ شری ز نخلِ زہرا
کشافِ دقائقِ معانی	دانائیِ حقائقِ ہنسانی
مراتبِ جمالی اسمِ اعظم	بینائیِ رموزِ ہر دو عالم
از آئینہ دلش ہویدا	اسرارِ جلالِ حق تعالیٰ
ہم منظرِ صورتِ تجلی	ہم مخزنِ گنجِ لایزال
دریا دلِ مستلزمِ سماحت	عیسیٰ دم و یوسفِ ملاحیت
دستِ کرشمِ جواہرِ نبیاں	مجاہدِ ہمیشہ گو ہر افشاں
فیضِ کرشمِ کہ عام بودے	زو بہرہ صد کرام بودے
در راہِ خدا بمثالِ واثار	می داشت دلی جو بحرِ زخار

گر خود همه گنج شایگان بود
میداد همه بتازگی رو
بودش بنظر هزار جوهر
صد گونه ساط نزل چندی
بنشسته ببندم میزبانی
اخوان صفا ز هر دیاری
هر روز برسم مہاناں
هر یک ز اخاضہ نعیمش
برجیدہ خواہر مطالب
دائم بہ ابتغای مرضات
ہستادیکہ سین و نہد
کورخت ازین سرای فانی
آسودہ بخوشترین فرادے
خورشید ز روی شوق اخلاص
از بارغ طرب کلی شکفتہ
نہایت گہ چشم اہل بینش
تاہست نفوس پاک در خاک

در حال جہل بحر دکان بود
ہرگز ننگندہ چین در ابرو
با قیمت یک پشہ برابر
خوان ہای نغم برآں کشیدی
میداد صلاے مہانی
خلان وفا ز ہر کناری
از شوق بجدتش شتاباں
وز بحر کف ید کہ یش
برگشتہ از آن حریم صائب
کوشیدہ در انقضاے حالات
بگذشتہ ز ہجرت محبت
بر بست بملک جاودانی
مانند بہشت مرغزارے
در گنبد او چو ذرہ رقاص
کز شبنم فیض رخ بشستہ
پسیدایہ بارغ آفرینش
ہستند میمان افلاک

باد از درود پاک بازاں
مغور ز فیض خاک بازاں

(۲۲)

حضرت میاں سید علی ثانی شیرازی

خاندان | آپ سید جلال کے صاحبزادے، حضرت میاں سید علی کلاں کے پوتے تھے، مشہور ہے کہ ہونہار بردار کے چکنے چکنے پات، آپ بچپن ہی سے تقویٰ اور پرہیزگاری کی طرف مائل تھے، خاندانی ماحول اور افتاء و طبیعت نے آپ کو نیکی اور اتقا کے ڈگر پر ڈالا تھا، ابتداءً آپ نے ایک بزرگ درویش راجو سے ترکیہ نفس اور تربیت روحانی حاصل کی، ان کے بعد آپ نے اُس عہد کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم نوح ہالائی سے بیعت کی، اور مقام فنا فی اللہ سے گزر کر مقام بقا باللہ میں داخل ہوئے۔

مدینہ طیبہ میں حاضری | مشہور ہے کہ جب آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، مدینہ منورہ کے بعض شرفائے آپ کے سید ہونے سے انکار کیا، اور کہا کہ سید اس قدر سرفام نہیں ہوتے، آپ حجرہ مبارک کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے اور پکار کر کہا یا جدی (اے میرے دادا) روضہ مبارک کے اندر سے آواز آئی لبیک یا ولدی (اے میرے بیٹے میں موجود ہوں) یہ سن کر لوگ حیران ہو گئے اور جن لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تھا، انھوں نے آپ کے قدموں پر گر کر آپ سے اپنی گستاخی کی معافی چاہی۔

سخاوت و فیاضی | سخاوت و فیاضی وجود و بخشش میں آپ کا ہاتھ بہت کشادہ

تھا، کوئی حاجتمند آپ کے دروازے سے ناکام نہ جاتا تھا۔

رشد و ہدایت | آپ سے بھی بہت سے بھٹکے ہوئے انسانوں نے رہنمائی حاصل

کی، اور آپ کا زیادہ وقت اعلیٰ کلمۃ الحق میں صرف ہوتا تھا۔

تصانیف | آپ کی تصانیف میں رسالہ آداب المریدین کو خاص شہرت حاصل

ہے، یہ رسالہ آپ نے چونتیس سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا تھا،

اور سنہ ۹۲۷ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، اس کے علاوہ حضرت سید علی ثانی فارسی، عربی

اور سندھی کے بہت بڑے عالم اور ادیب تھے، معارف الانوار کے مصنف نے

آپ کے سندھی کے دو ایک دوہے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں، ان کے

دوہوں کو سندھی ادب کی تالیف میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

شہنشاہ ہمایوں کی عقیدت | ترخان نامہ میں ہے کہ جب ہمایوں عمر کوٹ پہنچا تو ٹھٹھ

کے لوگوں کی طرف سے حضرت سید علی شیرازی جو اس وقت شیخ الاسلام تھے ہمایوں کے

پاس آئے، اور انھوں نے اس کے سامنے تحفہ مختلف قسم کے عطر اور کچل پیش کئے، ہی رات

میں رجب شب یکشنبہ ۹۲۹ھ میں اکبر کی ولادت ہوئی، ہمایوں نے تبرکاً حضرت

سید علی شیرازی کے پیراہن سے کپڑے کر اکبر کا پہلا لباس تیار کرایا۔

وفات | سنہ ۹۳۶ھ میں آپ نے وفات پائی، آپ کا مزار مکی میں زیارت گاہ

خاص و عام ہے۔

اولاد | آپ کے فرزندوں میں جلال ثانی خاص طور پر مشہور ہیں جو اپنے

بزرگوں کی طرح چرچا و قدر زندگی بسر کرتے تھے، اور اپنے والد اور

لے ترخان نامہ قلمی یضمن میرزا شاہ حسین درغون۔

۳۰ سنہ وفات تحفۃ اکبریم جلد سوم صفحہ ۸۸ سے نقل کیا گیا، تحفۃ العاہرین میں آپ کا سنہ ۹۳۶ھ درج ہے۔

دادہ کے سجادہ نشین ہوئے، مرزا باقی ترخان کے بھائی مرزا صالح نے اپنی لڑکی کی شادی آپ سے کی تھی، اور اسی نسبت سے اس نے آپ کو اکبر بادشاہ کے حضور میں بھجوا یا تھا۔

علم و فضل کے اعتبار سے بھی حضرت جلال ثانی کا پایہ بہت بلند ہے، میر معصوم بھگڑی نے اپنی مشہور تاریخ معصومی میں لکھا ہے کہ

سید جلال الدین محمد نیر بن یوریورع و کمال آراستہ و قدم برجادہ
پدر بزرگوار نہادہ و در جمیع علوم یگانہ زماں و وحید عصر و اوان بودند
بتانت و لطافت ذہن بے نظیر، و در کمال مردمی و مردت
با وجود قلت ادراکے کہ داشتند زیادہ از پدر مردم بہرہ مند
می شدند، تشرع سید جلال زیادہ از پدر راست

حضرت جلال الدین ثانی کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے سید میر محمد ان کے جانشین ہوئے۔ ترخانی دور کی مشہور تاریخ ”ترخان نامہ“ سید میر محمد ہی کی تالیف ہے۔

علامہ میرزا محمد باقی بن میرزا علی ترخان اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۱۹۹ھ میں ٹھٹھہ میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ یہ بڑا ظالم انسان تھا، ۱۲۰۰ھ میں اس کو جنون ہو گیا، اسی جنون میں اس نے اپنے خیر مار لیا، اور اسی زخم سے وفات پائی، اور مکی کے قبرستان میں دفن کیا گیا، اس کی مدت حکومت تیرہ سال تھی (معصومی ۱)۔
علامہ میرزا محمد صالح ترخان بڑا شیخ و بہادر تھا، یہ ۱۲۰۰ھ میں مرید نامی بروج کے ہاتھ سے مارا گیا، مرید کو میرزا محمد صالح سے اس وجہ سے دشمنی تھی کہ اس کا باپ میرزا محمد صالح کے ہاتھ سے مارا گیا تھا (معصومی صفحہ ۲۰۶)۔
علامہ اولاد کے متعلق جلد معلوماتی تحقیق الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۴-۱۸۸ سے ماخوذ ہیں۔

علامہ معصومی صفحہ ۲۱۶ جزر سیوم و تحفہ الکرام سنہ ۱۲۶۸ھ

حضرت شاہ صد

نام و خاندان | آپ کا اسم گرامی صدر الدین، لقب شاہ صد آپ کے والد محترم کا نام نامی سید محمد اور آپ کے دادا کا اسم گرامی حضرت سید علی مکی تھا آخر میں آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم سے مل جاتا ہے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

صدر الدین، بن سید محمد، بن سید علی (مکی) موسوی بن سید عباس بن سید حسین بن سید ارشد بن سید زید بن سید جعفر بن سید عمران بن سید ہارون بن سید عبداللہ الاشرف بن سید قاسم بن سید عبید اللہ بن امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام۔

چوتھی صدی ہجری میں حضرت شاہ صدر کے جد امجد حضرت سید علی مکی جو اکابر شیوخ اور اولیائے کبار میں تھے، اپنے ایک سوزنقا اور ہمراہیوں کے ساتھ سامرہ سے ہجرت کر کے تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لئے سندھ تشریف لائے، اور پرگنہ سیوستان ضلع دادو میں بھگے توڑے نامی پہاڑ کے دامن میں دریا کے کنارے ایک پُر فضا اور خاموش بستی میں سکونت پذیر ہوئے، یہ گاؤں آئندہ چل کر حضرت سید علی کے نام پر ”لک علی“ سے مشہور ہوا، اور ان کی

اولاد ”کلیاری سادات“ کہلاتی، سادات کا یہ پہلا خاندان تھا جو سندھ کے لئے باعثِ شرف و عزت بنا۔

کلیاری سادات | کلیاری سادات کا خاندان اپنے شرف و مجد اور نجابت کے اعتبار تمام سندھ میں ممتاز سمجھا جاتا ہے، کلیاری سادات کی شرافت و نجابت اور فضائل کا تذکرہ سندھ کے مورخین اور تذکرہ نگار نہایت اہتمام سے کرتے ہیں۔

گیارہویں صدی ہجری کا ایک سندھی مورخ میر کا یوسف جس نے ۷۷۴ھ میں سندھ کے شاہجہانی دور کے حالات پر شاہجہاں کے لئے ”منظر شاہجہانی“ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی تھی، اپنی اس بیش بہا تالیف میں کلیاری کے سادات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

سادات لکھلوی بسیار صحیح النسب اند

آگے چل کر اُس نے اُن کی شرافتِ خاندانی کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایسے صحیح النسب ہیں اور اپنے نسب پر اس قدر نازاں ہیں کہ وہ اپنی لڑکیوں کا رشتہ دوسرے سادات میں نہیں کرتے۔

حضرت سید علی کی تشریف آوری | میر علی شیر قانع ٹھٹھوی صاحبِ تحفۃ الکرام نے حضرت سید علی کی سندھ میں آمد کے متعلق صاحبِ تحفۃ الکرام کا بیان کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

سندھ میں اردو اور برہمن آباد کیا۔ راجہ دلو رائے تھا، جس کا پایہ تخت ”ارور“ تھا، دلو رائے نہایت ظالم اور بدکار انسان تھا، اُس کا ایک چھوٹا بھائی جس کا نام

لے اخبار مہران سندھی دشاہ صدر نمبر ۲۷ جنوری ۱۹۵۵ء ”کلیاری سادات“ مضمون سید حسام الدین

صاحب راشدی بھوانہ منظر شاہجہانی صفحہ ۲۸۴

چھوٹے امرانی تھا، اس کے ساتھ رہتا تھا، مسلمانوں کے فیضِ محبت سے امرانی متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا، اور غالباً منصورہ میں جا کر اُس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی، اور حافظِ قرآن ہو کر اپنے وطن واپس آیا، اس کے گھر والوں نے اُسے شادی پر مجبور کیا، لیکن اُس نے انکار کر دیا، اُس کے بعض دوستوں نے طعنہ دیا کہ یہ تو ملکِ عرب کی فلاں لڑکی سے شادی کرے گا، یہ بات اُس کے دل میں بیٹھ گئی، اور وہ فوراً حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہو گیا، اور وہاں جا کر اُس نے فاطمہ نامی ایک خاتون سے شادی کی اور اپنی بیوی کے ساتھ سندھ واپس آیا، اور برہمن آباد میں رہنے لگا، چھوٹے امرانی بڑا نیک اور پرہیزگار انسان تھا، ہمیشہ اپنے بھائی دلو رائے کو نصیحت کرتا رہتا، اور نیکی کی طرف مائل کرتا رہتا تھا، لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

ایک دن کسی نے دلو رائے سے فاطمہ کے حسن و جمال کی تعریف کی، دلو رائے اُس کی تعریف سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ ایک دن موقع پا کر جب کہ چھوٹے امرانی گھر میں نہ تھا بری نیت سے اس کے گھر میں گھس گیا، امرانی کو بھی خبر لگ گئی، وہ بھی بردت گھر میں پہنچ گیا، اور اپنی بیوی کو لے کر شہر سے نکل گیا، اور اُس نے اعلان کیا کہ یہ شہر دلو رائے کی شامتِ اعمال سے تباہ ہو جائے گا، وہ سیدہاہیاں سے عرب پہنچا، اور خلیفہ کے دربار میں دلو رائے کے مظالم کی فریاد کی، خلیفہ نے سامرہ سے حضرت سید علی کو ایک سو فوجی سپاہیوں کے دستے کے ساتھ دلو رائے کی گوشمالی کے لئے سندھ بھیجا، لیکن آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی ارورڈ اور برہمن آباد خدا کے غضب سے تباہ ہو چکے تھے، حضرت سید علی جب سندھ پہنچے تو راجہ اپنی غلطیوں پر پشیمان ہو کر تائب ہوا، اور اُس نے اپنی لڑکی کی شادی جو اسلام قبول کر چکی تھی حضرت سید علی سے کر دی، اس بیوی سے آپ کے چار صاحبزادے

تولد ہوئے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) سید محمد

(۲) سید مراد

(۳) سید حاجی عرف سید پرکیہ

(۴) سید جنگو

شاہ صد حضرت نذ علی کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد کے بیٹے ہیں۔
یہ وہ روایت ہے جو میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں اس
عظیم المرتبت خاوند کے سندھ میں آنے کے متعلق نقل کی ہے، اس روایت
کے علاوہ ہمیں اس خاندان کے متعلق سندھ کی کسی تاریخ میں کوئی ایسا مواد نہیں ملتا
جس سے اس خاندان کی آمد کے متعلق کچھ مزید معلومات حاصل ہو سکیں۔
البتہ یہ حقیقت ہے کہ دلورائے کے گاؤں گھنڈرات اب تک موجود ہیں،
حضرت سید علی کی اولاد ”کلیاری سادات“ سندھ کے ہر حصے میں موجود ہیں،
اور آج بھی سیون میں خاتمہ اور چھوٹے آمرانی کی قبریں زیارت گاہ خاص و عام
ہیں، جس پر شاہجہانی دور کے ایک دین پرور حاکم دیندار خاں کا یہ کتبہ موجود ہے۔

بدور شہنشاہ شاہ جہاں

خدیو خرد مند، صاحب قرآن

چو خلد بریں روضہ شہ ”چٹھہ“

بنا کرد نواب دیندار خاں

ز سال بنائش طلب داشتن

”بہشت بروئے زمین“ گفت عثمان

۱۰۲۲ھ

اسے یہ تمام مواد اخبار ہریانہ ص ۲۷ جنوری ۱۹۵۷ء سید حسام الدین صاحب راشدی کے مضمون سادات
کلیاری سے ماخوذ ہے۔

جلالت شان | صاحب تحفہ الکرام نے حضرت شاہ صدر کی عظمت و جلالت شان و اوصاف حمیدہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

سید صدر الدین عرف صدر بن سید محمد صاحب آیات باہرہ و کرامات ظاہرہ، اولی وقت و سر سید مشائخ روزگار، فخر سادات جامع البرکات بود، اولادش در سند بنجا بیت دو دمان و اصلیت خاندان متصف

حضرت شاہ صدر کی ذات گرامی ارشاد وہایت کا وہ سرچشمہ تھی کہ جس سے ہزاروں انسانوں نے تصوف و عرفان کی دولت حاصل کی، دور دور سے لوگ مذہبی اور روحانی استفادے کے لئے حضرت شاہ صدر کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور آپ لوگوں کو رُشد و ہایت فرماتے، سندھ میں سلسلہ قادریہ کی شیوخ اور ترقی میں حضرت شاہ صدر کی مساعی جمیلہ کو بظرافت ملے۔

مزار | حضرت شاہ صدر کا روضہ مبارک ”اسٹیشن لکی شاہ صدر“ کے متصل زیارت گاہ عام و خاص ہے، روضہ مبارک کے دروازے پر جو کتبہ نصب ہے، اس پر یہ شعر درج ہے۔

سال تارنخس بحستم از حنرد

ہاتقم گفتا ”بہشت اہل بیت“

مقامی طور پر لوگوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ یہ روضہ نادر شاہ کے حکم سے تعمیر ہوا۔

اولاد | آپ کی اولاد میں بہت سے صاحبِ مال و بزرگ گزرے ہیں جو صلاح و تقویٰ، تقدس و پیرہن گاری کے اعلیٰ مراتب پر فائز اور

لے تحفہ الکرام جلد ۳ صفحہ

اپنے وقت کے عارفِ کامل تھے۔

(۱) سید محمد

سید محمد حضرت شاہ صدر کے نواسوں میں، دلی کا ل اور نہایت ہی عابد و زاہد بزرگ تھے، صاحبِ تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ درود شریف کا پڑھنا آپ کا معمول تھا، اور روزانہ کئی ہزار مرتبہ آپ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے تھے، عجیب اتفاق ہے کہ آپ کی وفات کے بعد جو آپ کا مصرعہ تالیخ وفات نکلا، وہ یہ تھا۔

درودِ حسد ابر محمد بود

گویا یہ مصرع آپ کے مبارک شغل کی مقبولیت کی طرف ایک لطیف اشارہ تھا۔

سید محمد کے صاحبزادے سید اول شاہ سالک و مجذوب تھے، اور سلوک کے بلند مراتب پر فائز تھے۔

آپ کے دوسرے صاحبزادے سید عبدالرسول نے بھی اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پر چل کر اپنے خاندان کے نام کو روشن کیا، اور اس دور کے مشاہیر اولیاء میں شمار ہوتے تھے۔

(۲) سید محمد شجاع

یہ بھی شاہ صدر کے نواسوں میں تھے، اور نقشبندیہ سلسلے کے نامور صوفیا میں تھے۔

(۳) سید محمد اشرف

صاحبِ شرف و مجد بزرگوں میں تھے، اور اپنے اکابر کی طرح عظمت و دھانی

کے حامل تھے۔

(۴) سید ابوبکر

سادات کیاری میں عظیم المرتبت بزرگ تھے، ایک دفعہ شہزادہ محمد معزالدین اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا، آپ نے اُس کے لئے دعا فرمائی، آپ کی دعا کی برکت سے خدا نے تعالیٰ نے اُس کی حاجت پوری کی۔

(۴) سید غازی خاں

ظاہری اور معنوی کمالات سے متصف، اور لکھلوی سادات کے سرگروہ تھے، آپ کے گاؤں کے تمام سادات آپ کی بزرگی و عظمت کو تسلیم کرتے تھے، اور آپ کی مرضی اور مشورے کی مخالفت اپنے لئے جائز نہ سمجھتے تھے۔

(۵) سید حمزہ

اپنے وقت کے جلیل القدر بزرگ اور سادات کے پیشوا تھے میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں ان کے علاوہ بھی حضرت شاہ صدر علیہ الرحمہ کی ولادت میں ۸۲۰ھ تک جو بزرگ گذرے ہیں، ان کے حالات لکھے ہیں، لیکن عین اُس زمانے میں جب کہ میر علی شیر قانع ۸۲۰ھ میں تحفۃ الکرام کی تکمیل کر چکے تھے، شاہ صدر کے خاندان میں ایک اور بچہ تھا جس کی ولادت باسعادت ۸۲۰ھ میں ہوئی، اور اس کی عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی، یہی نو نہال آئندہ چل کر سندھ کے آسان ولایت پر آفتاب بن کر طلوع ہوا، اور اس نے عرفان و معرفت کے نور سے سارے سندھ کو منور کر دیا، یہ حضرت پیر محمد راشد علیہ الرحمہ تھے جن کا روحانی فیض سارے سندھ میں پھیلا، جن کا تفصیلی تذکرہ اس کتاب کے آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

یہ اس گرامی قدر خاندان کے اسلاف کا اجمالی تذکرہ تھا، جن کے فیوض و

برکات سارے سندھ میں ملتے ہیں، اور آج بھی صدیاں گزر جانے کے بعد
 لکیاری سادات کا مرکز سیون ضلع دادو ہے، ان کے روحانی مرکز اب بھی سارے
 سندھ میں قائم ہیں، لکی میں سادات لکیاری کا روحانی مرکز حضرت شاہ صدر
 کی درگاہ ہے، اس خاندان کے سادات کا دوسرا روحانی مرکز حضرت
 پیر محمد راشد کی درگاہ ہے، اس خاندان کا تیسرا روحانی مرکز حضرت پیر جھنڈہ گی
 خانقاہ ہے، ان مرکوز کے اس برگزیدہ خاندان کے بہت سے خلفاء
 سندھ میں پھیلے ہوئے ہیں جو اپنے روحانی مرکز اپنے اپنے مقام پر قائم کئے
 ہوئے ہیں، بالائی سندھ میں خلیفہ جوئی کی خانقاہ، خلیفہ دین پور کی خانقاہ،
 خلیفہ بھرچوٹی کی خانقاہ، خلیفہ امروٹ شریف کی خانقاہ اب بھی موجود ہیں۔
 زیریں سندھ میں بھی اس خاندان کے بہت سے خلفاء کی خانقاہیں
 ہیں، جو قادری اور نقشبندی سلسلے کے فروغ اور ترقی کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

۱۔ اولاد کے متعلق تمام تفصیل سید حسام الدین صاحب راشدی کے مضمون ”سادات لکیاری“ شائع
 شدہ روزنامہ اخبار میزان (سندھ) شاہ صدر نمبر سے ماخوذ ہے۔

(۲۴)

پیر صلاح الدین

حالات | پیر صلاح الدین اپنے وقت کے اکابر صوفیا میں تھے صاحب تحفۃ الطاہرین کا بیان ہے کہ یہ سہم دور حکومت میں جام فیروز کی فرماں روائی کے زمانے میں شیر پر سوار ہو کر ہندوستان سے سندھ تشریف لائے، جام فیروز کو معلوم ہوا تو اُس نے مطلقاً آپ کی پذیرائی نہیں کی، بلکہ اپنے ہم نشینوں سے استہزاء کہا کہ شیر پر سوار ہو کر آنا کونسا کمال ہے، اس طرح تو مدار ہی بھی پہنچے اور بندر کو سدھا کر رام کر لیتے ہیں، اگر کسی نے شیر کو اپنا تابع بنالیا کون سا تیسر مارا، جام فیروز کی یہ باتیں جب آپ تک پہنچیں تو آپ نے خشنماں ہو کر فرمایا کہ اُس سے کہہ دو کہ وہ وقت دور نہیں کہ جب اُس کا آفتاب دولت زوال پذیر ہوگا، اور اس کا ایوانِ مملکت زمین پر آکر ہے گا، آپ کی اس پیش گوئی کے چند دن بعد ہی جام فیروز کی سلطنت زوال

پذیر ہوئی ہے

وفات | آپ نے ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی اور محلہ بھائیخاں میں مدفون ہوئے۔

۱۔ جام فیروز سمہ خاندان کا آخری فرماں روا ہے جو جام نظام الدین نندا کے بعد تخت نشین ہوا بعض لوگوں نے چاہا کہ اس کی جگہ جام صلاح الدین کو جو جام نظام الدین کا عزیز تھا بادشاہ بنائیں، لیکن دریاخاں اور سارنگ خاں جو جام نظام الدین کے درباری امیر و وزیر تھے، انھوں نے اس خیال کی مخالفت کی اور جام نظام الدین کے لڑکے جام فیروز ہی کو سندھ کا بادشاہ بنایا۔

جام صلاح الدین نے سلطنت سے مایوس ہو کر گجرات کا رخ کیا، اور گجرات کے بادشاہ سلطان مظفر کو متاثر کر کے اپنی امداد و حمایت پر آمادہ کیا، ادھر جام فیروز تخت پر بیٹھتے ہی رنگ ریبوں میں پڑ گیا، اس کا سارا وقت محل میں گزرتا تھا، اگر محل سے نکلتا تو دربار میں سحرے جمع رہتے جن میں وہ اپنا وقت خوش گپیوں میں گذارتا، یہ دیکھ کر جام صلاح الدین نے ٹھٹھہ پر دھاوا بول کر قبضہ کر لیا، لیکن جام نظام الدین کے وزیر دریاخاں کی حسن تدبیر سے جام فیروز نے دوبارہ ٹھٹھہ کی حکومت حاصل کر لی لیکن ۱۱۹۷ھ میں شاہ بیگ ارغون نے جام فیروز پر حملہ کر کے ٹھٹھہ کو فتح کر لیا، اور سمہ خاندان کی خود مختار حکومت ختم ہو کر ارغون حکومت کی داغ بیل پڑی اور اسکے بعد بیٹے میرزا شاہ حسن ارغون کے دور میں سمہ خاندان کی حکومت جو براے نام باقی تھی بالکل ختم ہو گئی (معضوی) لہٰذا یہ تمام تفصیل تحفۃ الظاہرین صفحہ ۱۱۳ سے ماخوذ ہے۔

(۲۵) ملا عبد الرحمن معروف بہ لٹر

نام و وطن | آپ کا اصل نام عبد الرحمن تھا، لیکن آپ لٹر کے نام سے مشہور تھے، آپ کا وطن دریائے ساموئی کے کنارے موضع کینجھر تھا، اپنے مال کے اخفا کے لئے اپنے خرافت مزاج کو پردہ بنایا تھا، سندھی ادب میں آپ کے لطائف و ظرائف کو ایک خاص مقام حاصل ہے صاحب تحفۃ الطاہرین نے آپ کو ان الفاظ میں سراہا ہے :-
 ”فے اجل مشائخ و اہل اولیا، ہست بس کہ طہیت دوست بود بایں لقب شہرت یافت“
عظمت | جا مان شہ آہ آپ کا نہایت احترام کرتے تھے، اور آپ کے ساتھ نہایت تعظیم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اگر آپ کے پاس کوئی اپنی مشکل لیکر آتا آپ اُس سے مزاج کے رنگ میں کچھ فرمادیتے، اسی وقت اُس کی مشکل حل ہو جاتی تھی۔

مزار | آپ کا مزار ساموئی کے کنارے پیر مراد کے قبرستان تھوڑی دور شمال مغرب میں واقع ہے۔ بعض راویوں سے منقول ہے کہ اگر کوئی آپ کی مزار کی زیارت کے لئے حاضر ہوا وہ آپ کے مزار کو دیکھ کر اپنی منہی کو ضبط کر لے، اس کا مقصد دلی پورا ہوتا ہے۔

۱۔ تحفۃ الکریم صفحہ ۴۸ جلد ۳ میں مذکور ہے کہ ملا عبد الرحمن عباسی نے اپنے اخفا سے مال کے لئے خرافت کو اختیار کیا تھا، ملا کی خرافت آمیز باتیں اور لطائف سے محفلیں رونق پاتی تھیں، اسی وجہ سے وہ لٹر کے لقب سے مشہور ہوئے
 اردو کے مزاحیہ ادب میں جس طرح ملا دو پیازہ، بیربل اور فارسی میں ملا نصیر الدین کے لطائف و ظرائف مشہور ہیں، اسی طرح سندھی ادب میں ملا لٹر کے لطائف و ظرائف کو حاصل بہمت حاصل ہے، سندھ کے صوفیہ کرام کی تاریخ میں یہ انفرادی بزرگ ہیں جن میں لایت و ظرافت کا امتزاج تھا (نوٹ تحفۃ الطاہر صفحہ ۲۳ مرتبہ آغا بدر عالم درانی)۔ ۱۵۰۰ سندھ میں مرہ خاندان کے زوال کے بعد جو خاندان، سندھ کی سند حکومت کی زینت بنے وہ سندھ خاندان ہی۔ اس خاندان کے تمام فرمانروا جام کے لقب سے مشہور ہیں، سندھ خاندان کا پہلا بادشاہ جام ترادر آخری بادشاہ جام فیروز بن سلطان نظام الدین تھا جس سے آخری طور پر ۱۲۰۰ء میں مرزا شاہ حسن ارغون نے حکومت حاصل کر کے سندھ پر کمال قبضہ کر لیا، سندھ خاندان میں کل ۵ بادشاہ ہوئے۔ اور انھوں نے مجموعی طور پر ایک سو تیراویس سال حکومت کی (نوٹ تحفۃ الطاہرین مرتبہ آغا بدر عالم دہلوی جواز تاریخ

(۲۶)

شیخ عیسیٰ لنگوٹی^{طرح}

ابتدائی حالات | آپ کا نام شیخ عیسیٰ، آپ کا اہل وطن بُرہان پور تھا، آپ نے بُرہان پور سے سندھ آنے کے بعد موضع ساموئی میں سکونت اختیار کر لی، اور یہیں ارشاد و ہدایت کا ایک مدرسہ قائم کیا، اس سرچشمہ علم سے سیکڑوں طالب علموں نے علمی و روحانی فیض حاصل کیا، اسی مدرسے کے طالب علم علامہ نعمت اللہ عباسی تھے۔ اسی درس گاہ میں آپ کی ملاقات حضرت پیر مراد کے دادا سید محمد سے ہوئی، اور آپ نے حضرت پیر مراد کی ولادت کی پیشگوئی فرمائی، پیشگوئی کے مطابق پیر مراد کی ولادت کے بعد آپ اُن کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، اور اُن سے مرید ہوئے، عجیب اتفاق یہ ہے کہ مرید ہونے کے تین دن بعد آپ نے وفات پائی۔

ہمعصروں سے ملاقاتیں | اکثر آپ کی ملاقات اُس وقت کے مشہور بزرگ صاحب ارشاد و ہدایت حضرت شیخ حماد جالی قدس سرہ سے رہتی تھی، اور دونوں ایک دوسرے کی انتہائی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔

شیخ جالی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عیسیٰ لنگوٹی وہ شخص ہیں کہ ان کی ٹوپ کے اتمار کا طرہ عرش کو چھوتا ہے۔

شاعری | شاعری سے بھی آپ کو ذوق تھا، کبھی کبھی شعر کہتے، صاحب
مقالات الشعراء نے آپ کے دو شعر نقل کئے ہیں جو آپ نے شیخ حماد
جمالی کے اشعار کے جواب میں کہے تھے۔

قید باشد حکیم در رہ دوست دو گزک بویاد پوستکی
گر تو آزاده بس است ترا دلکی پُرزد درد و دوستکی

وفات | آپ نے ۱۳۸۶ھ میں وفات پائی، آپ کا فرار مکلی میں حضرت
پیر مراد اور حضرت سید علی کے قبرستان کے عقب میں آج بھی
نہایت زبوں حالت میں موجود ہے۔

۱۵ تحفۃ الطاہرین و تحفۃ الکرام و مقالات الشعراء ۱۵۵ھ

(۲۷)

مخدوم عربی دیانہ

خاندان | مخدوم عربی دیانہ، پیراسات کے بھائی تھے، اور زہد و تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے۔

تلاوت قرآن | تلاوت قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، تحفۃ الکرام میں ہے کہ ایک نشست میں ایک سو چالیس مرتبہ قرآن پاک آپ نے ختم کیا۔

خوش الحانی | قدرت نے آپ کی آواز میں وہ سوز و گداز رکھا تھا، اور اس درجہ خوش الحان تھے کہ جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو پرندے اڑنے سے رک جاتے اور پانی کا بہاؤ ٹھہر جاتا۔

عبادت | ہمیشہ گوشہ تنہائی میں عبادت الہی میں مصروف رہتے، استغنا و بے نیازی کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کی نظر میں اشرافی اور مہسہ برابر تھا، تحائف اور نذروں کے قبول کرنے سے ہمیشہ اکراہ فرماتے تھے، ایک دفعہ مخدوم اسماعیل نے آپ کی خدمت میں بطور نذر کچھ اشرفیاں

لے کر پیراسات سالک و مجذوب تھے، اور مخدوم میراں جو بنوری کے متفقہ تھے، ان کے مجاہدوں اور ریاضت کی یہ کیفیت تھی کہ عشا کی نماز کے بعد مراقبہ میں بیٹھتے، اور صبح صادق کے وقت مراقبہ سے سر اٹھاتے، پیراسات کا وطن ہلہ کنڈی تھا، لیکن ان کا زیادہ وقت ٹھٹھ میں گذرا، اور وہیں وفات پائی اور مکی میں دفن ہوئے (تحفۃ الطاہرین صفحہ ۹۹ و ۱۰۰)۔

روانہ کیں، آپ نے اُن کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ اپنے شہر کے مستحقین میں تقسیم کر دو۔

وفات | سنہ ۷۰۰ھ میں آپ واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا فرار ہالہ کنڈی میں مرجع خاص و عام ہے۔

اولاد | مخدوم عربی کے بعد اُن کے صاحبزادے مخدوم بایزید اُن کے قائم مقام ہوئے، جنہوں نے اپنے والد سے اکتساب روحانی کیا تھا، مخدوم بایزید بھی بزرگی، تقویٰ و تقدس رُشد و ہدایت میں اپنے والد کے نقش قدم پر گئے، جن سے علاوہ روحانی فیوض کے علوم ظاہری میں بھی بہت سے طالب علموں نے استفادہ کیا۔

(۲۸)

سید شاہ عبداللہ حسنی

مشہور بہ عبداللہ صحابی

نام۔ لقب | آپ کا اسم گرامی عبداللہ تھا، اور آپ سارے سندھ میں سید عبداللہ صحابی کے لقب سے مشہور ہیں۔

خاندان | خاندانی اعتبار سے آپ سید تھے، اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جاملتا ہے۔

سندھ میں تشریف آوری | آپ مرزا شاہ بیگ ارغونؒ کی حکومت کے زمانے میں اپنے دوستوں سید منہ، سید کمالؒ

لے سندھ میں شاہ بیگ کی حکومت کا زمانہ ۱۱۹۹ھ سے ۱۲۰۹ھ تک ہے (معمومی)

لے سید شاہ منہ بھی سندھ کے ایک بزرگ تھے، جو حضرت غوث پاک کی اولاد میں سے تھے، آپ کا نرا بھی کوہ مکی پر زیارت گاہ خاص و عام ہے، آپ کے تفصیلی حالات تحفۃ الطاہرین صفحہ ۴۴ مطبوعہ سندھ ادبی بورڈ اور تحفۃ الکرام صفحہ ۲۴ پر ملتے ہیں۔

لے سید کمال دسید جال دونوں حقیقی بھائی تھے، دونوں دلایت و بزرگی میں شہرت رکھتے تھے، سید کمال وفات کے بعد ٹھٹھہ کے محلہ مسکر میں اپنی حویلی میں جس میں وہ رہتے تھے دفن ہوئے تفصیلاً کے لئے دیکھئے تحفۃ الطاہرین صفحہ ۱۵۲ و تحفۃ الکرام صفحہ ۱۹۸-۱۹۹

اور سید قاضی شکر اللہ کے ساتھ گجرات سے ٹھٹھہ تشریف لائے اور اپنی عزت پسندی کی وجہ سے مکلی میں سکونت پذیر ہوئے، اور آخر عمر تک وہیں مقیم رہے، عبادت | ایام طفلی ہی سے آپ کو عبادت کا ذوق تھا، ساری عمر ذکر و شغل و عبادت الہی میں مصروف رہے، اور شاید اسی شوق کی وجہ سے آپ کو ازدواجی زندگی سے آزاد رہنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ تمام زندگی تجرد میں گذاری۔

حضرت سید عبداللہ حسینی نے چونکہ ساری زندگی لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر گوشہ نشینی اختیار کر کے یاد الہی میں گذاری، اس لئے آپ کے حالات زندگی کی ہمیں کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔

وفات | تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنہ وفات نہیں لکھا، لیکن اتنی صراحت کی ہے کہ جب آپ کی عمر شریف پوری ہوئی اور آپ نے وفات پائی تو لوگوں نے آپ کو اسی جگہ دفن کیا، جہاں آپ ساہا سال سے عبادت میں مصروف تھے۔

اس وقت بھی مزار مبارک کے قریب جو ایک پرانی مسجد ہے، اس پر سلفۃ کا کتبہ موجود ہے، کتبے میں یہ شعر مندرج ہیں۔

زہے فیض مسجد کہ از یک دعا شود حاجت مستمداں روا

سید قاضی شکر اللہ شیرازی سندھ کے مشہور درویش اور عالم تھے، آپ ہی کے اولاد سے سندھ کا مشہور مورخ و شاعر میر علی شیر قانع ٹھٹھوی ہے، آپ ہی سے سندھ میں شکر الہی سیدوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ مرزا شاہ بیگ کے عہد میں ٹھٹھہ میں قاضی القضاۃ تھے، آپ کا مزار مکلی میں شیخ اسحاق پورے کے مزار کے قریب واقع ہے، تفصیلات کے لئے دیکھئے تحفۃ الطاہرین صفحہ ۵۰ مقالات الشعراء علی بنمن قانع باب القاف و تحفۃ الکرام جلد ۳۔

تاریخ ہفت دہم ماہ صفر ختم بالخیر والظفر
اس کتبے سے خیال ہوتا ہے کہ ۹۳۰ھ کے لگ بھگ ہی آپ
نے وفات پائی ہوگی۔

مزار مبارک کی جدید تعمیر | مکی کے قبرستان میں آپ کے مزار پر
آج بھی سب سے زیادہ ہجوم عوام و خواص
کا رہتا ہے، اور زائرین کو بڑی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

مزار مبارک کی جدید عالی شان عمارت ۱۳۹۹ھ میں تعمیر ہوئی ہے، اور
سارے مکی میں یہی ایک عمارت نئی وضع کی نظر آتی ہے۔

کرامت | صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے سالہا سال گزر جانے کی وجہ
سے آپ کی قبر کشتی کی وجہ سے شکستگی کے قریب تھی، اس عہد
کے مشہور بزرگ شاہ حافظ اللہ گجراتی کو جو اس وقت گجرات میں تھے،
حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کا حکم ہوا کہ وہ ٹھٹھہ پہنچ کر آپ کے
مزار مبارک کو برآمد کریں، چنانچہ شاہ حافظ اللہ گجراتی اپنے مرید و خلیفہ
شیخ محمد یعقوبؒ اور خلیفہ ابوالبرکاتؒ کے ساتھ جو خود بھی بڑے پایہ کے

۱۵ تحفۃ الطاہرین کے سندھی نٹ نوٹس مرتبہ آغا بدر عالم درانی سے کہتے کے یہ اشعار ماخوذ ہیں۔

۱۶ شیخ محمد یعقوب سے فیوض و برکات کا سلسلہ سندھ میں جاری ہوا، آپ کے مریدوں میں
شیخ عثمان بقادی، درس محمد امین، اور درس اللہ مشہور ہیں، شیخ محمد یعقوب کا مزار مبارک مقصود
شاہ عبداللہ میں ان کے پائیں واقع ہے، شیخ محمد یعقوب کا تفصیلی تذکرہ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۳
۲۳۴ و تحفۃ الطاہرین صفحہ ۵۹ پر ملتا ہے۔

۱۷ خلیفہ ابوالبرکات سید شاہ حافظ اللہ گجراتی کے مرید تھے، اور صاحب نسبت اور باکرامت بزرگ
تھے، ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے خلیفہ محمود ان کے جانشین ہوئے (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۳)

بزرگ تھے، ٹھٹھے پہنچے اور وہاں انھوں نے حضرت سید علی ثنائی شیرازی سے حضرت غوث پاک کا حکم اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا، حضرت سید عالی ثنائی نے یہ سن کر فوراً ہی گردن جھکالی اور مراقبہ میں مصروف ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ میں نے اس وقت سید عبداللہ کو اولیا کی محفل کا صدر نشین دیکھا ہے، اُسی وقت اُٹھے، اور اُن کے ساتھ مکلی روانہ ہوئے، اور ان سب نے مل کر حضرت سید عبداللہ کے مزار مبارک کو ٹھیک کیا، کہتے ہیں کہ شیخ محمد یعقوب، اور خلیفہ ابوالبرکات پتھر اٹھا کر لاتے تھے، اور حضرت سید علی شیرازی اور حضرت سید علی اُن پتھروں کو مزار مبارک پر لگاتے جاتے تھے یہ

(۲۹)

سید عبدالکریمؒ

نسب و خاندان | حضرت سید عبدالکریم کو سندھ کے ادلیار کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت و عظمت حاصل ہے، آپ سندھ کے مشہور درویش و شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پردادا تھے، آپ کے والد ماجد کا نام سید اللہ تھا، سید عبدالکریم سندھ کے ممتاز خاندان سادات متعلوی کے چشم و چراغ ہیں۔

ولادت | سید عبدالکریمؒ کی ولادت باسعادت سال ۱۰۰۰ھ کے اوائل میں ہوئی، بچپن کے حالات اور تحصیل علم کی تفصیل کے متعلق آپ کے تذکرہ نگار خاموش ہیں، لیکن آپ کی تصانیف ”دیوان العارفین“ اور رسالہ ”کرمی“ سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

تعلیم و طریقت | باطنی و روحانی تعلیم آپ نے مختلف بزرگوں سے حاصل کی، آپ سید محمد یوسف رضویؒ جھکری، مخدوم نوح، مخدوم آدم سمیچہ ساکن موضع کلاہ اور دوسرے جلیل القدر مشائخین کی خدمت رہے اور ان سے اکتساب فیض کرتے رہے۔

بیعت | لیکن سب سے زیادہ مخدوم نوحؒ بالائی کی کیمیا اثر صحبت و تربیت

سے آپ کا جوہر قابلِ نکھرا، اور انھیں کی توجہ سے یہ سونا گندن بنا، اور آپ نے مخدوم نوح ہی سے بیعت کی۔

بلٹری میں قیام | حضرت مخدوم نوح کے ارشاد پر سید عبدالکریم نے موضع بلٹری میں قیام فرمایا اور مخلوق خدا کے ظاہری و باطنی اخلاق کو آراستہ کرنے میں مشغول ہوئے، ارشد و ہدایت آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا، لوگ جو حق درجوع آپ کے ملکہ ارادت میں داخل ہوتے تھے اور آپ سے مذہبی اور روحانی تعلیمات حاصل کرتے تھے، یہاں تک کہ اسی موضع میں آسودۂ خواب ہوئے۔

عبادت | تحفۃ الکرام میں ہے کہ ابتدا ہی سے سید عبدالکریم کا وقت ریاضت و عبادت میں گذرا بھلہ اس کے آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ فجر کے اول وقت مسجد تشریف لے جاتے، اور وضو کر کے اذان دیتے، اذان کے بعد سنتیں ادا فرما کر اوراد و وظائف میں مصروف ہو جاتے، یہاں تک کہ لوگ نماز فجر کے لئے جمع ہو جاتے، نماز فجر ادا کرنے کے آپ اشراق تک پھریا دالہی میں مصروف رہتے، اشراق کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ گھر میں تشریف لاتے، اور گھر کے فرائض اور بازار کے کام خود انجام دیتے، پھر فقرا کو کھانا کھلا کر، بلیوں کے کندھے پر ہل رکھ کر اپنے کھیت کو تشریف لے جاتے، اور دوپہر تک ہل چلاتے، پھر بلیوں کو پانی پلا کر گھر لوٹتے، پھر نماز عصر، مغرب اور عشاء ادا فرما کر گھر کے کاروبار اور فقرا کے کھانے سے فارغ ہو کر، رات کو اپنے گاؤں سے موضع راہوت تشریف لے جاتے، راستے میں جو گاؤں پڑتے ان کی مسجدوں میں نمازیوں کے لئے وضو کے پانی وغیرہ کا انتظام کر کے آگے بڑھتے، یہاں تک کہ راستے

کی تمام مسجدوں میں یہی عمل کرتے ہوئے دریائے سندھ کو تیر کر پار کر کے ٹھٹھہ پہنچتے، اور مکلی میں مشہور اولیاء کرام کے مزاروں پر فاتحہ پڑھ کر ٹھٹھہ کی آبادی میں تشریف لاتے، اور وہاں کی مسجدوں کی خدمت کر کے حضرت پیر بھٹا کی زیارت کو تشریف لے جاتے، پھر وہاں سے مساجد کی دیکھ بھال کرتے ہوئے صبح صادق کے وقت اپنے گاؤں میں داخل ہو جاتے، اور اول وقت مسجد میں صبح کی اذان دیتے، گاؤں کے لوگ ناد واقفیت کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ شاید سید عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کو رات نیند نہیں آتی، اسی لئے اتنی سویرے اذان دے دیتے ہیں۔

تہجد | تصوف و عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے باوجود آپ کی ساری زندگی شروع سے آخر تک پابندی شریعت اور اتباع سنت میں گذری، عبادات میں تہجد سے بڑا شغف رکھتے تھے، نماز تہجد میں خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے، پہلی ہی رکعت میں آپ پر اس قدر رقت دگر یہ طاری ہوتا اور بیخودی کی کیفیت پیدا ہو جاتی کہ پہلی رکعت پوری کر نہیں پاتے تھے کہ صبح ہو جاتی اور دوسری رکعت کا پڑھنا مشکل ہو جاتا تھا، تعجب کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ خدا جانے لوگ تہجد کی نماز کو کس طرح پورا کرتے ہیں میں تو ایک رکعت بھی مشکل سے ادا کر پاتا ہوں۔

پیر بھائیوں کی محبت | سید عبدالکریم اپنے پیر بھائیوں سے بید محبت کرتے اور ان کا احترام فرماتے تھے۔

سید جعفر بھگوری ۶۷ کا بیان ہے کہ حضرت مرشد زماں سید عبدالکریم متعلوی اپنے مریدوں کے ساتھ حضرت بہار الدین دلق پوش کا وعظ سننے کے

لئے تشریف لے گئے، جب دغظ ختم ہو گیا تو حضرت سید عبدالکریم نے اپنی چادر کو حضرت بہار الدین دلق پوش کے پیروں سے بچھا کر آپ کے جوتے اٹھائے اور ان کو صاف کر کے رکھنا تاکہ آپ پہن کر تشریف لے جائیں، سید عبدالکریم کے ساتھ جو مرید تھے ان پر یہ امر گراں گذرا، آخر ان میں سے ایک مرید سید عبدالقدوس نامی نے عرض کیا کہ اے ہمارے سید آج آپ نے حضرت بہار الدین دلق پوش کے جوتے اٹھا کر رکھے لیکن تعجب ہے کہ انھوں نے کسی قسم کی معذرت نہیں کی اور آپ کو اس سے نہیں روکا، بلکہ وہ بے نیاز رہے، آپ نے فرمایا کہ معذرت کا تعلق بیگانگی سے ہے، اور ہم دونوں تو ایک وجود ہیں، میں تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کبھی کبھی مشرف ہوتا ہوں، لیکن بہار الدین دلق پوش کا عالم یہ ہے کہ سرور کائنات کی بارگاہ میں بالکل قریب بیٹھے ہوتے ہیں جب کہ میں بہت دور تیسری صف میں کھڑا ہوا ہوتا ہوں، اس کے بعد تھیں انصاف کر سکتے ہو کہ میرا یہ عمل کہاں تک صحیح ہے۔

مرشد کا فیض حضرت مخدوم نوح سے جو فیض آپ کو حاصل ہوا تھا اس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک دن ہم تین آدمی علیحدہ علیحدہ ایک ایک تنہا لے کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے میری تمنا یہ تھی کہ مجھے حضرت سے طالبان حق کے لئے ایسے ذکر کی تلقین ہو جو سب سے علیحدہ ہو، اور میں ہدایت حاصل کرنے والوں کا پیشوا بنوں، دوسرے ہمارے ساتھ میرن کا تیار رکھے، ان کی تمنا یہ تھی کہ ان کی لڑکی مخدوم معظم کے کسی صاحبزادے کے نکاح میں آئے، تیسرے ہمارے ساتھی بلوچ تھے ان کی آرزو یہ تھی کہ وہ صاحب کشف و کرامت ہوں، جیسے ہی ہم حضرت مخدوم کی خدمت میں پہنچے اور

۱۔ دلیل الذکرین متعلیٰ علیہ کہ سند ہی ادبی بورڈ

آپ کے روئے مبارک کو دیکھا ہم تینوں کی یہ تمنائیں پوری ہو گئیں۔
فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے دادی سلوک میں قدم رکھا تو مجھ پر یہ
کیفیت طاری ہوتی تھی کہ میں عریاں رہوں اور گھر کی کو بھلی اُتار دوں، لیکن
جب میں حضرت مخدوم کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا تو یہ خیالِ فاسد میرے
دل سے نکل گیا اور میں جادۂ شریعت پر مستقیم ہو گیا۔

اطاعتِ مرشد | حضرت سید عبدالکریم کی اطاعتِ شیخ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک
دن کسی نے آکر آپ سے کہا کہ آپ کو حضرت مخدوم یاد
فرماتے ہیں، اس بات کے سنتے ہی آپ نے وہ بیل جو کھیتی کے لئے رکھے تھے
ذبح کر کے فرمایا کہ الحمد للہ یہ امر کتنا قابلِ شکر و فخر ہے کہ مخدوم مجھ کو یاد فرماتے
ہیں، حالانکہ آپ کی کیفیت یہ ہے کہ آپ بعض اوقات اپنے سرِ زندوں کو بھی
نہیں پہچانتے۔

فرمایا کرتے تھے اس خیال سے کہ طالبِ حق کو کھانا نہیں چاہئے، میں نے
کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا، جب اس کی خبر حضرت مخدوم کو پہنچی تو فرمایا کہ
خداے تعالیٰ نے فرمایا ہے کلو واشربوا اُس وقت سے میں کچھ تھوڑا
بہت کھانے لگا۔

وفات | چھبیس سال کی عمر میں سنہ ۱۰۸۷ھ کو آپ واصل الی اللہ ہوئے، اور
بٹری ہی میں مدفون ہوئے۔

خلفاء | آپ کے مریدوں میں درویش بہار، نیریہ، درویش احمد قطب عالم، مخدوم
حامد داؤدی، درویش عبداللطیف، مخدوم ضیاء الدین، درویش سہمہ،
مخدوم عیسیٰ، میاں عبدالقدوس اور درویش اللہ دہ زنگریاں، عبداللہ اور درویش
بارون مشہور ہیں۔

درویش مہار نہریہ | یہ اپنے زمانے کے جلیل القدر بزرگوں میں تھے، ابتداء کسی شیخ سے بیعت کی ان کی وفات کے ایک مدت بعد سید عبدالکریم کی خدمت میں پہنچے اور جو لوگ وہاں موجود تھے ان سے کہا میرا شوہر مر چکا ہے اب میں حضرت کو اپنا شوہر بناتا ہوں۔

درویش اللہ دنہ زرگر | درویش اللہ دنہ زرگر حضرت سید عبدالکریم کے جلیل القدر مریدوں میں تھے، صاحب تحفۃ الطاہرین کا بیان ہے کہ موضع کھارہ کے قریشی پیر زادے، حضرت سید عبدالکریم کے سلسلے کے درویشوں سے حسد رکھتے تھے، اور اس سلسلے کا جو درویش اُدھر سے گذرتا اُس کو تکلیف پہنچاتے، فراق ان کے ظلم سے تنگ تھے، یہاں تک کہ انھوں نے وہ راستہ بھی چھوڑ دیا تھا، اتفاق سے درویش اللہ دنہ کا اس طرف سے گزر ہوا قریشی پیر زادوں کو خبر لگی، وہ فوراً ہی آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے تیار ہوئے اور آپ کے پاس پہنچے، جیسے ہی آپ کے قریب آئے آپ نے ان پر ایک نگاہ ڈالی نگاہ کا پڑنا ہی تھا کہ سارا حسد مہر و محبت میں تبدیل ہو گیا اور یہ لوگ لکڑیاں پھینک کر آپ کے ساتھ موضع بلٹری پہنچے، اور سب حضرت سید عبدالکریم سے بیعت ہو گئے، آج تک بھی موضع کھارہ کے لوگ عرس کے موقع پر برہنہ سر و برہنہ پا درگاہ میں چراغ افروزی کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

درویش اللہ دنہ زرگر کا مزار مکلی میں واقع ہے۔

اولاد | حضرت سید عبدالکریم کے آٹھ صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) سید اللہ اول (۲) سید عبدالرحیم (۳) سید جلال (۴) سید برہان

۱۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۹۔ ۲۔ درویش اللہ دنہ زرگر کے حالات کی تفصیل تحفۃ الطاہرین صفحہ ۸۷

سے ماخوذ ہے۔ ۳۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۷۲۔

(۵) سید لہ ثانی (۶) سید دین محمد (۷) سید محمد حسین (۸) سید عبدالقدوس
سید صاحب کے فرزندوں میں اکثر عابد و صاحب ارشاد تھے۔ سید لہ اول
نے بچپن میں وفات پائی، سید عبدالرحیم کے متعلق مخدوم نوح کے صاحبزادے
میاں ابراہیم کہا کرتے تھے کہ جب وہ پیدا ہوئے اور بڑے ہوئے تو ان کے
زہد و تقویٰ کو دیکھ کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ الحمد للہ ثانی عبدالکریم پیدا ہوئے
لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے سامنے ہی وفات پائی۔

سید جلال جو اپنے چچا کے ہمنام تھے وہ اپنے وقت کے نہایت ہی عابد و زاہد
بزرگ تھے، ایک روز اپنے والد کی زندگی میں ہالہ کنڈی سے اپنے گاؤں واپس
آ رہے تھے کہ راستہ میں ڈاکوؤں نے ان کو شہید کر دیا۔

سید برہان بھی صاحب کمال بزرگ تھے، خدا سے تعالیٰ نے ان میں غیر معمولی
طاقت و قوت و دلچسپی تھی، انھوں نے اپنے والد کے سامنے وفات پائی۔
سید لہ ثانی مجذوب و سالک تھے، ان کے وقت کا بڑا حصہ سیاحت
میں گزرا اور انھوں نے اپنے والد کے بعد وفات پائی۔

سید دین محمد شروع ہی سے عزلت پسند اور گوشہ نشین ہو کر شوکت و غنا کی
زندگی بسر کرتے تھے حضرت سید عبدالکریم نے ان کو طلب کر کے اپنا سجادہ و جانشین مقرر
فرمایا اپنے والد کی وفات کے بعد یہ ان کے جانشین ہوئے اور لباس فاخرہ چھوڑ کر
سیاچار و رکھنی اختیار کر لی، اور اپنی بزرگی و کرامت سے اپنے بزرگوں کے نام کو زندہ کر دیا۔
سید عبدالقدوس بچپن ہی سے زہد و اتقا کی طرف مائل تھے، جب یہ پیدا ہوئے
تو سید عبدالکریم نے فرمایا کہ میں نے خدا سے ایک ایسے لڑکے کے لئے دعا کی تھی کہ وہ
بچپن ہی سے ذاکر و شافل ہو، آپ کی یہ دعا مقبول ہوئی، کہتے ہیں کہ سید عبدالقدوس
جب بچپن میں لڑکوں کے ساتھ کھیلنے تو ان کو جمع کر کے علیحدہ ذکر کرتے۔

صوفی شاہ عنایت اللہ

سندھ میں حضرت صوفی شاہ عنایت اللہ کا فیض چپے چپے میں پھیلا، ہزاروں گمراہان بادیہ ضلالت نے آپ سے ہدایت پائی، انھوں نے اور ان کے خلفائے رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کیے کہ ان کی خانقاہ قدیم خانقاہوں کے تصور کو زندہ کرتی تھی، امیر و غریب، عوام و خواص سب پر دانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہوتے تھے، اور وہ اپنی خانقاہ میں اصلاح و تربیت کے فرائض خاموشی سے انجام دیتے تھے۔

نام و نسب | آپ کا اصل نام عنایت اللہ آپ کے والد کا نام مخدوم فضل اللہ تھا، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے، شاہ عنایت اللہ بن مخدوم فضل اللہ بن ملا یوسف بن ملا شہاب الدین بن ملا آجب بن مخدوم خدا آگاہ مخدوم صد ہولانگاہ قادری مخدوم صد ہولانگاہ کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد شریف تھا، جو بعد میں آگرہ میں مقیم ہوئے، آپ کے جد اعلیٰ مخدوم صد ہولانگاہ کا شمار اپنے زمانے کے اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے، توکل، اور خدا پر بھروسہ آپ کا امتیازی وصف تھا، انتہا یہ ہے کہ رات کو برتنوں میں جو پانی ہوتا تھا، اس کو اٹھ دیتے تھے مخدوم صد ہولانگاہ کا اصل نام صدر الدین لانگاہ ہے، لانگاہ ایک قوم ہے، جس کی حکومت ملتان میں تھی، شاہ جن اخون نے ۱۳۱۷ء میں لانگاہ قوم کے بادشاہ کو شکست دے کر ملتان کو فتح کر لیا، اور لانگاہ قوم کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا (معصومی صفحہ ۱۵۰)

تھے، اور فرمایا کرتے تھے یومٌ جدیدٌ و رزقٌ جدیدٌ، سید عبدالکریم متعلوی آپ کے بچہ معتقد تھے، آپ کے صاحبزادے ملا آجب بھی زہد و ورع، تقویٰ و تقدس میں اپنے والد محترم کے نقش قدم پر تھے، اُن کے صاحبزادے اور صوفی شاہ عنایت کے والد مخدوم فضل اللہ یگانہ عصر درویش و بزرگ تھے، انھیں کے آغوشِ عاطفت میں صوفی شاہ عنایت نے پرورش پائی۔

ولادت صوفی شاہ عنایت کی ولادت باسعادت ۱۰۹۰ھ میراں پور میں ہوئی، بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے علم و عرفان، زہد و ورع کے آثار ہویدا تھے، اور چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ چل کر آپ آفتابِ لایت بننے والے ہیں۔

بیعت جوانی کی ابتدائی منزلوں میں قدم رکھتے ہی صوفی شاہ عنایت کو مرشد کی جستجو ہوئی، اسی تلاش و فکر میں آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے ملتان پہنچے، وہاں آپ کی ملاقات ایک صاحبِ دل سے ہوئی جن کا نام شمس شاہ تھا، شمس شاہ نے آپ کی طلبِ صادق کو دیکھ کر بتایا کہ اگر واقعی مرشدِ کامل کی تلاش ہے تو تم دکن میں جا کر اس وقت کے شیخِ کامل شاہ عبدالملک برہانپوری سے اکتسابِ فیض کرو، چنانچہ صوفی شاہ عنایت دکن پہنچے، اور سید عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی تربیت حاصل کی، اور اُن کے پاس رہ کر عظیم مجاہدات کئے۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے اپنی کتاب ”طوبارِ سلاسل“ میں آپ کا شجرہ طریقت اس طرح نقل کیا ہے، صوفی شاہ عنایت، شیخ عزیز اللہ قادری، شیخ جان محمد سنوری، شیخ میراں جی برہانپوری، شاہ عبدالشکور، شاہ برہان الدین، شیخ نجم الدین

۱۰۹۰ھ تکفہ اکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۹ - ۱۰۹۰ھ تاخوذ از نئی زندگی بابت ماہ فروری ۱۳۵۹ھ

(شاہ شہید) مرتبہ پرنسپل محبوب علی چنا صاحب صفحہ ۴۱ -

علی خطیب احمد آبادی، برہان الدین بخاری، سید محمود، سید جلال، شیخ رکن الدین
ابن الفتح، شیخ صدر الدین، شیخ بہار الدین زکریا ملتانی، شیخ شہاب الدین سہروردی
علوم ظاہری | وہاں سے آپ دہلی تشریف لائے، اور دہلی میں شاہ غلام محمد

سے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی، جنہوں نے رشد و ہدایت
کی مسند دہلی میں شاہ عبدالملک کے حکم پر آراستہ کی تھی۔ اگرچہ علوم ظاہری میں شاہ
غلام محمد آپ کے استاد تھے، لیکن وہ آپ کے تقویٰ و تقدس کے اس قدر
معترف تھے کہ انہوں نے بیعت ہو کر تصوف کی تعلیم شاہ عنایت سے حاصل کر کے
اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔

ٹھٹھہ میں تشریف آوری | علوم ظاہر و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ اپنے شیخ
کی اجازت سے شاہ غلام محمد کے ساتھ ٹھٹھہ

تشریف لائے، اور آپ نے ٹھٹھہ کو ابستدارۂ روحانی تربیت کا مرکز بنایا، لیکن
یہیں بعض مسائل میں علماء سے ان کا اختلاف شروع ہوا۔

شاہ غلام محمد جو آپ کے استاد بھی تھے اور غلص مقصد و مرید بھی وہ اپنی محبت
عقیدت میں اس درجہ غلو کئے ہوئے تھے کہ وہ اپنے مرشد کو سجدہ تعظیمی کرتے تھے،
علمائے ٹھٹھہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو حکمہ شرعی میں طلب کر کے سجدہ
تعظیمی کرنے کی بنا پر سزا دی۔

چنانچہ علامہ ابراہیم ٹھٹھوی نے قسط اس مستقیم میں سجدہ تعظیمی کی اباحت کا انکار
کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

آپ (صوفی شاہ عنایت) سجدہ تعظیمی کو جائز سمجھتے تھے، اور لوگ آپ کے

لے مقدمہ دار اساتذہ البلیب صفحہ مرتبہ مولانا عبد الرشید نعمانی بحوالہ طومار سلسلہ علمی حوالہ شاہ

سامنے سجدہ تعظیمی کیا کرتے تھے، ایک دفعہ آپ کے استاد شاہ غلام محمد ٹھٹھہ کے علماء کے سامنے لائے گئے، اور علماء نے اُن کو اپنے شیخ صوفی شاہ عنایت کو سجدہ تعظیمی کرنے کی بنا پر سزا دی۔ تحفۃ الکرام میں ہے کہ اس تقدیر کے بعد صوفی شاہ عنایت کے ارشاد پر شاہ غلام محمد جہان آباد (دہلی)، واپس تشریف لے گئے، اور وہاں ایک طویل مدت تک فقرہ کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے، اور وہیں وفات پائی۔

جھوک میں قیام | ٹھٹھہ سے شاہ عنایت میراں پور تشریف لائے جو جھوک کے نام سے مشہور ہے، اور یہیں توطن اختیار فرمایا، جھوک ہی میں آپ نے اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کے لئے خانقاہ قائم فرمائی، جو تھوڑے ہی دن میں زہد و عرفان کا مرکز بن گئی، اور ہزاروں طالبان حق دور دور سے سفر کر کے آپ سے تحصیل فیض کے لئے جھوک کی خانقاہ میں جمع ہونے لگے، اور آپ کے خرمین کمال سے مستفید و فیضیاب ہونے لگے، آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ اونچ نیچ کے فرق کو مٹائیں، لوگوں کے دلوں میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کا چراغ روشن کریں، اور قومی زندگی کی اُن صلاحیتوں کو ابھاریں، جن سے ایک شاندار مستقبل جنم لے سکے، آپ کی تعلیمات میں عوام و خواص کے لئے ایک ایسی کشش تھی، جس سے دوسری خانقاہوں کی گری محض سرود ہونے لگی، چنانچہ بلٹری کے سادات کے مرید بھی آپ کے ملحقہ عرفان میں

لے در اسات الیلبیب - مقدمہ مولانا عبدالرشید نعمانی صفحہ

۱۷ سید میران محمد جوہر دی نے جام نظام الدین نندا کے زمانے میں اسی قصبہ میں کچھ دنوں کے لئے قیام فرمایا تھا، اسی مناسبت سے یہ قصبہ بعد میں میراں پور کے نام سے مشہور ہو گیا، دینی زندگی ماہ فروری فٹ نوٹس مضمون شاہ شہید جی سولج بااخذ مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی صفحہ ۱۰

شریک ہونے لگے، یہ بات ساداتِ بلڑی کو ناگوار گذری، انھوں نے بعض زمینداروں کو آپ کی مخالفت میں بھرکایا، اور یہی مخالفت آخر میں آپ کی شہادت کا باعث بنی۔
اس زمانے کا ماحول | شاہ عنایت کے واقعہ شہادت کی تفصیل سے قبل اس ماحول کا بیان ضروری ہے کہ جس میں شاہ

عنایت نے شہادت پائی، یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطنتِ مغلیہ دم توڑ رہی تھی، اور ہندوستان میں مسلمانوں کی مستحکم حکومت کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں، ۳ مارچ ۱۱۱۸ھ کو عالمگیر نے دفاتِ پانی، آخر وقت میں اس عظیم المرتبت بادشاہ نے اپنے لڑکوں کو وصیت کی کہ وہ باہمی رضامندی اور خوش دلی سے پوری مملکت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں، اور استحکامِ سلطنت میں مصروف ہو جائیں، عالمگیر کی نگاہ دور رس نے اس کا اندازہ کر لیا تھا کہ مخالفت طاقتیں پوری قوت کے ساتھ جھم لے رہی ہیں، جن کا مقابلہ ایک مرکز سے ممکن نہیں، لیکن اُس کے بیٹوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی، اور وہ قوتیں جو مخالفین کے استیصال میں صرف ہوتیں باہم دست و گریبان ہو کر ختم ہو گئیں، اُن کی باہمی مخالفتوں نے مغل جیسی مستحکم سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا، مثلاً جسے سلطنت ایک چار شہزادے تخت نشین ہوئے، اورنگ زیب کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ اول بڑے کُشت و خون کے بعد تخت نشین ہوا، وہ اس درجہ فیاض تھا کہ اُس کی فیاضیوں اور شاہ خرچوں نے ملک کے مایہ کو متزلزل کر دیا، آخر وہ بھی باہمی خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھا، اور مارا گیا، غریب کو کفن و دفن بھی میسر نہ ہو سکا، ایک جیسے نمک بادشاہ کی لاش بے گورد کفن پڑی رہی، اُس کے زمانے میں مشہور تھا کہ ”شاہ عالم از دلی تا پالم“۔

شاہ عالم کے بعد جہاندار شاہ تختِ سلطنت کی زمینت بنایا عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں سب سے بازی لے گیا، اس کی عیاشی و فضول خرچی کا اس سے

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی معشوقہ لعل کنور پر دو کروڑ روپے سالانہ خرچ ہوتے تھے، اُس کا دربار راجہ اندر کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا، عیش و نشاط کی محفلیں جیسا راستہ ہوتی تھیں تو اُس کی محفلیوں کی چراغاں کی بدولت دہلی میں تیل کی کمیاب ہو جاتا تھا، انسانی قدریں اس قدر گر چکیں تھیں کہ ایک دن اسی جیباختہ عورت لعل کنور نے اس سے کہا کہ میں نے ڈوبتی ہوئی کشتی میں انسانوں کی جو حالت ہوتی ہے کبھی نہیں دیکھی، میں اس منظر کو دیکھنا چاہتی ہوں، جہاں دارشاہ نے حکم دیا کہ اس کی یہ تمنا پوری کی جائے، اس کے دور میں اقتصادِ تباہی اس درجہ پہنچ چکی تھی کہ گھوڑوں پر روپے کا سات سیر بکتا تھا، رذیل، اوباش، میرانی اور بھڑوسے وزراء توں اور صوبے داریوں پر متمکن تھے، اور نظامِ سلطنت تباہ ہوتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ فرخ سیر تخت پر بیٹھا، یہ بھی قتل و غارت گری، سازشوں اور قحط کو اپنے ساتھ لایا، اسے گھوڑوں کا شوق تھا، اور ہزاروں روپے گھوڑوں پر برباد کرتا تھا، بُردولی اور کمزوری اس کی خصوصیت تھی، اُس دور کے مشہور شاعر جعفر زلی نے ان الفاظ میں اُس زمانے کا نقشہ کھینچا ہے۔

سکہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر

بادشاہ پشہ کش فرخ سیر

کہتے کہ جعفر زلی کو فرخ سیر نے اسی شعر پر مراد دیا تھا۔

مرکز کی اس بے وقاری اور بد حالی کا اثر صوبوں پر بھی پڑ رہا تھا، سندھ میں بھی دوسرے صوبوں کی طرح مرکزی حکومت کا رعب و وقار ختم ہو چکا تھا، اور مقامی قوتوں کی دبی ہوئی آگ ابھر رہی تھی، اُس وقت سندھ میں گھوڑوں کا اثر سب سے زیادہ بڑھا ہوا تھا، اور مرکزی حکومت کی بد نظمی سے اُن کی حکومت خود مختار اور آزاد حکومت کی حیثیت اختیار کرتی جاتی تھی، مرکز کی بد نظمی کا اس سے

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۸۰۰ء سے ۱۸۳۱ء تک دہلی سے سندھ میں نو صوبیدار آئے، اور کوئی بھی جم کر نہ رہ سکا، خود فرح سیر کے زمانے میں (۱۸۲۸ء ۱۸۳۱ء) سندھ میں چار صوبے داوائے، جن میں ایک صوبے دار نواب عطر خاں بھی تھا یہ ایک نا تجربہ کار نوجوان تھا، اس نے ملک کے انتظام کی باگ ڈور محمد یعقوب کشمیری کے سپرد کر رکھی تھی، جس سے ملک کا انتظام دہم دہم ہو گیا، میر لطف علی خاں جو مرکز کی طرف سے اس بد نظمی کو دور کرنے کے لئے صوبیدار مقرر کیا گیا تھا، نواب عطر خاں نے اُسے جائزہ دینے سے انکار کر دیا، دونوں میں جنگ کی نوبت پہنچی دو سال تک جنگ ہوتی رہی، جس کی وجہ سے ٹھٹھہ میں بہت سی تباہیاں آئیں، اس دور کے سندھ کے شعرا نے اپنے ماحول سے متاثر ہو کر شہر آشوب لکھے، جس میں یہاں کے قحط، بد حالی، شریفوں کی بربادی اور زیلیوں کے عروج کا نقشہ کھینچا گیا ہے، یہاں بھی وہی سازشیں، وہی بد حالی وہی ملکی انتشار وہی جھوٹا تھا، جس کا مرکز شکار ہو رہا تھا، ایک تترل پذیر معاشرے اور حکومت کے آثار سندھ میں بھی اُسی طرح پائے جاتے تھے، جس طرح مرکز میں تھے، رعایا بے عمل، حاکم بے وقار، کاہلی اور سستی زندگی کے ہر رنگ و ریشے سے ہویدا، اور ہر شخص ایک عجیب بخودی کے عالم میں مست و سرشار تھا، مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی، اکثر خانقاہوں پر گنہگار جو فروش صوفی اجارہ دار تھے، علم و فضل کی مسندوں پر علماء سوت قابض تھے۔ تترل و انحطاط کے اس دور میں حضرت عوفی شاہ عنایت دکن سے ٹھٹھہ تشریف لائے، اور جھوک کی خانقاہ میں اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا، اور طالبان حق آپ کے گرد پروانہ دار جمع ہو رہے تھے، اور مخالفت کا طوفان بھی اندر ہی اندر لے نواب عطر خاں ولد نواب سعید خاں ۱۸۳۱ء میں نواب لطف علی خاں کے ساتھ جنگ کرتا ہوا

موجزن تھا، آخر یہی مخالفت صوفی شاہ عنایت کی شہادت کا باعث بنی۔

واقعہ شہادت | صوفی شاہ عنایت کے شہادت کے واقعات انوس ہے کہ اُن کے زمانے کے کسی سوانح نگار نے قلمبند نہیں کئے،

نہ اس کی طرف اس دور کے کسی تذکرہ نگار نے توجہ کی، اس لئے ان واقعات کی حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ ہمارے پاس میر علی شیر قانع ٹھٹھوی کی دوکت ہیں مقالات الشعراء اور تحفۃ الکرام میں، قانع نے مقالات الشعراء کو جو سندھ کے فارسی گو شعراء کا تذکرہ ہے، صوفی شاہ عنایت کی شہادت کے ۴۴ سال بعد ۱۰۷۱ھ میں مکمل کیا تھا، جس میں اُس نے باب الالفت میں نواب اعظم خاں کے مضمین میں اختصار کے ساتھ صوفی شاہ عنایت کے واقعہ شہادت کو قلمبند کیا ہے، نواب اعظم خاں فرخ سیر کے عہد میں میر لطف علی خاں کی معزولی کے بعد ۱۰۷۱ھ میں ٹھٹھ کا ناظم ہو کر آیا اسی کے زمانے حضرت کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، ہم اس واقعہ کو مذکورہ بالا دونوں کتابوں سے اقتباس کر کے یہاں پیش کرتے ہیں۔

صوفی شاہ عنایت دکن سے واپس تشریف لانے کے بعد اپنے فقرا کے ساتھ قصبہ جھوک میراں پور میں جو غازیہ کے کنارے پرگنہ تھوڑے میں واقع ہے عبادت اور یاد الہی میں مصروف تھے، شاہانِ مقلیہ نے جو زمینیں اس موضع کے ارد گرد معافی مانگزاری کے ساتھ ان کے والد مخدوم فضل اللہ کو دی تھیں اُن کو کاشت کر کے ان کی آمدنی خانقاہ کے اخراجات میں صرف کرتے تھے، یہ سلسلہ جاری تھا کہ ساداتِ بلٹری میں سے سید عبدالواسع بن سید عبدالغنی بن سید عبداللہ بن سید دین محمد بن سید عید الکریم جو اسی پرگنہ میں رہتے تھے یہ دیکھ کر کہ ان کے سلسلے کے بہت سے فقرا آپ کی طرف رجوع ہو رہے ہیں، حضرت صوفی شاہ عنایت کی مخالفت شروع کی اور مخالفت کی ابتدا اس

طرح کی کہ انھوں نے اس قصبے اور نواحی قصبے کے زمینداروں کو ملا کر میر لطف علی خاں گورنر ٹھٹھہ کے پاس حضرت صوفی شاہ عنایت کی کچھ شکایتیں پیش کیں، لطف علی خاں نے سادات بٹھری اور اُن لوگوں کی وجہ سے جو سادات بٹھری کے ساتھ تھے بغیر کسی تحقیق کے حکم دیا کہ تم آپس میں سمجھ لو بعد میں ہم دیکھ لیں گے، چنانچہ نور محمد ولد منیہ بن رادو ساکن پرگنہ بلیچار نے جو ابو جہل کی اولاد میں تھا اطراف و جوانب کے لوگوں کو جمع کر کے صوفی شاہ عنایت کی خانقاہ پر ہتھ بول دیا، مجبوراً خانقاہ کے فقرا کو بھی مقابلے کے لئے نکلنا پڑا، اس لڑائی میں چند فقرا شہید ہوئے، ان فقرا کے در ثنائے قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ان النفس بالنفس۔ الخ بادشاہ وقت کی بارگاہ میں قصاص کے لئے استغاثہ کیا، وہاں سے حکم ہوا کہ مجرموں کو حاضر کیا جائے تاکہ ان بے گناہوں کے خون کی جواب دہی کریں، ان مجرموں نے شاہی حکم سے انحراف کیا، دوبارہ حکم صادر ہوا کہ سلطنت کے قانون کے مطابق مجرموں کی زمیندار ہی خوں بہا کے طور پر شہداء کے در ثنائے حوالے کر دی جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اس علاقے کے رہنے والے غریب اور ان ظالموں کے ظلم کا شکار بنے ہوئے تھے، حضرت شاہ عنایت کی بدولت مامون ہو گئے، لیکن حل دلہ لاکھا جٹ جو آپ سے دشمنی رکھتا تھا وہ لوگوں کو فقرا کے خلاف برابر بھڑکاتا رہا، اور وقت کا منتظر رہا کہ کسی طرح کوئی موقع ملے تاکہ فتنے کی آگ لے لطف علی خاں کا اہل نام محمد شفیع اُس کے والد کا نام یا محمد تھا، یہ سید پوسٹ بھکری رضوی کی اولاد میں ہے، نواب عطر خاں کے قتل کے بعد ۱۲۱۱ھ میں بادشاہ نے اس کو شجاعت علی خاں کا خطاب دیا تھا، فارسی کا شاعر تھا اور بہت تخلص کرتا تھا، ذی استعداد تھا نظم و نثر میں خوب سلیقہ رکھتا تھا سنہ ۱۲۰۰ھ کے مشہور فارسی گوشا حسن ٹھٹھوی کامرتی تھا، یہ ۱۲۱۱ھ سے ۱۲۱۲ھ تک سندھ کا گورنر رہا، اور ۱۲۱۲ھ میں مختلف اعلیٰ خدمات پر فائز رہ کر وفات پائی، اُحسن ٹھٹھوی نے ”ادخلہ فی الجنات“ سے اس کی تاریخ وفات نکالی ہے (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۹۹، ۱۰۰) پارہ ۲ سورہ بقرہ -

کو بھڑکایا جاسکے، اس عجبے میں شاہ صاحب کے رشد و ہدایت کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا، اور اس شمع معرفت کے گرد پروانے جوق در جوق اکٹھے ہو رہے تھے، فقرا کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی، آپ طالبانِ حق کے اس بے پناہ ہجوم کو دیکھ کر کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ میں بازارِ عشق میں (شہرت کا) یہ سوداے کر نہیں آیا تھا، اور نہ اس شور و شغب کی آرزو رکھتا تھا کہ میرے سامنے دار و گیر کا یہ میدان بپا ہو۔

جو خود کردند سترِ خویش تن فاش

عراقی را چہ را بدنام کردند

لیکن حضرت شاہ اولیاء گرام کے اس حکم کے مطابق عرفتِ ربی بنفسِ خ العزایہ میں نے سمجھا کہ عنانِ اختیارِ مختار (حقیقی) کے اختیار میں ہے، وہ جس طوٹ چاہتا ہے لے جاتا ہے یفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید۔

میں اسی زمانے یعنی ۱۲۸۰ھ میں نواب اعظم خاں صوبہ ٹھٹھہ کا ناظم جھوک پہنچا اور فقرا سے اُن زمینوں کی مالگزارِ سی طلب کی جن کی مالگزاری بحکمِ سلطانی معاف ہو چکی تھی، فقرا اور اُن کے متعلقین نے جواب دیا کہ جہاں پناہ کے حکم سے اُن زمینوں کی مالگزاری معاف ہو چکی ہے، اب آپ کو اس کے مطابق کما حقہ نہیں، وہ مفسدین جو موقع کی تاک میں تھے انھوں نے سرکاری پیشکاروں اور متصدیوں

۱۵ سورہ ابراہیم پارہ ۱۳ - رکوع ۱۶ - ۱۵ اعظم خاں ولد صالح خاں بن فدائی خاں

ساداتِ خانی، کو کلتاش خانہماں بہادر معروف بہ میربابا کے بھائی کا بیٹا تھا، ۱۲۸۰ھ میں سلطان کی معزوری کے بعد ٹھٹھہ کا ناظم مقرر ہوا، پہلے خواجہ محمد علی خاں بحیثیت نائب کے پہنچا، اُس کے چند دن بعد نواب اعظم خاں پہنچا لیکن اہل ٹھٹھہ کو اس کی حکومت راس نہ آئی، اس کے آتے ہی ٹھٹھہ والوں کو قحط اور دوسری بلاؤں کا شکار ہونا پڑا، اُسی کے دورِ حکومت صوفی شاہ عنایت کی شہادت کا واقعہ پیش آیا (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۰)

کے ذریعے سے نواب اعظم کو بھڑکا یا کہ فقر انظم سلطنت میں خلل ڈال رہے ہیں، آخر حکومت کے ان عمال نے بادشاہ کے پاس معروضہ پیش کیا کہ یہ فقر اعلیٰ سلطنت ہیں، اور شاہی احکام کی پروا نہیں کرتے، اس معروضہ پر میاں یار محمد مقب بہ خدا یا زماں کلہوڑا کے نام شاہی فرمان پہنچا کہ وہ اس کا انسداد کرے، خدا یا رخاں عباسی اور اطراف کے زمینداروں نے جواب دے کینہ رکھتے تھے بشمار فوج کے ساتھ جو سیوی دادر سے دریائے شور تک پھیلی ہوئی تھی فقراء پر بیچارہ کیا، آپ کے خدام نے ہر چند چاہا کہ ان کی پیش دستی سے پہلے مداخلت کریں، مگر آپ نے اجازت نہ دی، یہاں تک کہ فوج نے آکر قصبہ کا چاروں طرف سے محاصرہ کر کے مورچے قائم کر لئے، مگر صورت حال یہ تھی کہ فوج اسلحہ سے مسلح تھی، اور فقراء کے پاس سامان حرب سوائے معمولی چیزوں کے کچھ نہ تھا، آخر اس حدیث کے مطابق اقل المودی قبل الا یذاع (مودی کو ایذا دینے سے قبل قتل کرو) فقراء ۱۸ ذیقعدہ ۱۰۲۹ھ کو رات کے پچھلے پہر باوجود ہتھیار نہ ہونے کے تلواروں کے ساتھ نکلے اور اچانک دشمن پر جا پڑے اور اس بہادری سے لڑے کہ دشمن کے چھٹکے چھڑا دیئے، اتفاق سے ایک فقیر نے کسی لکڑی سے ٹھوکر کھائی، اُس کی زبان سے زور سے لفظ اللہ نکلا، فقرانے یہ آواز سن کر اللہ کا لغزہ مارا، جس سے بھاگتی ہوئی فوج متنبہ ہو گئی، اور آنکھوں نے خود کو جمع کر کے فقراء کو ہدایت دیدی، حالانکہ صوفی شاہ غایت نے شیخون لئے روانہ ہوتے وقت فقراء کو ہدایت دی تھی کہ وہ دوران شیخون میں بالکل خاموش رہیں اور حدیث من سمکت سلسلہ (جو خاموش رہا وہ سلامت رہا) کو پیش نظر رکھیں،

۱۵ میاں یار محمد مقب بہ خدا یا رخاں ولد نصیر محمد بن الیاس بن داؤد بن آدم کلہوڑا، یہ خاندان کلہوڑا کا پہلا شخص ہے، جس نے فقیری میں سلاسل میں شاہی کی بنیاد ڈالی، اور کلہوڑا حکومت کی ابتدا اسی سے ہوئی میاں یار محمد نے روز دوشنبہ یا سہ شنبہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۳۰ھ کو وفات پائی۔

(تحفہ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷)

در نہ مغلوب ہو کر شکست کھا جائیں گے، لیکن تقدیر الہی سب پر غالب ہے، آخر چار باہ
 تک فقرا محاصرے میں رہے، ۹ صفر ۳۱۱ھ کو حضرت صوفی شاہ عنایت اپنے فقرا
 کے ساتھ مقابلے کے لئے نکلے، مقابلہ بڑا شدید تھا، فقرا جان کی بازی لگا کر لڑ
 رہے تھے، اور مقابل فوج اپنی بے بسی محسوس کر رہی تھی کہ فوج کے لوگوں میں سے
 محمد خاں ولد خدایار خاں اور شہداد بلوچ جو اس فوج کے سپہ سالار تھے آگے آئے
 اور انھوں نے کلام مجید کو درمیان میں رکھ کر کہا کہ اگر شاہ صاحب ذاب کی خدمت
 میں حاضر ہو جائیں تو ہم قرآن مجید کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ آپ کی جان و مال محفوظ
 رہے گی، ۱۵ صفر ۳۱۱ھ کو اس عہد کے مطابق آپ نے اپنے آپ کو ان کے
 حوالے کر دیا، لیکن یہ معاہدہ دھوکے کی ایک ٹٹی تھا، آپ ذاب اعظم خاں ناظم
 ٹھٹھہ کے سامنے پیش کیے گئے، ناظم نے آپ سے پوچھا تم نے یہ شورش کیوں
 برپا کی، آپ نے جواب میں یہ دو شعر پڑھے۔

آں روز کہ تو سنِ فلک زیں کردند آد ایشِ مشتری ز پر ویں کردند
 ایں بود نصیبِ ماز دیوانِ قضا مارا چہ گناہِ قسمتِ ما ایں کردند
 شیخ محمد رضا شاعر جو اُس وقت ذاب کے ساتھ تھا اُس نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،
 دوست بیدار بشو عالم خوابتِ اینجا حرفِ بیہودہ مگو پائے حسابتِ اینجا

شیخ محمد رضا اہل میں ٹھٹھہ کا رہنے والا تھا، اُس نے بعد میں بھکر میں وطن اختیار کر لیا تھا، عربی و فارسی
 میں کافی مہارت رکھتا تھا، میر علی جمیل بلگرامی کے عقیدت مندوں اور شاگردوں میں تھا، عہد عالمگیر سے
 محمد شاہ کی حکومت تک فوجدار اور دوسری خدمات پر اصرار کیا یا نباشا خانزادہ، شیخ محمد رضا نے سلطنتِ اہد میں
 وفات پائی، تذکرہ نگاروں نے اُس کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

کارِ ما آخر شد و آخرِ ما کارے نشد مشبِ فاکِ ما غبارِ کوچہِ یارے نشد
 سہا بہا خونِ جگر و نافعِ آہو شد گرہ مشکِ شدا ما چہ حاملِ خالیِ خسارے نشد
 (تذکرہ صبح گلشن صفحہ ۱۴۵)

آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا
 در کو سے نیک نامی مارا گذر نہ ادا دند
 گر تو نخی پسندی تغیر کن قضا را
 نواب نے کہا اب تم اپنی مزا بھگتے کے لئے تیار رہو، آپ نے فرمایا۔
 البلاء للولاء وللأهلب للذہب ومصائب اولیاء اللہ کے لئے ایسے
 ہوتے ہیں جیسے آگ سونے کے لئے، نواب نے کہا آخر تم نے اپنے آپ کو
 کیوں بدنام کیا، جس کی وجہ سے آج تمہیں بلاؤں کا نشانہ بننا پڑ رہا ہے، آپ نے
 جواب میں میساختہ یہ شعر پڑھا۔

عاشق چہ کند گر نکشد بارِ ملامت
 باہج دلاور سپر تیر قضا نیست
 نواب نے کہا اب تم قتل کئے جاؤ گے، آخر اس طولِ ال کا کیا نتیجہ ہوا؟
 آپ نے فرمایا۔ ہرگز نمیر دآنکہ دشمن زندہ شد بعشق
 ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما
 نواب نے کہا اب تم اپنی آرزوں کا خون ہونے پر کچھ غم رکھتے ہو، آپ
 نے فرمایا۔

من از آل دم کہ وضو ساختم از چشمہ عشق
 چارہ تکبیر ز دم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست
 قید کے وقت حضرت صوفی شاہ عنایت اس شعر کو پڑھتے تھے۔
 ساقیا بر خیز در وہ جام را
 خاک بر سر کن عنیم ایام را
 میں اُس وقت جب کہ آپ جام شہادت نوش فرمانے کے لئے تیار تھے

زبانِ حال سے اپنے قاتلوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے تھے۔

رہائیدی مرا از قیدِ ہستی

جزاک اللہ فی الدارین خیرا

آپ کی شہادت صفر ۱۱۳۷ھ کو واقع ہوئی۔

تحفۃ الکرام میں اس قدر اضافہ ہے کہ ۹ صفر ۱۱۳۷ھ کو نواب اعظم خاں حضرت صوفی شاہ عنایت کو گرفتار کر کے ٹھٹھہ پہنچا، اور تادان جنگ دہاں کے تاجروں پر ڈالا، جب آپ ٹھٹھہ گرفتار کر کے لائے گئے تو مخدوم رحمت اللہ طالب علم نے جو ایک جلیل القدر عالم اور درویش تھے، اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور نواب کی مخالفت کی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، آخر یہ بیمارے شہر چھوڑ کر احتجاجاً جا بہر نکل گئے کہ شاید اس طریقے پر نواب پر کچھ اثر ہو، مگر یہ بھی بیوڈ ثابت ہوا، نواب نے صوفی شاہ عنایت کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، اور چند دن قید میں رکھا پھر شہید کر دیا جس کی وجہ سے اہل اللہ اور عوام اس سے سخت متنفر ہو گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اسی زمانے میں منادی کی گئی کہ جو کوئی اسم اللہ زبان سے نکلے گا اس کا سر قلم کیا جائے گا۔

آخر ۱۱۳۷ھ میں نواب اعظم خاں ٹھٹھہ کی نظامت سے معزول ہوا اور اس کی جگہ نواب مہابت خاں کاظم ٹھٹھہ کا ناظم ہو کر آیا۔

لے واقعہ شہادت کی تمام تفصیل مقالات الشعراء باب الالف بعنوان اعظم سے ماخوذ ہے۔
لے تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ سے نواب مہابت خاں خلف محمد متعم خاں المومنین خانان، شاہ عالم بہادر شاہ کا وزیر اعظم تھا، ۱۱۳۷ھ میں ٹھٹھہ کا گورنر ہو کر آیا، نہایت ہی غریب و بزرگ و صاحبِ خیر تھا، اہل اللہ اور اہل کمال کی صحبت میں بیٹھا، اور شعر بہت اچھا کہتا تھا، فن شاعری میں استاد کی کامر تہ کھتا تھا، شاعری میں اس کا شخص کاظم تھا، نواب مہابت خاں نے ۱۱۳۷ھ میں ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی ”صنیٰ عنہ“ سے اس کا سند وفات نکلتا ہے (مقالات الشعراء باب الکاف بعنوان کاظم صفحہ ۴۵۷-۴۵۸)

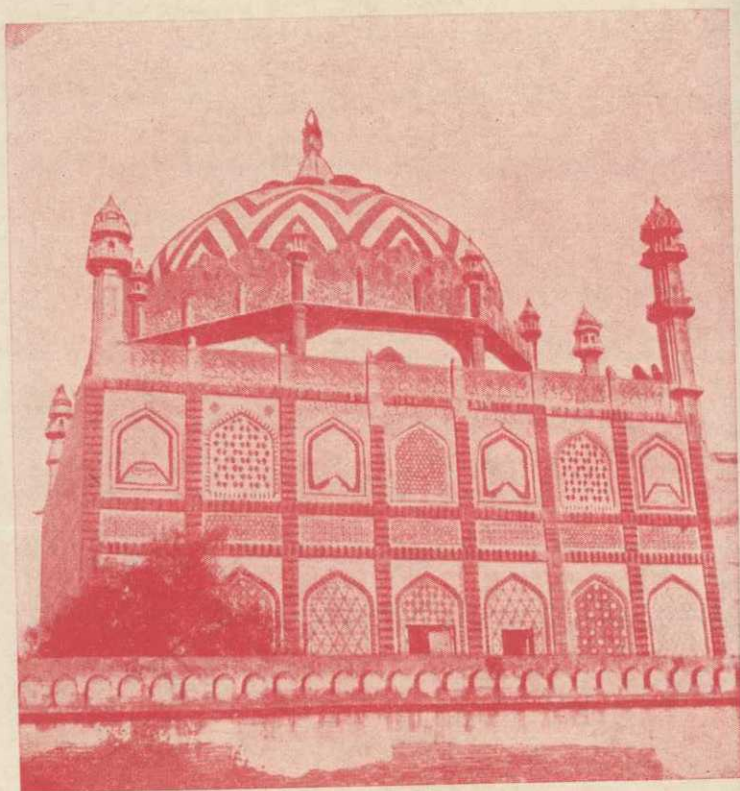
مزار | آپ کا مزار جھوک میں زیارت گاہ خاص و عام ہے، اور یہ درگاہ سندھ کی بڑی درگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔

اولاد | حضرت صوفی شاہ عنایت کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ ہمیں تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے، اُن میں سے بڑے صاحبزادے کا نام میاں عزت اللہ تھا، جو آپ کی شہادت کے بعد سجادہ نشین ہوئے، شاہ عزت اللہ نے سلسلہ اہل حق میں دفن پائی اور دوسرے صاحبزادے کا نام شاہ سلام اللہ تھا۔

شاہ سلام اللہ بھی بڑے عابد و زاہد صاحب تقویٰ و تقدس بزرگ تھے، ساہسال آپ نے صحرا میں عبادت و ریاضت میں گزارے، یہاں تک کہ ان ریاضتوں اور مجاہدوں کی وجہ سے آپ پر سکر کی کیفیت طاری رہتی تھی، ہمیشہ شہرت سے متنفر رہے اور گوشہ گمنامی کو پسند فرمایا، آپ کے متوسلین اپنی راجتوں کو قربان کر کے آپ کے ساتھ تکلیفیں برداشت کرتے تھے، لیکن آپ کا دامن توسل کسی طرح نہیں چھوڑتے تھے، صاحب خوارق و کرامات تھے، آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں، بمخلہ اُن کے ایک کرامت یہ بھی ہے کہ اُس زمانے میں جب کہ میاں غلام شاہ خان اور میاں عطر خاں کلہوڑا دونوں بھائیوں کے درمیان سلطنت پر جھگڑا تھا، اور یہ دونوں بھائی ملک کے لئے ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے، کسی نے شاہ سلام اللہ کی مجلس میں ان دونوں بھائیوں کے تنازع کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا ان سے غین صاحب اور نگ و تاج ہوگا، یہ اشارہ میاں غلام شاہ کی طرف تھا، حالانکہ اُس وقت کے حالات کے لحاظ سے کسی کو یقین نہ تھا کہ غلام شاہ کامیاب ہو سکے گا، آپ کی اس پیشگوئی کو کچھ دن بھی نہ گزرے تھے کہ غلام شاہ

لے غلام شاہ، خاندان کلہوڑا کا جو تھا بادشاہ ہے جو میاں محمد مراد یاب کے قید ہونے کے بعد سلسلہ میں تخت نشین ہوا، اور سلسلہ اہل حق میں وفات پائی۔

لله الحمد نه مرديم و رسيديم به دوست
آفرين باد برين همت مردانه ما



درگاہ صوفی شاہ عنایت شہید
واقع جھوک

(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

تخت و تاج کا وارث ہوا۔

مریدین و معتقدین | سندھ اور بیرون سندھ میں صوفی شاہ غنایت کے مریدین و معتقدین کی تعداد بہت کثیر تھی، وہ ان مخصوص بزرگوں میں تھے جن کی روحانی عظمت کا سکہ عوام و خواص سب کے قلوب پر میٹھا ہوا تھا، تحفۃ الکرام کے مصنف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی لکھتے ہیں۔

غامۂ خامکار چہ قدر شرح اوصاف بزرگی ایں خاندان کند، خدام ایں سلسلہ امروز ہم با آنکہ ہزاران ہزار در فترت شہادت بکار آمدند، و کسے ازاں دو دمانِ میخفت دوست نیست، در سند ہزاراں ہزار مریدان عیان و نہانہ و در دیگر بلاد مشائخ کبار بہتوسل ارادت ایں در داخل اجلہ اہل کمال می باشند۔

شاہ غلام محمد | شاہ غلام محمد کا اجمالی تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، یہ آپ کے خلفاء میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے، انھوں نے ٹھٹھ سے واپسی کے بعد دہلی میں شاہ صاحب کے کام کو جاری رکھا، اور ہزاروں تشنگانِ معرفت اپنی پیاس بجھانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، انھوں نے دہلی میں وفات پائی۔

میر جان اللہ شاہ رضوی | میر جان اللہ رضوی روٹھی کے رہنے والے تھے، حنفی صوفی شاہ غنایت کے ارشد خلفاء میں تھے، ان کے بزرگوں میں ساتویں صدی ہجری میں سید محمد کی نے مشہد سے آکر بھکر کو اپنا وطن بنایا اور وہیں وفات پائی اور قلمہ ارک میں مدفون ہوئے، سادات بھکری انھیں کی اولاد ہیں

۱۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۰-۱۶۱

۲۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۱، بعضین خدوم صد ہو۔

ہیں، اور یہ پہلے سید ہیں جو بھکر میں آئے، پھر شاہ بیگ ارغون کے اشارے پر یہ خانمان بھکر سے آکر روڈ پٹری میں آباد ہوا، بہت سے بزرگ اس خانمان میں گزرے اُن میں سے ایک بزرگ حیدر شاہ حقانی بھی تھے، انھیں کی اولاد میں میر جان اللہ شاہ رضوی تھے۔ میر جان اللہ شاہ رضوی کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام نے بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ حیدر شاہ حقانی کی اولاد میں تھے، اپنی فطری صلاحیتوں کی وجہ سے طالب راہِ حق ہو کر صوفی شاہِ عنایت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی، صوفی شاہِ عنایت نے ان کے جوہرِ قابل کو سنوارا اور نکھارا، اور اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا، پھر یہ اپنے وطن روڈ پٹری لوٹ آئے، عظیم المرتبت شاعر تھے، تیسرے تخلص فرماتے تھے، ان کا دیوان جو اپنے اندر عرفان و معرفت کے بہت سے جواہر ریزے لئے ہوئے موجود ہے ان کے صاحبزادوں میں میر قلندر علی کو میر علی شیر قانع صاحب تحفۃ الکرام نے شاہِ آباد میں کئی مرتبہ دیکھا تھا، جن کے متعلق ان کا بیان ہے کہ وہ فقیر دوست اور جادہ سلوک پر قائم ہیں، صرف اتنے ہی حالات پر قانع نے قناعت کی ہے، جو بڑی حد تک تشنہ ہیں۔

لیکن پروفیسر لطیف اللہ بدوی نے اپنے مضمون ”میر جان اللہ شاہ رضوی میں جوئی زندگی کے شہید نمبر فروری ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا ہے، آپ کے کچھ فرید حالات کا اضافہ کیا ہے، ہم اس سے آپ کے کچھ اور حالات اور نمونہ کلام پیش کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

اپنے شیخ سے میر جان اللہ شاہ رضوی کی عقیدت و محبت کا یہ حال تھا کہ جبکہ نواب اعظم خاں اور میاں یار محمد کلہوڑا کی ظالمانہ اور جاہلانہ طاقتیں، صوفی شاہِ عنایت جیسے حق پرست سے ٹکرا رہی تھیں، اور آپ صبر و شکر سے اُن مصائب کو برداشت

کر رہے تھے تو یہ بیقرار ہو کر حضرت صوفی شاہ غایت کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور نواب کے مقابلے کی اجازت چاہی آپ نے ان کو منع فرمادیا، انھوں نے اپنے
مرشد کے ارشاد کی تعمیل کی اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے، آخر آپ کی شہادت کا واقعہ
پیش آیا، میر جان اللہ کے قلب پر اس واقعہ سے جو قیامت گزری انھوں نے
اپنے اس درد کا اور اس واقعہ کا اظہار اپنے مشہور قصیدے حجتہ اللہ میں نہایت ہی
صورت ناک طریقے پر کیا ہے، اس قصیدے کے چند شعر یہ ہیں۔

اے برقعہ تو زیب تشریف کبریائی
دے از تو شد ہویدا در بندگی خدائی
حقا کہ نار پاکی، دور از غبارِ خاکی
دادند ہر دو عالم بر عصمتِ گوہی
نازت بتو امامت، بالا بتو شجاعت
در محفل سخاوت حاتم کسند گدائی
اے فقر بر تو زیبا، دے زہد بر توشیدا
عشق از تو شد ہویدا اے جانِ پارسائی
وضع قلندرانت، کو بادہ از مشائخ
شد بر سرست مسلم آئین مقتدائی
در عہد تو ولایت بر اوج عزت آمد
چوں ختم بر محمد شد کارِ انبیائی
طلب حق زہر سودر حضرت دویدند
از خاندانِ دیگر بر خاست پیشوائی
یشخان کبر کیشان اندر حسدِ فتادند
دادند در خلایق انکار را روئی

فرخ سیرِ مختط، آں شاہ جاہلیت
برگشتہ بے تحقق بر قول ادعائی
ترسید زینکہ گیرد ملکش فقیر تارک
یارب نعوذ باللہ از حق ررستانی
بر خاست تا نشاندا شیخ وجود حق را
عاقل ز سر بریدن افزوں کند ضیائی
آں مرشد زمانہ، آں عارف زمانہ
رخت از جہاں بردوں زد در عالم خدائی

با میر دل شکستہ، پیوستہ باش موش
در حضرت تو دار و آئین جیہ سائی
جز تو کسے ندارم، جز تو کسے نخواہم
بے تو دے نباشم باشد کہ رخ نمائی
نام قصیدہ کہ دم، در قدس حجت اللہ
بر سنت محمد در حضرت خدائی

واقعہ شہادت کے بعد میر جان اللہ شاہ رضوی روہڑی ہیں آکر مقیم ہو گئے،
اور ساری عمر یاد الہی مصروف رہے، آپ کی وجہ سے روہڑی قادریہ سلسلہ کا ایک
بڑا مرکز بنی۔

میر جان اللہ فارسی کے بڑے خوش گو شاعر تھے، ان کی شاعری صوفی شاہ
عنایت کے خیالات کی آئینہ دار ہے وہ اپنے اشعار میں تصوف کے حقائق کو بڑے
دل نشین انداز میں پیش کرتے ہیں، علوئے فکر، سلامت دروانی، برجستگی و بیباختگی

سوز و گدازِ ان کی شاعری کی جان ہیں، اُن کے تمام اشعار میں از دل خیز و دیر دل
ریزد کی کیفیت پائی جاتی ہے وحدت الوجود کے نظریہ کو انہوں نے عجیب و گمشدہ
انداز میں اپنے اشعار میں سمویا ہے، فرماتے ہیں -

مخفی و پیدا بود یارے کہ من می بینیش
گاہ در خلوت گئے در انجمن می بینیش
آن گل اندامے کہ در لیل و مجنون جلوہ کرد
در لباس بیل و گل در چمن می بینیش
کثرت صورت حجاب معنی وحدت نشد
سنبلسل میسر بر برگ سمن می بینیش

دیدہ بکشا کہ وقت دیدار است
جا بجا جلوہ ہائے دلدار است

غیر ناید بچشم محرم دوست
عالم آئینہ دار جلوہ دوست
قمریاں پائے بند عشق ویند
سر و دیگر مبین کہ بر لب جوست
شوکت الفاظ، علوے تخیل و روانی و برجستگی کے اعتبار سے ایک غزل کے
چند شعر ملاحظہ ہوں -

دریناغم ز شور عشق رنگ انداختم رفتم
بنائے کعبہ در دیرِ فرنگ انداختم رفتم

ز عشق سالك ملوك سمرست جزو گشته
 مينا خانه افلاك سنگ انداختم رفتم
 با سانی نیاید گوهر مقصود در دستم
 بسدره فرش در کام ننگ انداختم رفتم
 تعلل در طریق عشق باشد عین گمراهی
 بزیر پا سر خود بے رنگ انداختم رفتم
 نوائے من کند انداز باشد تیر دلہارا
 ز لذت دلہراں او تار چنگ انداختم رفتم
 وہ اپنے اشعار کی رنگینی اور معارف کو اپنے شیخ کا فیض بتاتے ہوئے فرماتے ہیں
 ایں کہ می جو شد معارف تیر در گفتار من
 از تلمط ہائے آل شاہ شہیداں یافتہ

میر جان اللہ رضوی یکم ربیع الاول ۱۰۰۰ھ کو دہل الی اللہ ہوئے

سید طالب اللہ سید طالب اللہ کا شمار حضرت صوفی شاہ عنایت کے ممتاز

ترین مریدوں میں ہوتا ہے، صاحب تحفۃ الطاہرین نے لکھا

ہے کہ سید طالب اللہ نے فیوض باطنی کو صوفی شاہ عنایت اللہ سے حاصل کیا تھا،

اپنے مرشد کی شہادت کے بعد سید طالب اللہ کو مکی پر مقیم ہو گئے تھے، ان پر

استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی، صاحب وجد و حال اوہل کمال تھے سید طالب اللہ

نے ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی، اُن کا مزار مکی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

شاہ اسماعیل صوفی سید حسام الدین صاحب شادی نے تحفۃ الکرام کے حوالے سے

لے ماخوذ از نئی زندگی شہید نمبر مضمون میر جان اللہ شاہ رضوی مرتبہ پروفیسر لطیف اللہ بدوی۔

۱۰۰ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۷۱۔

اپنے مضمون ”شاہ شہید کے سوانح کے ماخذ“ مطبوعہ نئی زندگی ۱۹۵۸ء میں صوفی شاہ غایت کے بعض مخلص متقدمین کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے آپ کے ایک مخلص و معتقد شاہ اسد اللہ معروف بہ شاہ اسماعیل بھی ہیں، یہ بزرگ شاہ عاشق اللہ کے مرید تھے، لیکن حضرت صوفی شاہ غایت سے بھی بچہ دلی عقیدت رکھتے تھے، میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے۔
 شاہ اسماعیل صوفی مرید خدمت شاہ عاشق اللہ است کہ از ہند وارد
 شدہ، و مخلص جناب شاہ غایت اللہ صوفی کہ مذکور شدہ، در تہ
 بایں نزدیکی ہجو صاحبہ کمالی برنخواستہ زبان قاصر ہر قدر و صفت
 کمالش بیان نماید ہنوز قاصر است۔

صوفی شاہ اسماعیل پر ہمیشہ استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی، ان کو مثنوی مولانا رام پر بڑا عبور تھا، اور اس کا درس دیتے تھے عارفانہ روی کے معارف کو وہ نہایت ہی دلکش انداز میں بیان فرماتے تھے۔

شاہ مسعود و ولہاری | یہ شاہ اسماعیل کے ممتاز ترین مریدوں میں ہیں، شاہ اسماعیل کی وفات کے بعد آپ صوفی شاہ غایت کے خلیفہ شاہ غلام محمد کی خدمت میں چلی گئے اور اور تعلیم سلوک کی تکمیل کر کے ٹھٹھہ واپس ہوئے۔

شاہ عبد اللطیف بھٹائی | صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ شاہ عبد اللطیف بھٹائی شاہ اسماعیل صوفی کے خاص دستوں میں تھے، اور وہ بھی صوفی شاہ غایت شہید سے بچہ دلی عقیدت رکھتے تھے شاہ جہاں لائیں بعض ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ وہ صوفی شاہ غایت کی شہادت سے متاثر ہو کر شاہ عبد اللطیف نے کہے ہیں۔

تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۳ اس کے علاوہ تحفۃ الظاہرین صفحہ ۶۹ پر بھی آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔
 ۲۔ مخلصین متقدمین کے متعلق تمام مواد رسالہ نئی زندگی مضمون شاہ شہید کی سوانح کے ماخذ مرتبہ سید حسام الدین راشدی بابت ماہ مئی ۱۹۵۸ء تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۳ سے لیا گیا ہے۔

(۳۱)

حضرت شیخ عیسیٰ جند اللہ

نام و نسب آپ کا اسم گرامی عیسیٰ، لقب مسیح الاولیا اور جند اللہ تھا، آپ کے والد کا نام نامی قاسم تھا، آپ کے آباد اجداد قصبہ پات کے رہنے والے تھے جو تعلقہ سیون میں ایک قصبہ ہے، یہ قصبہ شیخ عیسیٰ جند اللہ کے آباد اجداد نے آباد کیا تھا، حضرت مسیح الاولیا نے اپنا سلسلہ نسب اپنی تصنیف معین المعانی میں اس طرح لکھا ہے۔ عیسیٰ بن قاسم، بن رکن الدین بن معروف بن شہاب الدین المعروف الشہابی الجندی السندی الہندی۔

ترک وطن: ۷۷۰ھ میں جب ہمایوں کے سندھ میں آنے کی وجہ سے شورش و بدمعاشی پھیلی تو سندھ کے بہت سے علماء اور صوفیاء کے گھرانے ترک وطن کر کے مختلف ممالک میں آباد ہو گئے انھیں ہجرت کرنے والوں میں شیخ عیسیٰ جند اللہ کے والد ماجد شیخ قاسم بن شیخ یوسف بھی تھے، شیخ قاسم اور ان کے بڑے بھائی شیخ طاہر محمد محدث اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے پہلے احمد آباد تشریف لائے، اور انھوں نے اسی زمانے میں حضرت محمد غوث گویاری سے بیعت ہو کر چودہ خاندانوں میں خلافت حاصل کی، پھر آپ اپنے مرشد کی اجازت سے اپنے خاندان کے ساتھ برار تشریف لائے، اس زمانے میں برار کا حکم تفال خاں تھا، جو ان بزرگوں کے ساتھ نہایت احترام و عزت

سے پیش آیا، اور یہ بھی اس کے خلوص و قدر افزائیوں کو دیکھ کر ایچ پور میں مقیم ہو گئے، وہاں تقریباً ۳۲ سال تک مقیم رہ کر علم و عرفان کی دولت، عام کرتے رہے۔

ولادت ۱۰۷۵ھ ذالحجہ ۱۰۷۵ھ شب یکشنبہ کو مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ کی ولادت باسعادت ایچپور میں ہی ہوئی، اس روز آپ کے والد ماجد شیخ قاسم

گھر پر موجود نہ تھے، آپ کے چچا شیخ طاہر محمد محدث نے آپ کا نام عیسیٰ رکھا۔

تعلیم ۱۰۷۵ھ کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا، پھر علوم مستداولہ کی طرف توجہ فرمائی، اور اپنے چچا شیخ طاہر محدث سے فقہ، حدیث، تجوید

اور دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کی، ابھی آپ کا آغاز شباب ہی تھا کہ ۱۰۷۹ھ میں آپ کے والد شیخ قاسم واصل الی اللہ ہو گئے۔

۱۰۷۹ھ میں تعالٰیٰ خاں کی وفات کی وجہ سے برار کا نظم و نسق درہم و برہم ہو گیا، محمد شاہ فاروقی حاکم برہانپور کی قدر افزائیاں اور اس کا بیدار حضرت شیخ طاہر محدث اور ان کے متعلقین کو پہنچ کر برہانپور لایا، شیخ عیسیٰ بھی آپ کے ساتھ برہان پور آئے۔

شیخ طاہر محمد محدث اور شیخ عیسیٰ کے برہان پور میں قیام کے بعد، سندھ کے وہ خانوادے جو ہجرت کر کے ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، برہان پور میں آکر آباد ہونے لگے، اور برہان پور اہل سندھ کا مرکز بنا، یہاں تک کہ آپ کے مکان کے متصل سندھیوں کی آبادی نے ایک مستقل محلہ کی صورت اختیار کی، اور یہ محلہ سندھی پورہ کہلائے لگا، جو آج بھی اسی نام سے موسوم ہے۔

سفر شیخ عیسیٰ اگرچہ علوم متداولہ کی تعلیم اپنے چچا سے حاصل کر چکے تھے، لیکن ذوق علمی کا قافلہ رواں دواں تھا، آپ بایں علم و فضل شیخ یوسف کے درس میں

شریک ہوئے، اور وہاں سے اکتساب کرنے کے بعد آپ مزید حصولِ علم کے لئے آگرہ کی جانب روانہ ہوئے، آگرے میں آپ کی ملاقات حضرت قاضی جلال الدین ملتانی سے ہوئی جو اپنے وقت کے عظیم القدر عالم اور بزرگ تھے۔

چچا کا خط | ابھی آپ آگرے ہی میں مقیم تھے کہ آپ کو اپنے چچا شیخ طاہر کا خط ملا جس میں تحریر تھا کہ حکیم عثمان بوبکانی جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے

یگانہ روزگار ہیں برہان پور پر آئے ہوئے ہیں، شاید اس سرچشمہ علوم سے تم زیادہ سکون حاصل کر سکو، یہ خط ملے ہی آپ برہان پور واپس چلے آئے اور حکیم بوبکانی کے درس میں شریک ہو گئے، لیکن اب معرفت و عرفان کے حصول کی ایک نئی لگن قلب میں پیدا ہو چکی تھی، اور آپ مرشد طریقت کے تلاش میں تھے۔

بیعت | اتفاقاً ایک روز آپ چوک بازار میں ایک دکان پر تشریف فرما تھے کہ ادھر سے حضرت شیخ شکر محمد عارف اور ان کے ماموں گزرے،

شیخ عیسیٰ کو دکان پر بیٹھا ہوا دیکھ کر شیخ شکر محمد عارف نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ شیخ طاہر محدث کے بھتیجے ہیں، اور ان کا نام شیخ عیسیٰ ہے، شیخ شکر محمد عارف نے شیخ عیسیٰ سے مخاطب ہو کر فرمایا، میاں تم تو ہمارے ہو، ہمارے پاس کیوں نہیں آتے، یہ فرما کر آپ روانہ ہو گئے۔

اس ارشاد کے چند دن بعد آپ شیخ شکر محمد عارف کی خدمت میں پہنچے، اور ایک ہی ملاقات میں آپ نے عرض کیا کہ جس رہبر طریقت کی آپ کو تلاش تھی وہ آپ ہی ہیں، دو ایک ملاقاتوں کے بعد آپ شیخ شکر محمد عارف کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اپنے شیخ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

ریاضتیں اور مجاہدے | ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ آپ

کے ایک گرامی قدر خلیفہ شیخ برہان الدین راز الہی کا بیان ہے کہ حضرت لشکر محمد عارف کے ارشاد پر میرے شیخ حضرت عیسیٰ جند اللہ نے دریائے تپاتی کے کنارے ایک چلہ کھینچا چالیس روز تک یہ کیفیت تھی کہ اگر غیب سے کھانے کا کوئی سامان ہو گیا تو اس سے در نہ نیم کے پتوں سے افطار کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نیم کے پتے اس وقت کڑے نہیں بلکہ میٹھے معلوم ہوتے تھے۔

اطاعتِ شیخ ایک دفعہ حضرت شیخ لشکر محمد عارف کے مکان کی تعمیر کا کام شروع ہو رہا تھا، زمین کو ہوار کرنے کے لئے آپ کے بعض مرید میٹھی کی ٹوکریاں بھر بھر گڑھے میں ڈال رہے تھے اُس وقت شیخ عیسیٰ بھی تشریف لائے اور کام میں شریک ہوئے، اکثر ریاضت و مجاہدے نے اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ آپ ٹوکری اٹھا کر لا رہے تھے کہ راستے میں گر پڑے، حضرت لشکر محمد عارف نے آپ کو دوڑ کر اٹھایا، اور نہایت شفقت سے فرمایا کہ میاں تم جواہر خمسه پڑھو، دوسرے ریاضتیں اور مجاہدے کرو، تمہارا کام یہ نہیں ہے، پھر آہستہ سے کان میں فرمایا۔

آفریں باد کاہِ طالبانِ حق چیں است

توکل و استغنا توکل و استغنا کا یہ عالم تھا کہ اُس زمانے میں جب کہ آپ گریے تشریف لے گئے، راستہ میں آپ کا قیام اوجین میں شیخ عبد الکرم ابن شیخ عیسیٰ کی خاتقاہ میں ہوا اتفاق سے اس وقت مالوہ کا حاکم بھی اپنے مصاحبین کے ساتھ اوجین ہی میں ٹھیرا ہوا تھا، اوجین کے شیوخ نے چاہا کہ آپ کی ملاقات حاکم مالوہ سے کریں، تاکہ آپ کچھ دنیاوی فائدہ پہنچے، لیکن آپ نے اسے پسند نہ فرمایا اور اوجین سے روانہ ہو گئے۔

بیعت لینے کا طریقہ آپ کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لئے آتا،

اور آپ اس میں صلاحیت پاتے تو بیعت کر لیتے ورنہ انکار فرما دیتے، یا اُس سے فرما دیتے کہ تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ فلاں صاحب سے بیعت کرو۔ جس کو مرید کرتے اس کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر یہ پڑھواتے :-

الحمد لله الذی لا اله الا هو الی القیوم واتوب الیه
استغفر الله ربی من کل ذنب اذنبته عمداً او خطاءً سیراً
او علانیةً واتوب الیه من الذنب الذی اعلم ومن
الذنب الذی لا اعلم وانت علام الغیوب، اِنَّ الذین یشاءون
الله اذ یشاءونک تحت الشجرة ید الله فوق ایدهم،

پھر اس کے بعد طالب سلوک سے ارشاد فرماتے کہ خداے تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے، ان کو حرام جانو، روزانہ پانچ وقت کی نماز وقت پر ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اگر تمہارے پاس نصاب شرعی کے مطابق مال ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرو، اور اگر اللہ نے تمہیں استطاعت دی ہے تو حج کرو پھر مرید کے ہاتھ چھوڑ دیتے، اور ارشاد فرماتے کہ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرو۔

اگر کسی عورت کو مرید فرماتے تو درمیان میں پردہ ڈال دیا جاتا، اور پرے کے اندر سے دوپٹہ مرید ہونے والی خاتون کے ہاتھ میں اس طرح دیا جاتا کہ اس کا ایک سر آپ کے ہاتھ میں ہوتا، اور اس کو بھی آپ مندرجہ بالا دعا و استغفار پڑھا کر دو رکعت نماز شکرانہ پڑھنے کا حکم دیتے۔

عورتوں کو مرید کرنے کے بعد ایک دہائی بھی عطا فرماتے، یہ چار گز لمبا ایک کپڑا ہوتا تھا جس پر آپ کے بڑے صاحبزادے بابا عبدالستار یہ عبارت تحریر کرتے تھے۔

بسم الله الرحمن الرحيم۔ لا اله الا الله محمد رسول الله

قل یا عبادِی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من
رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ ہوالغفور
الرحیم۔

فلانة بنتِ فلانةِ راحق بسحانه وتعالی بھر مت
کلمة طیب وایة مسطوره وبحق النبی والہ و
اصحابہ بیاورد۔

مریدوں کی تعلیم | مریدوں کی تعلیم و تربیت میں ہمیشہ شفقت کو پیش نظر رکھتے ،
اور حالات کے لحاظ سے نصاب کو تمیلات کے رنگ میں اس طرح
پیش فرماتے کہ وہ سننے والے کے آئینہ قلب پر منقش ہو جاتی تھیں۔ ابتدائے سلوک
میں مرید کو فنا فی الشیخ کی تعلیم فرماتے تھے۔

اپنے مرید خاص شیخ برہان الدین راز الہی کو تاکید فرمائی تھی کہ اپنے مرشد کا
تصور اس طرح غالب رکھو کہ جب کسی سے ملاقات کا اتفاق ہو تو خواہ وہ مشایخانہ
وضع میں ہو ، یا قلندروں کے لباس میں ، تمہیں سمجھنا چاہیے کہ میرا پیر بیٹھا ہے۔
ارشاد فرمایا کہ مرشد کا وجود بھی مرید اور خدا کے درمیان ایک واسطہ ہے ،
اگر مرشد کا وجود درمیان میں نہ ہو تو جمال الہی کی تجلی مرید کو نظر نہیں آ سکتی۔

سماع | سماع سے آپ کو رغبت تھی ، لیکن منکرین سماع کو بھی آپ بُرا نہیں
سمجھتے تھے ، آپ کی مجلسوں میں سماع کے آداب کو بڑی اہمیت
دی جاتی تھی۔

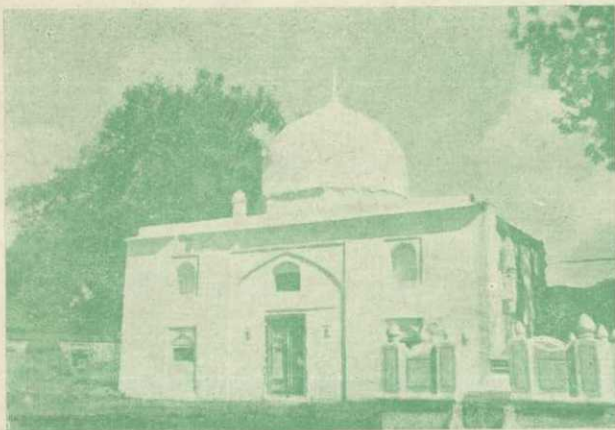
ایک دفعہ آپ کی خانقاہ میں مجلس سماع منعقد ہو رہی تھی ، متقاض صوفیا کا
اجتماع تھا۔ اتفاقاً ملا مجیب علی سندھی بھی ادھر آ گئے اور محفل سماع میں شریک ہو گئے
لیکن انھوں نے آداب سماع کا خیال نہیں رکھا اور اپنے قریب بیٹھے ہوئے ساتھی

السَّامِعُ كَالصَّلَاةِ

نام حسب ذیل ہیں :-

- (۸) حاشیہ بر شرح ضیائیہ۔ یہ شرح مولانا جامی کی ہے۔

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے آس پر حرام



مقبرہ حضرت مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ جند اللہ قدس سرہ
واقع سندھی پورہ - برہانپور
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

(۹) فتح محمدی در علوم مایعلق بہ التفسیر۔

(۱۰) تنقیم شرح مائے عالم۔

(۱۱) رسالہ عقود۔

(۱۲) دور باعی کی دو شرح۔

(۱۳) ترجمہ اسرار الوحی۔

ان کے علاوہ بھی آپ کے بعض اور رسائل ہیں۔

وفات ۱۴ ر شوال ۱۳۱۰ھ کو آپ واصل الی اللہ ہوئے اور اپنے حجرہ عبادت میں مدفون ہوئے۔ خانقاہ مال عبد الرحیم نے آپ کے مزار مبارک پر گنبد تعمیر کرایا۔

اولاد آپ نے اپنی وفات کے بعد چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوٹی جن کے نام یہ ہیں :-

(۱) شیخ عبدالستار (۲) شیخ فتح محمد (۳) شیخ طہ (۴) شیخ اشتم

(۱) امۃ الرحمن (۲) فاطمہ۔

خلفا شیخ عینی جند اللہ کے بہت سے خلفاء تھے جن سے سلسلہ قادریہ اور شطاریہ کا فیض نہ صرف خاندیس اور برار میں عام ہوا بلکہ دور دراز ملکوں میں پھیلا۔ ان میں سے بعض خلفاء کے نام یہ ہیں :-

(۱) حضرت شیخ عبدالعزیز لاہوری۔

(۲) حضرت شیخ محمد صدیق کابلی۔

(۳) حضرت شیخ عبدالقدوس۔

(۴) حضرت شیخ فرید بن عبد الحکیم۔

(۵) حضرت نذرا ایمان۔

(۶) حضرت شیخ محمد سندھی۔

(۷) حضرت حاجی نعمت اللہ۔

(۸) حضرت شیخ برہان الدین رازا لہی۔

(۹) حضرت شیخ اسماعیل فرجی۔

(۱۰) حضرت سید قاسم لہ

لے شیخ عیسیٰ جند اللہ کے تمام تر حالات جناب سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری کی تالیف "برہان پور کے سندھی اولیا" شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ سے ماخوذ ہیں۔ شیخ عیسیٰ جند اللہ اور ان سندھی اولیائے کرام کے حالات کی تفصیل جو سندھ سے ہجرت کر کے برہان پور میں آباد ہوئے اگر مطلوب ہو تو راشد صاحب کے اس تذکرہ کا مطالعہ بہت ضروری ہے، کیونکہ یہ اس موضوع پر ایک جامع تذکرہ ہے جو مستند ماخذوں سے ماخوذ ہے۔

(۳۲)

قاضی عبدالرحمن شہید (مخدوم کھوڑا)

خاندان و وطن
قاضی عبدالرحمن شہید جو مخدوم عبدالرحمن شہید کے نام سے مشہور ہیں، روہڑی سے تقریباً بیس کوس کے فاصلے پر "کھوڑا" نامی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اُن کا سلسلہ نسب یہ ہے:-

مخدوم عبدالرحمن شہید بن مخدوم محمد بن مخدوم محمد عاقل بن محمد عبدالخالق بن مخدوم یحییٰ بن مخدوم جمال الدین بن مخدوم اسد اللہ بن مخدوم احمد بن مخدوم محمد بن ... بن سیدنا عبید اللہ بن جمال الدین محمد بن عبداللہ بن سید ابراہیم شہید بن اسحاق بن معروف بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن علی بن سیدنا عبداللہ بن سیدنا عباسؑ سے اس خاندان کے بزرگوں میں سید ابراہیم شہید خلیفہ معتمد باللہ عباسی کی خلافت کے زمانے میں بغداد سے تبلیغ اسلام کے لئے سندھ تشریف لائے اور حیدرآباد جسے اس زمانے میں نیرن کوٹ کہتے تھے، اس کے قریب کلور نامی ایک پہاڑ پر قیام فرمایا اور کلور کے لوگوں کو وعظ و نصیحت اور شریعت اسلامیہ کا پابند بنانے میں مشغول ہو گئے اس وجہ سے وہ لوگوں میں کلور والے کہلانے لگے۔ سید ابراہیم نے شہیدین فات پانی

سے یہ شجرہ نسب تحفہ الکرام سندھی کے فٹ نوٹس مرتبہ مولانا مخدوم امیر احمد سے ماخوذ ہے۔
ماتہ ابراہیم اسحاق معتمد بن ارسلان الرشید مامون کی وفات کے بعد ۱۹ رجب ۲۱۸ھ کو خلیفہ ہوا اور ۲۰ ربیع الاول ۲۲۲ھ کو معتمد نے وفات پائی۔

سید ابراہیم شہید کی اولاد میں ایک بزرگ مخدوم اسد اللہ نامی اکبر کے زمانے میں قاضی القضاۃ کے عہد پر فائز ہوئے، انھوں نے سندھ کا دورہ کرتے ہوئے ریاست خیرپور کے علاقے کے ایک گاؤں سپری میں ۱۱۹۹ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے فرزند مخدوم جمال الدین نے سپری ہی میں سکونت اختیار کر لی، ان کے فرزند مخدوم یحییٰ نے بھی اسی گاؤں میں وفات پائی، ان دونوں بزرگوں کے مزار سپری میں آج بھی زیارت گاہ عام و خاص ہیں۔

مخدوم یحییٰ کے صاحبزادے مخدوم عبدالخالق سپری سے ”کھوڑا“ نامی گاؤں میں آکر آباد ہوئے۔ ان کی اولاد اس گاؤں میں آج تک موجود ہے۔ مخدوم عبدالرحمن کے دادا مخدوم عاقل کے متعلق لکھا ہے کہ وہ علم و فضل، زہد و ریاضت، ہدایت و ارشاد کے جامع تھے اور ہر وقت یاد الہی میں مشغول رہتے تھے۔

مخدوم عبدالرحمن شہید انھیں عبدالخالق کے پرپوتے میں جنھوں نے علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل اپنے والد محترم مخدوم محمد علیہ الرحمہ سے کی۔

استقامت دین | مخدوم عبدالرحمن شہید عالم باعمل اور استقامت دین کا ایک بہترین نمونہ تھے۔ صاحب تذکرہ مخدوم کھوڑا نے ان کے استقامت دین کے بہت سے واقعات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مخدوم عبدالرحمن اپنے وقت کے جلیل القدر اور صاحب کرامت بزرگ ہیں۔

صاحب تحفۃ الکرام نے ان کی سیرت و کردار کی بلندی کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

قاضی عبدالرحمن ادا امر و نواہی کے سختی سے پابند تھے اور مقدمات

۱۔ یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام سندھی کے فٹ نوٹس مرتبہ مولانا مخدوم امیر احمد بسمن قاضی عبدالرحمن شہید سے ماخوذ ہے۔

کے فیصلوں میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے اور سنت نبوی کی ترویج میں انتہائی کوشش کرتے تھے، اور جو لوگ بدعات و گمراہی میں مبتلا تھے انہیں سختی سے منع فرماتے تھے۔ بہت سے لوگ ان کے اشارے کے منتظر رہتے تھے۔

شہادت کا واقعہ مخدوم عبدالرحمن اپنے موضع میں اطمینان سے تبلیغ دین اور اشاعتِ حق میں مصروف تھے کہ اچانک ایک نہایت افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ روہڑی کے سیدوں میں سے ایک سید ایک خوبصورت مطربہ پر فریفتہ ہو گیا اور اسے زبردستی اپنے گھر میں ڈال لینا چاہا۔ اس مطربہ کا شوہر غریب تھا۔ وہ آپ کے پاس رجوع ہوا اور حضرت مخدوم سے فریاد کی اور اپنی بیوی کو بھی آپ کی پناہ میں لے آیا، اس کے فریاد کرنے پر آپ نے روہڑی کے سیدوں کو لکھا کہ تمہارا یہ فعل سراسر ظلم ہے اور تمہارے لئے کسی طرح مناسب نہیں پھر مخدوم نے اپنے چند آدمیوں کے ساتھ اس عورت کو اپنے خاص خادم زیرک کی نگرانی میں بھجوایا کہ وہ اس کو حفاظت سے اس کے گھر پہنچادیں۔ اتفاقاً اس شخص کو جو اس عورت پر عاشق تھا، خبر لگ گئی اور وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر آیا اور اس نے مخدوم کے آدمیوں پر تہ بول دیا، جس میں دونوں طرف کے کچھ لوگ مارے گئے۔

سادات روہڑی پر حضرت مخدوم کا احسان یہ بھی تھا کہ روہڑی کے سادات کو پھیلوں اور سبزیوں میں سے سرکاری طور پر حصہ ملا کرتا تھا، میاں نور محمد کھوڑا کے زمانے میں یہ حصہ بند ہو گیا تھا، سادات حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس زمانے کے فرماں روا میاں نور محمد کھوڑا سے سفارش کے طالب ہوئے، آپ خود بنفس نفیس خدا باد تشریف لے گئے اور میاں نور محمد سے سفارش فرما کر ان کا حصہ جاری کرا دیا۔ لیکن اس موقع پر سادات روہڑی نے آپ کے احسانات

فراموش کر کے مخدوم کے خلاف حاکم کے پاس دعویٰ دائر کیا کہ مخدوم کے آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اتفاق سے روہڑی میں کھوڑا حکومت کی طرف سے معین ڈھرنی نامی حاکم تھا، اسے مخدوم سے خواہ مخواہ کی دشمنی تھی، اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میاں نور محمد کھوڑا بھی درپردہ مخدوم سے دشمنی رکھتا ہے۔ اس نے حق و انصاف کو بالائے طاق رکھ کر میاں نور محمد کھوڑا کو لکھا کہ مخدوم کے خلاف قتل کا مقدمہ دائر ہوا ہے، میاں نور محمد نے اس اطلاع کے ملنے پر ایک نو مسلم سیستانی کو فوج دے کر بھیجا کہ مخدوم کو شہید کر دو۔

شہادت یہ نو مسلم سیستانی کھوڑا پہنچا تو سب سے پہلے اس نے بستی کا محاصرہ کر لیا۔ لوگوں میں خبر پھیلی تو لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ آپ انہیں دعائیں دے کر رخصت کرتے جاتے تھے۔ آخر میں صرف دو سو اٹھ افراد رہ گئے ان میں سید بھی تھے، اکابر علماء بھی، اور حافظ قرآن بھی۔ حضرت مخدوم نے ان سے فرمایا کہ سب کے سب ظہر کی نماز کے بعد قبلہ رو ہو کر اشرہ کا ذکر بالجمہر شروع کریں اور اگر ہمارے مقابل تلواریں بھی نکال لیں تو اشرہ کی رضا پر راضی رہیں اور منتشر نہ ہوں۔ آپ کے بھائی مخدوم محمد عاقل نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں ابھی دشمنوں کو تہ وبالاکردن فرمایا، میں خود بھی یہ کر سکتا ہوں لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔ پھر آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو جو ابھی بچے ہی تھے پیار کیا، اس کے بعد قبلہ رخ ہو کر وضو کرنے لگے۔ اس وقت محاصرین اندر داخل ہوئے اور آپ سے کہا کہ ہم تمہارا خون شیشے میں بھر کر لے جائیں گے۔ مخدوم نے فرمایا خون تو اس وقت لے جاؤ گے جب کہ میرے جسم سے خون نکلے۔ میرے جسم سے تو ایک قطرہ خون بھی نہ نکلے گا۔ اسی حالت میں ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت زبان سے اشرہ کا ذکر جاری تھا اور تسبیح ہاتھ میں تھی۔ آپ کے بعد آپ کے رفقاء بھی شہید کئے گئے۔

آپ کے ساتھیوں میں سے صرف ایک صاحب بچے جو اتنے شدید زخمی ہو چکے تھے کہ ان کے متعلق بھی شہادت کا گمان ہوتا تھا۔ پھر محاصرین زنا نخانے میں گھسنے لگے کہ شاید وہاں کچھ لوگ چھپے ہوئے ہوں۔ لیکن اتفاق سے لکھنوی کے ایک سید جن کا نام فیروز شاہ تھا، دروازے پر کھڑے ہو گئے اور فوجیوں کو گھر میں گھسنے سے روکا۔ یہ حزنیدہ ۱۱۲۵ھ میں پیش آیا۔ ”ستون سندھ قناد“ سے آپ کی تاریخ شہادت نکلتی ہے۔

صاحب تحفۃ الکرام نے آپ کی شہادت کا واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

آخر اپنے حامیوں کی جماعت	آخر باجماعہ موفق در امر
کے ساتھ حمایت اسلام کی خاطر	حمایت اسلام میان مسجد و نماز
بحالت نماز مسجد میں شہید ہوئے	شہید شدہ۔

مشریعہ مخدوم عبدالرحمن شہید کی شہادت پر ملک میں صف ماتم ہو چکی تھی متعدد لوگوں نے مرثیے کہے۔ ہم ان میں سے ایک مرثیے کے چند شعر بیان نقل کرتے ہیں۔

ایں چہ سودا در دماغ دہر پا انداختہ
ایں چہ شور و شر بگردوں در صدا انداختہ
نے بیک شہراست و نے بیک کوچہ است وائے
خشت ماتم ہر تنے در ہر سرا انداختہ
ہر زماں در فکرمی بینم بہ ہر جہا فوج فوج
ہر کے با ہر کے لا والی انداختہ

یا قیامت گشت قائم ، یا بر شد آسمان
 بے و ہوی در جہاں چوں کہ بلا انداختہ
 یا بقتل عبد رحمان رحمت رحمان علیہ
 در جہاں تب لرزہ ورنج و بلا انداختہ
 ہر کجا آں شاہباز دین و دولت می دوید
 ہر غراب کفر و بدعت قاتل انداختہ

اولاد مخدوم عبد الرحمن شہید کے دو صاحبزادے تھے ، بڑے کا نام مخدوم محمدی اور چھوٹے کا نام مخدوم احمدی تھا ، مخدوم عبد الرحمن کی شہادت کے وقت مخدوم محمدی کی عمر دو سال اور چھوٹے صاحبزادے مخدوم احمدی کی عمر ایک سال کی تھی ۔

مخدوم محمدی کے متعلق تاریخ آئینہ جہاں نما کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی علوم میں اپنے والد کی فیض توجہ کے رہین منت تھے ۔ وہ ایسی سلسلہ کے نہایت ہی عظیم ترین بزرگ اور ولی کامل تھے ۔ اپنے والد کی شہادت کے بعد ان کی عمر سات سال کی تھی کہ انھوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا ۔ آپ کی تعلیم کے لئے سند کے اس دور کے مشہور عالم علامہ مخدوم ابوالعالی نوشہرائی کو تکلیف دی گئی ۔ انھوں نے جو کتاب بھی آپ کے پڑھانے کے لئے کھولی ، مخدوم محمدی نے اس کے متعلق نہایت برجستہ اور معلومات آفرین تقریر کی کہ جس کو سن کر علامہ ابوالعالی حیران رہ گئے ۔ پھر قرآن ، حدیث اور تفسیر کے مشکل مسائل کو وہ اس طرح حل کرتے تھے کہ اہل علم ان کی توضیحات کو سن کر حیران رہ جاتے تھے ۔ ان کے استاد مخدوم ابوالعالی نے جب ان کے وہی علوم کا بحر اس حد تک دیکھا تو ایک روز سے اختیاً ہو کر فرمایا کہ ان صاحبزادے کا علم خضری ہے اور انھیں علم لدنی سے سرفراز فرمایا گیا

ہے۔ ان کی تعلیم کے لئے میری ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر اپنے وطن نوشہرہ واپس چلے آئے۔

مخدوم محمدی کی فصاحت و بلاغت و نکتہ آفرینی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک دوست اُن سے ملنے کے لئے اُن کے مکان پر آئے۔ جب وہ جانے لگے تو اُنھوں نے مخدوم محمدی کو لکھ کر بھیجا۔ ”حضرت آفتاب گرم می شود رخصت فرمایند۔“ مخدوم محمدی نے اس کے جواب میں لکھا۔ ”تجنیس گرم (گرم) مطلوب است، مبادا بہ تقلیب آل (مرگ) تأسف خورند۔“

سندھ کے زندہ جاوید شاعر اور جلیل القدر صوفی شاہ عبداللطیف بھٹائی مخدوم محمدی کے ہم عصر تھے۔ صاحب تذکرہ مخدوم کھڑا کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شاہ عبداللطیف بھٹائی بطور سیاحت کھڑا میں تشریف لائے اور شہر کے باہر میاں چنپہ کے کنویں کے قریب قیام فرمایا، میاں چنپہ مخدوم محمدی کے والد مخدوم عبدالرحمن شہید کے خلیفہ تھے۔ مخدوم محمدی کو آپ کی تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو مخدوم نے آپ کو دعوت دی۔ شاہ عبداللطیف نے اس وقت عذر کرتے ہوئے ایک شعر لکھا جس کا ماحصل یہ تھا:-

آج میں نہیں آسکتا۔ کل صبح حاضر ہوں گا اے میرے دوست، تو، اس کا ہمنام ہے جولا وارثوں اور یتیموں کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھانے والا تھا۔

دوسرے روز صبح کو شاہ عبداللطیف مخدوم صاحب کے پاس تشریف لائے اور ایک ہفتہ مخدوم کے یہاں ہمان رہے، جب رخصت ہونے لگے تو مخدوم کے لئے دعائیں منمائیں۔

مخدوم محمدی کے آئینہ اخلاق میں اتباع شریعت، محبت رسول اور استغنا کے جوہر نمایاں نظر آتے ہیں۔ ”تذکرہ مخدوم کھڑا“ میں ان کے تفصیلی حالات

ہلتے ہیں۔

مخدوم محمدی نے ربیع الاول ۱۲۸۷ھ میں وفات پائی۔ ان کا قلم نام تاریخ

وفات یہ ہے۔

بہشتم از ربیع الاول اور فت ز تار بخش بمن ہاتف جنیں گفت

دوشنبہ چونکہ باز آمد ز حالوت مقام روح پاکش جلے لاہوت

مخدوم احمدی اپنے بھائی مخدوم محمدی کی وفات کے بعد ۱۲۸۷ھ میں مسند

آرامے رشد و ہدایت ہوئے۔ ان کی عمر کا بڑا حصہ اعلائے کلمۃ الحق، ترویج شریعت

اور شرک و بدعت کی بیخ کنی میں صرف ہوا۔

مخدوم احمدی نے قادری سلسلے میں ظاہری و باطنی فیوض و برکات اپنے شیخ

پیر موسیٰ شاہ ساکن گوگلی سے حاصل کئے تھے جو ان کے والد قاضی عبدالرحمن شہید

کے فیض یافتہ تھے۔ سندھ میں قادری سلسلے کے فیوض و برکات مخدوم احمدی سے

پھیلے اور ان کے توسط سے بہت سے لوگ سلسلہ قادریہ میں داخل ہوئے۔

احمد شاہ ابدالی مخدوم احمدی کا نہایت معتقد تھا۔ وہ ہندوستان کی طرف

جاتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا خواستگار ہوا اور اس نے فرائض کے

خرچ اور لنگر کے لئے تعلقہ گڑھی یسین ضلع سکھر میں بعض گاؤں مرزا پور، نواب آباد

و کٹر اور جرم وغیرہ جاگیر کے طور پر عطا کئے۔

سندھ کے ممتاز راشدی خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت پیر محمد راشد علیہ الرحمۃ

بھی مخدوم احمدی کے شاگردوں میں تھے۔

۱۲۸۷ھ میں مخدوم احمدی نے نہایت اہتمام سے وہ مسجد از سر نو تعمیر کرائی

۱۷۷۸-۱۷۷۹ھ مخدوم محمدی کے متعلق تمام تفصیل تحفہ الکرام سندھی کے فٹ نوٹس مرتبہ مخدوم امیر محمد

شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ سے ماخوذ ہے۔

دانی که چسبست قبه چون مشعل فروزان
نایخ سال تعمیر از غیب روشن جسم

فرد خدا مجسم بر تربت شهیدان
عرش خدا بود امانت بگفت این سال

۱۲۰۱ هـ

مخدوم احمدی ۱۳۰۲ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔ اس آفتاب ولایت کے غروب ہونے پر ملک کے مایہ ناز شعرا نے مرثیے کہے جو آئینہ بہاں نما اور تذکرہ مخدوم کھوڑا میں ملتے ہیں۔

آپ کی تاریخ وفات "احمدی رامقام شرجنات" اور کان ولیم جلاء الضفا
 ۱۲۰۳ھ ۱۲۰۳ھ
 کے نکلتی ہے۔

مخدوم احمدی کے صاحبزادے مخدوم محمد عاقل جلیل القدر عالم، ولی کامل تھے
سندھ کے مشہور و معروف ولی اللہ مخدوم محمد اسماعیل (ساکن پریانو) کے داماد تھے۔
کھوڑا کے موجودہ مخدوم انھیں کی اولاد میں سے ہیں۔

(۳۳)

شاہ عبداللطیف بھٹائی

یوں تو سندھ میں بڑے بڑے صوفی، درویش اور شاعر پیدا ہوئے، لیکن جو شہرت اور مقبولیت بحیثیت ایک روحانی پیشوا اور شاعر کے شاہ عبداللطیف کو میسر آئی وہ دوسروں کا حصہ نہ بن سکی، اگر ایک طرف اُن کی ذات فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی تو دوسری طرف اُن کی شاعری اپنے اندر اثر و تاثیر، سوز و گداز کا ایک خزانہ لئے ہوئے تھی۔ اُنھوں نے جو کچھ بھی کہا ہے اس میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے۔ اُن کا ہر شعر رُوح کی گہرائیوں سے نکلتا ہے اور دل کی پہنائیوں میں اُتر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے پاکیزہ نغموں سے سندھ کے گاؤں، قصبے اور شہر گونج اُٹھے اور اُن کی درویشی اور شاعری کی شہرت اپنے وطن سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پھیلی۔ اُن کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُس سے تعلیم یافتہ طبقہ بھی لطف اندوز ہوتا ہے اور ناخواندہ طبقہ بھی اُن کے اشعار میں ایک لذت محسوس کرتا ہے۔ آج بھی عورتیں گروں میں، کسان کھیتوں میں بچے گلیوں میں، صوفیا غانقاہوں میں شاہ کے کلام کو پڑھتے اور سر مڑھتے ہیں۔

نام و نسب آپ کا نام عبداللطیف، آپ کے والد ماجد کا نام سید حبیب شاہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ شاہ عبداللطیف بن سید حبیب شاہ بن سید عبدالقدوس بن سید جمال بن سید عبدالکریم بن سید اللہ۔ آپ کی والدہ درویش محرم عربی دیانہ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے خاندان کا تعلق کاظمی سادات سے ہے۔

لے نذ لطیف مضمون حیات جادواں مرتبہ علی مہر خدی نے نذ لطیف مضمون سند کے صوفی شاعر مرزا اختر بخش صاحب قلی

اس خاندان کے ایک بزرگ سید حیدر ^{رحمۃ اللہ علیہ} میں سندھ تشریف لائے اور قصبہ ہالہ میں سکونت اختیار کی، پھر سید حیدر کے خاندان کے کچھ افراد بلڑی میں آباد ہو گئے جو حیدر آباد سندھ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس خاندان کے جو افراد بلڑی میں آباد ہوئے۔ اسی شاخ میں سید عبدالکریم متعلوی بھی ہیں جو شاہ عبداللطیف کے پردادا ہیں شاہ عبداللطیف کے والد سید حبیب شاہ بہت ہی زاہد و غابد بزرگ تھے۔ صاحب وجد و حال تھے۔ ہمیشہ آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ پر استغراق میں اس درجہ محویت طاری رہتی تھی کہ کبھی آپ کے صاحبزادے شاہ عبداللطیف آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گفتگو کرتے تو آپ پوچھتے ”تم کون ہو؟“ وہ فرماتے کہ حضور کا غلام عبداللطیف ہے، فرماتے کہ میں نہیں جانتا۔ مخدوم محمد صادق نقشبندی نے سید حبیب شاہ کی تاریخ وفات اس حدیث سے نکالی ہے۔ الموت جسع یوصل الحبيب الى لقاء الحبيب ^{رحمۃ اللہ علیہ}۔

ولادت شاہ عبداللطیف کی ولادت باسعادت بالاحویلی جو پرگنہ ہالہ کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ^{۱۶۸۹ء} میں ہوئی۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر کی موت کا زمانہ تھا۔

تعلیم آپ نے کن مدارس میں تعلیم پائی اور کون سے اساتذہ کے سامنے تعلیم ازانوئے ادب طے کیا اس سلسلے میں آپ کے تمام تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ شاہ عبداللطیف نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور وہ اُمی تھے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ اُن کی شاعری اور کلام کے

لہ تذکر لطیف مضمون شعل ^۹ اثر تہ نصرا ^۹ خان ^۹ ملہ تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۳۱ ^۹ تذکر لطیف میں ہے احمد بشیر صاحب نے اپنے مضمون رومی پاکستان میں لکھا ہے کہ شاہ عبداللطیف کی پیدائش کے وقت شاہ حبیب بالاحویلی کے مقام پر آباد تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی جائے پیدائش بالاحویلی قرار پاتی ہے۔

کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ عربی، فارسی اور ہندی پر آپ کو بڑی قدرت تھی۔ قرآن مجید، حدیث، تصوف اور دوسرے علوم پر آپ کی گہری نظر تھی۔ قرآن و حدیث کے اعلیٰ مضامین کو اور تصوف کے معارف اور اصطلاحوں کو جس دلکش انداز میں آپ نے اپنی سندھی شاعری میں سمویا ہے یہ سب چیزیں آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔

آپ کے بچپن کا زمانہ اپنے والد سید حبیب شاہ کے ساتھ بالاحویلی ہی میں گزرا۔ لیکن جب آپ کے والد کو ٹری چلے آئے تو آپ بھی اپنے والد کے ساتھ چند دن کو ٹری میں رہے۔

ابتدا ہی سے علم و عرفان، سلوک و معرفت کا نور آپ کے چہرے سے ہویا تھا آپ زمانہ شعور ہی سے ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے، کہتے ہیں کہ کچھ دن آپ پر عشق مجازی کا بھی غلبہ رہا، اور اسی حیرانی میں آپ جو گیوں اور سنیا سیوں کے ساتھ بھونڈی کرتے رہے، آخر یہی عشق مجازی عشق حقیقی کا راہر بنا اور ایک دم دل انوار الہی سے روشن ہو گیا، اور آپ صحرا نوردی چھوڑ کر ایک خاص مقام پر یاد الہی میں مصروف ہو گئے۔

بھٹ میں قیام جس مقام کو حضرت شاہ عبد اللطیف نے اپنے قیام کے لئے پسند فرمایا، یہ مقام اب شاہ بھٹ کے نام سے مشہور ہے۔ بھٹ سندھی زبان میں ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ شاہ کی برکات سے یہ ویرانہ مقام خوب آباد ہوا۔ جس وقت آپ بھٹ میں آباد ہوئے اس وقت آپ کی عمر چھبیس سال کی تھی۔ اسی مقام پر بیٹھ کر آپ نے علم و عرفان کے چشمے جاری کئے اور رشد و ہدایت کی وہ شمع روشن کی جس کی روشنی سندھ سے نکل کر دور دور پھیلی۔ شاہ عبد اللطیف نے سترھویں اور اٹھارویں صدی کے بہت سے انقلابات

دیکھتے تھے۔ اور نگ زیب نے جب وفات پائی تو اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کہ سلطنت مغلیہ کے عروج کا آفتاب زوال پذیر ہو چکا تھا، اُن کے وطن میں خاندان کھوڑا کی حکومت مرکزی حکومت کا جوا کندھے سے اتار کر تیزی سے خود مختاری کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ انھوں نے وہ وقت بھی کھیا کہ جب سندھ کو نادر شاہ نے لوٹا، اور کھوڑا فرمانروا ایران کے باجگزار بنے۔ انھیں کے سامنے وہ وقت بھی آیا جب احمد شاہ ابدالی دندنا تا ہوا دہلی آیا اور اس نے سندھ کو کابل کے ماتحت بنایا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب ایک طرف سیاسی نظام متزلزل ہو رہا تھا تو دوسری طرف اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی جس کو عمل و اخلاق کو دار کا قوام بگڑ چکا تھا۔ طبقاتی تفاوت نے غریبوں کے لئے زندگی کو ایک عذاب بنا دیا تھا۔ زندگی کی ساری راحتیں امیر اور دولت مند طبقے کے لئے تھیں، اور غریب بیچارے زمین کا بوجھ بنے ہوئے تھے۔ جو فیائے خام اور علمائے سور شدہ ہدایت کے پردے میں گمراہیوں کو رواج دے رہے تھے۔ یہ تھا وہ ماحول جس نے شاہ عبداللطیف کے حساس دل کو بے حد متاثر کیا۔ انھوں نے وقت کی آواز کو پہچانا اور دکھی انسانیت کو محبت کا پیغام دیا۔ آپ کی ساری زندگی کی جدوجہد کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ انسانوں کے رشتے کو خدا سے جوڑا جائے، رسول اکرم کی محبت سے قلوب کو گرمایا جائے۔ بگڑی ہوئی زندگی کو حسن اخلاق اور پاکیزہ کردار سے آراستہ کیا جائے۔ ظلم کے خبیث درخت کو اکھیر کر انسانیت کو محبت و خلوص سے آشنا کیا جائے۔

ملہ نادر شاہ ۱۱۵۲ھ کے اواخر میں سندھ آیا اور ۱۱۵۳ھ کو لاہور سے ایران روانہ ہوا اور ۱۱۵۴ھ میں قتل ہوا۔ (نٹ نوٹس مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی ص ۲۸۶)

بحث میں قیام فرمانے کے بعد تقریباً پچاس سال تک اس مقصد کے لئے شاہ عبداللطیف نے جو انتھک کوشش کی ہے، ان کی پوری شاعری اس پر گواہ ہے انھوں نے اپنے پیغام کو عام بنانے کے لئے اپنی شاعری میں سندھ کی اُن رومانی داستانوں کو بنیاد بنایا ہے جنہیں سندھ کے لوگ بڑے فوق و شوق سے سنتے تھے۔ انھیں کہانیوں کے پیرے میں آپ نے عوام کے دکھوں اور غموں کی ترجمانی کی ہے، اور اُن میں زندگی کی ایک نئی اُمٹگ اور دلولہ پیدا کیا ہے۔ خالق اور مخلوق کی محبت اُن کی شاعری کا موضوع خاص ہے، اُن کی شاعری میں تصوف اور شریعت کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے کہ بڑھنے والا ان کے نعروں میں ایک روحانی کیف محسوس کرتا ہے۔

شاہ جور سالو شاہ کے مجموعہ کلام کا نام "شاہ جور سالو" ہے۔ جو سندھ کے چھپے چھپے میں نہایت عقیدت و اخلاص کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

یہ کلام اُن کے مریدوں اور فقیروں نے جمع کیا تھا۔ اُن کے بعض مرید تو ایسے تھے کہ انھیں شاہ کا پورا کلام زبانی یاد تھا۔ ہاشم، قمر اور بلال کے متعلق تو مشہور ہے کہ شاہ کا کوئی شعر ایسا نہ تھا جو اُن کو زبانی یاد نہ ہو۔

"شاہ جور سالو" کو سب سے پہلے ڈاکٹر ٹرمپ نے جرمنی سے طبع کرایا تھا۔ اب تک اُس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پھر اس کا ایک ایڈیشن ڈاکٹر گنجشانی نے شائع کیا۔ یہ ایڈیشن سب سے زیادہ مقبول ہوا کیونکہ اس کی تصحیح میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت و تحقیق سے کام لیا ہے۔ اب سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے سندھ کے فاضل و محقق علامہ ڈاکٹر داؤد پوٹہ "شاہ جور سالو" پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

غریبوں کی محبت شاہ عبداللطیف کو غریبوں سے بے حد محبت تھی۔ وہ اُن کے دکھ درد کو محسوس کرتے اور اپنی شاعری میں عوام اور غریبوں کی ترجمانی کرتے تھے۔

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شاہ عبداللطیف شاہ بندر گئے اور کسی قریب کے گاؤں میں شتر بانوں کے خیمے میں ٹھہرے۔ شاہ عبداللطیف جہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کچھ اونٹ چیتے، چلاتے اور بلبلا تے ہوئے آئے۔ آپ نے اونٹ والوں سے اسکی وجہ پوچھی۔ انھوں نے بتایا کہ ڈیرے نامی گاؤں کا حاکم جو بہت بڑا ظالم انسان ہے اس گاؤں میں جو غریب اونٹ والے بھولے سے آگئے ہیں یہ ان اونٹوں کی ٹانگوں اور دُموں میں کپڑے کے گولے بٹا کر ان گولوں میں آگ لگا دیتا ہے۔ جب وہ جلنے کی تکلیف سے بلبلا تے ہیں تو یہ بہت خوش ہوتا ہے۔ اس وقت بھی یہ اونٹ اسی تکلیف سے بلبلا رہے ہیں۔ شاہ عبداللطیف کو یہ بات سُن کر بہت دکھ ہوا اور اونٹوں کو دیکھ کر بڑا رحم آیا۔ آپ نے اسی وقت سندھی میں ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ :-

یہ محل غارت ہوں، شتر بانوں کے خیمے آباد ہیں
میں اونٹنیوں کے دودھ کو کبھی نہیں بھول سکتا
شتر بان ہمیشہ آباد رہیں، اور اُن کو ستانے والے
دودھ کو ترسیں

پھر شاہ نے اُن اونٹ والوں سے کہا، جاؤ میرے بیٹو! کچھ دن نہیں گزرتے کہ کہر قوم کے محل ویران ہو کر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنیں گے۔ کہتے ہیں کہ کچھ دن بھی نہیں گزرے تھے کہ یہ گاؤں ویران ہو کر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنا۔

وطن کی محبت | رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حب الوطنی کو ایمان کی نشانی قرار دیا ہے۔ شاہ عبداللطیف کو اپنے وطن (سندھ) سے غیر معمولی محبت تھی۔ انھوں نے شاہ جو رسالو میں جا بجا اپنے وطن کے لئے

شاہ نذر لطیف صفحہ ۶ مضمون بعنوان "شاہ پر تحقیق" مرتبہ ڈاکٹر بنی بخت خان علی پور فیروز آبادی

خیر و برکت کی دعا کی ہے۔ ایک دوپے میں فرماتے ہیں۔

میری خواہش ہے کہ اپنے وطن کو دیکھتے دیکھتے جان دوں
میرے جسم کو قید نہ کرنا

پردیس کو اس کے محبوب سے جدا نہ کرنا

میراجی چاہتا ہے کہ اپنے وطن تھرکی ٹھنڈی ٹھنڈی مٹی اپنے سر پر ڈال لوں۔

اگر میں پردیس میں مر جاؤں تو میری لاش کو میر میں دفن کرنا

شاہ کی حب الوطنی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے اس زمانے

میں جب کہ سندھ میں فارسی شاعری کا چرچا تھا اور اس دور کے سندھی شعراء فارسی

میں شعر کہنا اپنا طرہ امتیاز سمجھتے تھے۔ فارسی زبان کو ایک سرکاری حیثیت حاصل

تھی اور فارسی شاعری ہی سے اس زمانے کے امراء اور اہل کمال کی مجلسیں گونجی تھیں

عین اس زمانے میں جب کہ سندھ میں فارسی شاعری کی مقبولیت کا آفتاب نصف النہا

پر تھا۔ شاہ نے زمانے کی رو سے ہٹ کر سندھی زبان کو اپنی شاعری کا ذریعہ بنایا۔

اور اپنی بے مثل شاعری سے سندھی زبان کو مالا مال کر دیا۔ اس لحاظ سے شاہ

عبد اللطیف سندھی زبان کے سب سے بڑے محسن ہیں۔

شاہ کی شاعری پر اُن کے تبصرہ نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ

سندھی زبان، سندھ کی قدیم تہذیب اور تصوف کے حقائق

و معارف پر وسیع نظر رکھتا ہو۔ ان عناصر کے بغیر اُن کے شعر کی اعماق روح تک پہنچنا

تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن اس وقت تک اُن کے کلام کا جو حصہ اردو میں منتقل ہو چکا

ہے ہم اس میں سے چند دوپے نمونہ یہاں نقل کرتے ہیں جو اُن کے شاعرانہ کمالات

کے منظر ہیں اور جن میں ان کی فکر سنانے تصوف کے نہایت باریک نکات کو سیر

حُسن اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ایک جگہ خود ہی انھوں نے اپنے کلام کے

مقصد اور مطمح نظر کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

اس کلام کو معمولی اشعار نہ سمجھو، یہ آیاتِ ربّانی ہیں
یہ آیات پڑھنے والوں کو محبوبِ سیّی کی طرف لے جاتی ہیں
ایک جگہ وہ اپنے محبوب کے استغنا اور شانِ جمال کو بیان کرتے ہوئے، جو
دلکش انداز بیان اختیار کرتے ہیں۔ شاید ہی اس کی مثال ہمیں کسی دوسری زبان کی
شاعری میں مل سکے۔ فرماتے ہیں۔

جب میرا محبوب اپنی شانِ جمال کے ساتھ خراماں ہوتا ہے تو
زمین بھی بسمِ اشتر پکار اٹھتی ہے۔

دیکھو جہاں جہاں اس کے قدم گزرے وہاں راہ بھی بوسہ زن ہے
حوریں ایک طرف ادب سے کھڑی ہیں
میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے محبوب کا چہرہ سب سے زیادہ حسین ہے۔
عاشق کے کردار کی بلندی، محبوب کے دیئے ہوئے درد کی لذت، اہل درد
سے اُلفت، ان کیفیات کو شاہ نے جس نفاست و دلکشی کے ساتھ ادا کیا ہے
وہ آپ اپنی مثال ہیں۔ فرماتے ہیں۔

کسی نے پوچھا تمہارا محبوب کبھی تم سے بات کرتا ہے
”نہیں“

”پھر وہ محبوب کیسا“

محبوب کا سکوت ہی میرے لئے سلام ہے

میری آنکھوں نے مجھ پر احسان کیا کہ میرے گھر کے سامنے سے ہزاروں
انسان گزرتے ہیں لیکن وہ کسی کو نہیں دیکھتیں

میری آنکھیں اگر محبوب کے سوا کسی اور کو دیکھیں تو اسے کاگا اُن کو
بکال کر گڑھے میں ڈال دے

میرے دل میں درد اُٹھا کر چلے گئے، اور مجھے یہ درد اس لئے پیارا ہے
کہ وہ محبوب کا دیا ہوا ہے اس لئے مجھے طیبوں کی آواز بھی بُری لگتی ہے
مجھے طیبوں کے پاس بیٹھنا بھی گوارا نہیں، اس لئے کہ میرا سب سے
بڑا دوست تو محبوب کا دیا ہوا درد ہے

اُن کا دیا ہوا زخم سدا مجھ سے یہ کہتا رہتا ہے کہ طیب کے پاس
مت جا ورنہ میں اچھا ہو جاؤں گا

آد چلیں ایک رات اُن کے پاس گزاریں، جن کے جسم درد سے چاکر ہیں
لیکن جب لوگ آتے ہیں تو اُن سے اپنا درد چھپاتے ہیں

حسن کی معصومیت، اُس کی توصیف کے نفی شاہ نے جس انداز سے
لگائے ہیں، اس انداز فکر تک دوسروں کی رسائی نہیں۔ فرماتے ہیں۔

میرے محبوب کی پیشانی سے نیکیوں کے افوار ہو رہا ہے، یہاں وجہ تو
ہے کہ وہ مجھ جیسے بد اطوار کے پاس آنے سے گریز نہیں کرتا، اسی لئے
تو میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ سورج و چاند میرے محبوب کا مقابلہ
نہیں کر سکتے، اُن میں حسن تو ہے، نیکی نہیں

میرا محبوب عجم بھلائی ہے، وہ یہ بالکل فسادِ موش کر چکا ہے۔
 کہ وہ سرتاپا نیکی ہے، اس کی نیکی اور معصومیت کی سب سے
 بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ میرے پاس آیا تھا، لیکن اُس نے مجھ
 سے میرے عیسوں اور میری کوتاہیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اے چاند! تو میرے محبوب کا مقابلہ کرتا ہے، میں تجھے لٹکاتا
 ہوں۔ تو چودھویں رات کا جو سنگھار چاہے کر، ساری کائنات
 کا حُسن اکٹھا کر لے، لیکن میرے محبوب کے ایک جلوے کی بھی
 برابری نہیں کر سکتا۔

تم اور تمھارے جیسے ایک سو سو سوج بھی مکمل آئیں، پھر بھی
 محبوب کے بغیر میرے لئے اندھیرا ہے گا، جاؤ نیچے اُتر جاؤ۔
 تمھاری روشنی میں محبوب نہیں مٹنا چاہتا۔

شاہ کی شاعری کا اصل موضوع وحدت الوجود ہے۔ انھوں نے اٹھارویں
 صدی میں اس نظریہ کی اشاعت میں نہایت اعتدال اور احتیاط کے ساتھ حصہ
 لیا ہے۔ وہ اپنے کلام میں جا بجا نئے ڈھنگ سے اس نظریہ کو بڑے دلاویز
 طریقے پر پیش کرتے ہیں مگر احتیاط کے دامن کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔
 چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جنگل اور صحرا میں تو کیوں جاتا ہے، کیوں اپنے محبوب کو
 ادھر ادھر ڈھونڈتا ہے؛ اُسے لطیف، محبوب، حقیقی کئی دہری

بلکہ نہیں چھپا ہے، آنکھوں کو نیچے کر کے دیکھ، تیرے اندر ہی دوست کا ممکن ہے۔

معرفت حقیقی حاصل کرنے کے لئے بہت سے راستے ہیں، کوئی بھی راہ اس کا مشاہدہ کر سکتی ہے، ایک قصر ہے جس کے کاکھوں دروازے اور ہزاروں کھڑکیاں ہیں، جس طرف نظر پھیرتا ہوں، اودھر خدا کا جلوہ ہے۔

حب الوطنی شاہ کی شاعری کا موضوع خاص ہے، وہ نئے نئے طریقوں پر اپنے اہل وطن کے قلوب میں محبت و وطن کے چراغ روشن کرنا چاہتے ہیں، مادی کے پردے میں وہ اپنے ہم وطنوں کو حب الوطنی کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اگر میں پردیس میں مر جاؤں تو میری مٹی بیاباؤں میں بستے ہوئے
غریب رشتے داروں کے ساتھ ملانا اور میری میت کو آبائی
وطن کی بارگاہوں سے دھواں دینا۔

وہ اپنے وطن کی بے عمل اور جامد زندگی کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں، اور اس جمود کے طلسم کو توڑنے کے لئے وہ سندھی معاشرے کی ایک قدیم رسم کو تمثیل بنا کر عمل اور حسن عمل کی غیب و دلکش انداز میں دعوت دیتے ہیں۔

تمہیں کاتنے سے ذرا دلچسپی نہیں، سوئی ہوئی کروٹیں بدل
رہی ہو۔ یکا یک عید آئے گی، لوگ نئے کپڑوں سے محرم
رہیں گے، خود تمہارے پاس بھی کپڑے نہیں ہوں گے، جب
تمہاری ہسلیاں تمہیں باہر لے جانے کو آئیں گی۔

گر می سردی میں چلتے رہو، بیٹھنے کا وقت نہیں، کہیں ایسا نہ ہو
کہ اندھیرا ہو جائے، اور محبوب کے قدموں کا شرف حاصل
نہ ہو سکے۔

بارش کی پہلی بوند پڑنے پر اہل سندھ کی زندگی میں جو دلولے اور اُمَنگیں پیدا
ہوتی ہیں ان کی عکاسی شاہ کے قلم نے جس اچھوتے اور انوکھے انداز میں کی ہے
وہ سندھی ادب کا بہترین شاہکار ہے۔ فرماتے ہیں۔

دیکھو لطیف! گھنے بادل نیچے اتر رہے ہیں، اور پانی کی بڑی
بڑی بوندیں پڑنے لگیں، اپنے پیلوں کو باہر نکالو اور میدانوں
کا سُخ کرو۔ یہ وقت مایوس بیٹھنے اور سُستی کرنے کا نہیں۔
نور دیکھو پھوار پڑنے لگی۔

کل رات پدم جھیل پر بارش کے دیوتا نے گڑے کے گڑے
اُٹھیل دیے لیکن وہ جن کے شوہر پردیس میں ہیں، ان بادلوں کو
دیکھ کر غلین ہیں۔

وہ موسم آگیا جب لوگ خوش ہو کر باتیں کرتے ہیں، اور موسیقی
کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ کسان اپنے ہل درست کر رہے ہیں۔
گلہ بان خوش ہیں، اور میرے محبوب نے بارش کی خوشحالی میں
اچھے سے اچھے کپڑے پہنے ہیں۔

جو لوگ قحط کے سہارے پر جیتے ہیں، اور جو لوگ کبھوٹے ہیں،

اُن سے کہو کہ چلے جائیں، گایوں کے گتے بارش کی خبر لا رہے ہیں
تیری رحمت کو اپنے قریب محسوس کر رہے ہیں۔

سادن کی رات آئی، تہقے اور چھپے بلند ہوتے ہیں
کونل کی تیکھی تیکھی کوک فضا کو چیرتی ہے
ہاریوں نے بلی جوت لئے، گئیے خوش ہیں
برکھا کی رات آگئی، خوشی کے چھپے اور میٹھے زمزمے بلند ہوئے
مکے کھن سے بھر پور ہو گئے۔

ایک جگہ وہ راہ محبت کے راہیوں کو عشق کی راہ کی کٹھنائیوں سے واقف
کراتے ہوئے، نہایت ہی شیریں الفاظ میں دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دار اور سولی پر چڑھنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ میرے ساتھ
اگر کسی کو چلنا ہے تو چلے، دار پر جانا تو اُن لوگوں کا کام ہے جو
محبت کا نام لیتے ہیں، سولی عاشقوں کو اپنی طرف بلاتا رہی ہے
اگر تم عشق و محبت کے طالب ہو تو پیچھے مت ہٹو، پہلے سر جن سے
الگ رکھو، پھر محبت کا نام لو۔ سولی اور دار تو درحقیقت شوق
کے لئے باعثِ زینب و زینت اور ہار ہے۔ ہچکچا نایا پیچھے ہٹنا
تو اُن کے لئے ایک عتاب ہے۔ وہ تو بر ملا دار پر آتے ہیں۔
محبت کی راہ و رسم میں قربان ہونا اور سر کا تن سے جدا ہونا عاشق
کا (ادنیٰ کرشمہ) اور ان کی زندگی کا جزوِ لاینفک ہے۔

لے یہ تمام شعرا و نذہ لطیف شائع کردہ حکیمہ اطلاعات سندھ کے مختلف مسلمانوں سے ماخوذ ہیں۔

مخالفین سے حسن سلوک | حلم و عفو کی درویشانہ صفت آپ میں بدرجہ کمال
موجود تھی، خدا کی مخلوق سے عناد رکھنے کو آپ
خلافِ طریقت سمجھتے تھے۔

مرزا مغل بیگ ارغون کی لڑکی آپ سے منسوب تھی۔ لیکن مرزا مغل بیگ
کسی وجہ سے آپ سے انتہائی بغض و عداوت رکھتا تھا۔ جب اس کا انتقال
ہوا تو آپ کے کسی مرید نے آپ کے سامنے اُس کی یہ تاریخ وفات کہی۔

بودخیش

۵۱۲۲۲

آپ نے سنا تو فرمایا کہ ایسا مت کہو، بلکہ کہو۔

یک مغل بر بود

۵۱۲۲۲

وفات | حضرت شاہ عبداللطیف ٹیٹو سال کی عمر میں ۱۱۶۵ھ میں بھٹ
میں واصل الی اللہ ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ تاریخ وفات ان
دو مصرعوں سے نکلتی ہے۔

(۱) گردیدہ محو عشق و وجود لطیف میر (۱۱۶۵ھ)

(۲) شد محو در مراقبہ جم لطیف پاک (۱۱۶۵ھ)

صاحب مقالات الشعراء کا بیان ہے کہ جس روز آپ کا انتقال ہوا آپ کے
بعض مرید اس صدمہ جانکاہ کو برداشت نہ کر سکے اور جان دے دی۔

آپ کا روضہ مبارک کھوڑا خاندان کے چوتھے بادشاہ میاں غلام شاہ
نے ۱۱۵۴ھ میں تعمیر کرایا اور راجہ جیسلمیر نے نوبت نذر کی۔

۱۔ مقالات الشعراء، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ۔ ص ۲۲۹

۲۔ مقالات الشعراء، ص ۲۲۸

۳۔ مقالات الشعراء، ص ۲۲۸

آپ کا عرس ہر سال صفر کے چھینے میں بڑی دھوم سے منایا جاتا ہے۔
فضائل صاحب مقالات الشعراء نے آپ کے محامد و فضائل کا اعتراف
 ان الفاظ میں کیا ہے۔

سید عبداللطیف المعروف "بتارک" از بنا یرکرام میر سید
 عبدالکریم صاحب بلری۔ خانہ خامکار راجہ یار اکر شمار کرامات و
 خوارق عادات آل قطب زمانہ بر روی صفحہ روزگار مثبت نماید
 جناب لطیف شان ہماں و دیں زمانہ آخریں و در تیرہ ولایت عدلی
 نداشتہ۔ چون از آثار کرامات ادوا و اصابت خوارق و می جهان
 مطلع، وہم کی از ہزاراں احوالات دی کتابی علیحدہ خواہ از طول
 کلام اختصار کردہ آمد۔

آنجناب اگرچہ اُتی بودند، اما علم عالم بتمام بر لوح محفوظ دل
 شان مثبت بودہ۔ الحق این بیت قابلِ لائق شانِ شان است
 مؤلفہ :

چو طفلِ غنچہ نادیدہ و بستان
 بر سنی پارہ اسرارِ رحمن

(۳۴)

شاہ فقیر اللہ علوی

نام و نسب | آپ کا اسم گرامی شاہ فقیر اللہ، آپ کے والد محترم کا نام نامی شاہ عبدالرحمن اور آپ کے دادا کا نام شمس الدین تھا۔

شاہ فقیر اللہ کی ولادت باسعادت گیارہویں صدی کے بالکل اوائل میں "روتاس" میں ہوئی۔ آپ کا وطن حصارک و جلال آباد (افغانستان) ہے۔

تعلیم | علوم ظاہریہ کی تکمیل آپ نے افغانستان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کی، اور اپنے تبحر علمی کی بدولت آپ کا شمار اس دور کے ممتاز ترین علماء اور فضلاء میں ہوتا ہے۔

بیعت | علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصہ تک مختلف ممالک کا سفر کرتے رہے اور زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ اسی زمانے میں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت شیخ محمد مسعود دائم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی جو اپنے زمانے کے اکابر اولیاء ہیں تھے، آپ کا سلسلہ طریقت یہ ہے۔

شاہ فقیر اللہ علوی - شیخ محمد مسعود دائم - شیخ محمد سعید لاہوری -

شیخ آدم بنوری - حضرت مجدد سرہندی فاروقی نقشبندی -

سلسلہ نقشبندیہ کے علاوہ طریقہ قادریہ میں بھی آپ نے اجازت حاصل کی۔

قندہار میں قیام | شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصہ تک قندہار میں مقیم رہے۔

قندھار میں آپ نے تعلیم بھی پائی اور خود بھی تعلیم دی۔ قندھار میں اب تک ایک مسجد آپ کے نام سے موسوم ہے۔

شکار پور میں قیام مختلف ممالک کی سیاحت کے بعد، آپ سندھ میں شکار پور (سندھ) میں تشریف لائے۔ سندھ کی سرزمین

آپ کو کچھ اس طرح پسند آئی کہ شکار پور ہی کو آپ نے اپنا وطن بنایا اور یہاں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی جو آپ کے بعد نقشبندیہ کا سلسلہ ایک بڑا روحانی مرکز بنی۔

رشد و ہدایت شاہ فقیر اللہ کی ذات گرامی علم و فضل، زہد و ورع، عرفان و تصوف کا وہ سرچشمہ تھی کہ سندھ، پشاور، لاہور، ہرات

و قندھار سے لوگ آپ کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے، اخلاق کی تعلیم حاصل کرتے اور عرفان کے نور سے منور ہو کر جاتے تھے۔

شاہان وقت کی عقیدت | شاہان وقت آپ کے یہاں حاضری کو اپنے لئے سرمایہ سعادت سمجھتے تھے۔ اس زمانے میں

افغانستان میں احمد شاہ ابدالی برسر اقتدار تھا، قلات میں نصیر خان بلوچ کی حکمرانی تھی، سندھ میں میاں سرفراز خان کھڑا امن و آرائے سلطنت تھا اور مکران میں

محبت خان بلوچ کی حکومت تھی۔ یہ چاروں کے چاروں فرزند آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی بارگاہ کی آستیناں بوسی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے

اور آپ اُن کی ذہنی اور فکری تربیت فرماتے۔

آپ کے مکتوبات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کئی خطوط احمد شاہ ابدالی کے نام لکھے ہیں، جن میں اُس کو حُسنِ خلق، خدا ترسی، اعلیٰ کلمۃ الحق اور

صبر کی نصیحتیں فرمائی ہیں۔ احمد شاہ ابدالی کے وزیرِ عظم شاہ ولی خاں اور ابدالی کے ولیعهد شہزادہ سلیمان کے نام بھی کئی خط ملتے ہیں، جن میں آپ نے ان دونوں

متعدد نصاب اور اخلاقی درس دیئے ہیں۔
 اسی طرح ہمیں آپ کے مکاتیب میں نصیر خان والی قلات، محمد سر فراز خان
 کلھوڑ والی سندھ اور محمد حسن بلوچ والی مکران کے نام بھی آپ کے خطوط ملتے
 ہیں جس میں آپ نے ان کو حق شناسی، مردم پروری، عرفان اور نوکاری کی تلقین
 فرمائی ہے اور بعض عرفان و تصوف کے مسائل کو نہایت واضح اور دلکش انداز
 میں پیش فرمایا ہے۔

علمائے عصر سے تعلقات | آپ اپنے معاصر علماء کی بے حد عزت و توقیر
 فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو افغانستان
 کے بہت سے علماء شاہ صاحب سے غیر معمولی محبت و عقیدت رکھتے تھے، اور
 ان بزرگوں میں آپس میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ جن علماء و اکابر سے
 آپ کی خط و کتابت اور تعلقات تھے، ہم ان میں سے چند کے نام یہاں لکھتے ہیں۔
 (۱) ملا فیض اللہ کاکر قندھاری۔

(۲) ملا عبدالحکیم کاکر جو ناناجی کے نام سے مشہور تھے، اور قندھار کے مشہور
 پیر دل میں تھے۔

(۳) ملا عبد اللہ کاکر۔

(۴) ملا عبد اللہ خرقد پوش قندھاری۔

(۵) ملا صاحب داد۔

(۶) محمد دارت پشاور۔

(۷) ملا صلاح بٹی کوٹی۔

(۸) حاجی مولاداد قندھاری۔

(۹) ملا رحیم داد سنجریل ژروب۔

شاہ صاحب نے ملاجم داد کو قبائل کا کیری ثوب میں الحاد کی تردید اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے مقرر فرمایا۔ انھیں ملاجم داد کی خواہش پر محمد بن محمد بن محمد الجامی المکسی نے ملاحدہ کے رد میں ایک رسالہ لکھا تھا، جس کا ایک قلمی نسخہ علامہ محمد شفیع لاہوری کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ملاجم داد اور محمد بن محمد جانی، شاہ فقیر اللہ کے تبلیغی داعیوں میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

سندھ کے علماء اور صوفیاء میں جن بزرگوں کو شاہ صاحب سے ربط خاص تھا اور جن سے شاہ صاحب کی ملاست رہتی تھی، ان میں مخدوم ملا معین ٹھٹھوی، مولانا مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، سید مرتضائی سیوستانی، شکر اللہ ٹھٹھوی، میاں عبدالرؤف ہالہ کنڈی، سید محمد فاروق لکھوی، محمد میاں عبداللہ لاہوری، محمد صلاح ہالہ کنڈی، تاج محمد خوشنویس ٹھٹھوی، محمد میر داد قاری عرب، قبول محمد، حاجی اسماعیل اور پیر سید محمد راشد ابن سید محمد بقا مشہور ہیں۔

کتب خانہ شکارپور کے دوران قیام میں شاہ فقیر اللہ علوی نے ایک عظیم الشان کتب خانے کی بنیاد رکھی، جس میں متعدد نادر اور نایاب کتب تھیں لیکن افسوس ہے کہ آپ کے بعد پچاس سال ہی میں اخلاف نے اسلاف کی اس گنج گراں مایہ کو تلف کر دیا، جو خدا ہی جانتا ہے کہ کس محنت سے جمع کیا گیا تھا، اب بھی اس کتب خانے کے بعض قلمی نسخے کہیں کہیں نظر آتے ہیں، جامع ترمذی کا ایک قلمی نسخہ جو حرم کعبہ میں بیٹھ کر لکھا گیا تھا اور جس پر متعدد علماء کے اسناد قراءت اجازت ثبت ہیں اور شاہ فقیر اللہ علوی نے بھی اپنے قلم سے اس پر چند سطریں تحریر فرما کر اپنی مہر ثبت کی ہے۔ یہ بیش بہا نسخہ سید حسام الدین صاحب راشدی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

تصانیف شاہ فقیر اللہ علوی نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا جن کی

تعداد ۱۷ ہے، ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں۔

(۱) ”فتح العجیل فی المداہج التکمیل“ یہ کتاب تصوف اور سلوک

میں عربی میں ہے۔

(۲) ”براہین النجات من مصائب الدنیا والعرضات“

(۳) ”فیوض النہیۃ“

(۴) ”طریق الارشاد فی تکمیل المومنین والاولاد“

(۵) ”منتخب الاصول“ (یہ تصنیف اصول فقہ پر ہے)

(۶) ”وثیقۃ الاکابر“ (یہ کتاب عربی میں اسناد علم حدیث پر ہے)

۱۷۲ھ کی تالیف ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود

ہے، جس کا نمبر (۳۷۵) ہے۔ اور ایک قلمی نسخہ حافظ خان محمد صاحب کاکر کے پاس

کوئٹہ میں موجود ہے۔

(۷) ”قطب الارشاد“ بامدارج عالیہ در تصوف و اسرار حروف و اسماء

و اخلاق، یہ کتاب قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ پشاور لائبریری میں

بھی موجود ہے، جس کا نمبر (۹۶۹) ہے۔

(۸) ”فتوحات الغیبیہ فی شرح عقاید الصوفیہ“ (یہ کتاب عربی

میں ہے اور کافی ضخیم ہے، اس کتاب کا موضوع فلسفہ و تصوف و اخلاق اہل طریقت

اور صوفیاء کے عقاید کی توضیح و تشریح ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ محب محترم سید حسام الدین

راشدی کے کتب خانے میں موجود ہے، اور اس نسخہ کو بجا طور پر تصوف کی انسائیکلو

پیڈیا کہا جاسکتا ہے۔

(۹) ”جواہر الادراد“ (یہ کتاب عربی میں ہے)

(۱۰) ”قصیدہ صبر و صبر و صبر“ (یہ وہ قصیدہ ہے جو ۱۲ جمادی الاول ۱۱۶۲ھ

میں شاہ صاحب نے روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عربی میں نظم کیا تھا۔

(۱۱) ”کتاب الازہار فی ثبوت الاثار“ (یہ کتاب عربی میں ہے)

(۱۲) ”فوائد فقیر اللہ“ (یہ کتاب طب اور وظائف پر مشتمل ہے)

(۱۳) ”شرح قصیدۃ بانۃ السعاد“ (اس کی ضخامت تقریباً ۸ صفحات

ہے اور فارسی میں ہے۔)

(۱۴) ”ملفوظات“ (یہ کتاب ۳۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا ایک نسخہ

حافظ خان محمد صاحب کے پاس کونٹہ میں موجود ہے۔)

(۱۵) ”مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی“ (یہ مکاتیب ۳۹۰ صفحات پر مشتمل ہیں

جو آپ نے اس وقت کے جلیل القدر علماء، سیاسی مفکرین اور فرمانروایان وقت کے نام لکھے تھے۔ یہ خطوط تصوف و عرفان، اخلاق و فقہ اور اسرار اسمائے الہی کے باریک

نکات پر مشتمل ہیں۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے شاہ فقیر اللہ کی عیلت، تبحر اور روحانی

افکار و خیالات، اور آپ کی تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیوں کا پورا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے

کھینچ جاتا ہے، اور روحانی تعلیم و تربیت اور صحت فکر کے لئے جو آپ نے سعی فرمائی ہے

اس کا علم ان ہی مکتوبات سے ہوتا ہے اور ہمارے سامنے شاہ صاحب کی زندگی کے علمی

ادنیٰ پہلو اس طرح آتے ہیں کہ وہ آپ کی شخصیت کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ یہ خطوط

عربی و فارسی میں ہیں۔ ان خطوط کو شاہ فقیر اللہ علوی کے ایک ممتاز شاگرد محمد فضل

نے جمع کیا تھا، جن کو آپ نے ان خطوط کے جمع کرنے پر مامور فرمایا تھا، آخر کتاب میں

چند مکتوب آپ کے مرشد حضرت محمد مسعود پشاورمی کے بھی ہیں جو انھوں نے شاہ فقیر اللہ

کے نام تحریر فرمائے تھے۔ مکاتیب کا یہ مجموعہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۶) ”ملفوظات و عملیات“ اس کتاب کا بھی ایک نسخہ حافظ خان محمد صاحب

کے پاس موجود ہے۔

(۱۱) ”شرح ابیات مشکل مشنوی“ (یہ نسخہ ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا

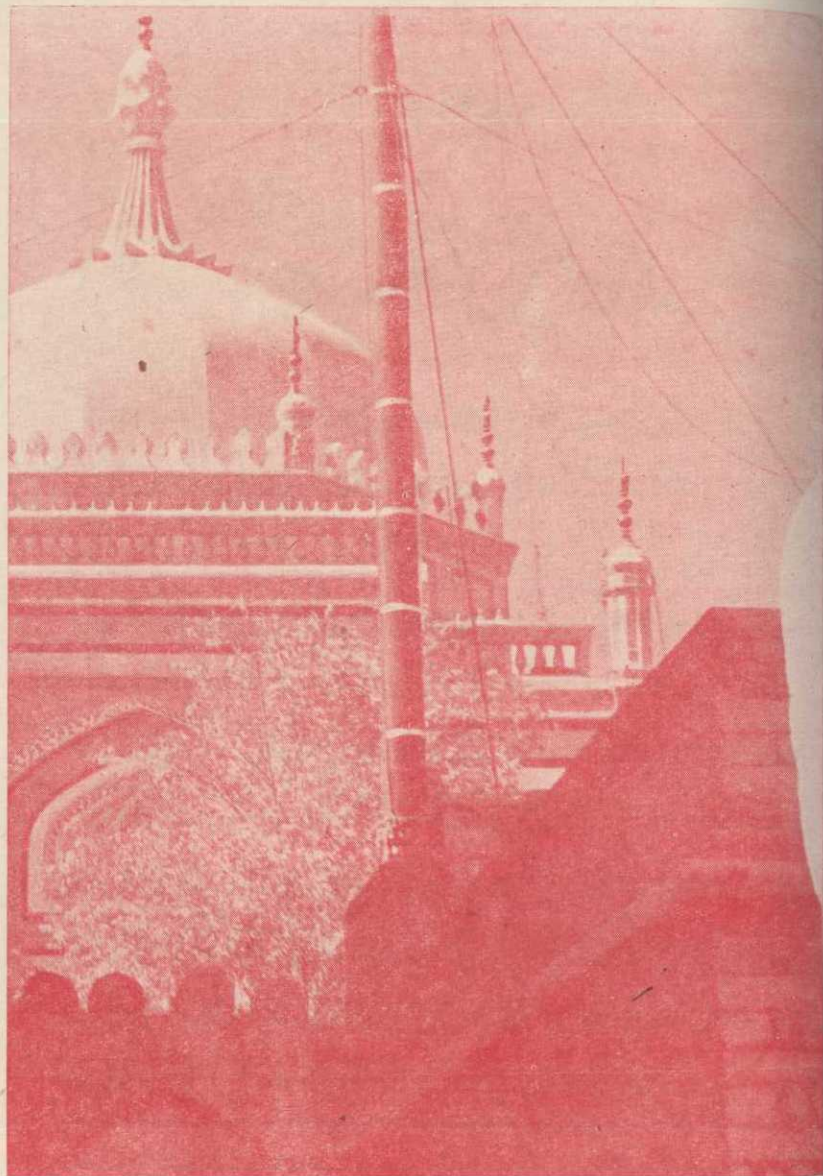
ایک قلمی نسخہ کابل میں پایا گیا۔

حضرت شاہ فقیر اللہ علوی کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی، آپ فارسی، عربی اور پشتو میں شعر کہتے تھے، فارسی میں آپ کا تخلص

شاعری

”فقیر“ تھا۔ ایک غزل ملاحظہ ہو۔

مصدر فیضیہ کہ عالم را تزد تازہ نمود
فی الحقیقت ہست چوں مرآت در جسم شہود
خاک از زبار رخ سلی است اگر بسنگری
قلب دانا را ازیں رہ ہیں در معنی کشود
مے پرست ارے نیا شاید غمی گردد درست
یاد جام مے بیکسر عقل صوفی در ربود
سر منہ چشم عزیزاں است خاک میکده
یادری بخت فیروز است کو ایں کردہ سود
کب اگر تر سازد آں رند خرابانی تبے
جامہ و جاں را نثار جام مے خواہد نمود
مست با عقل آنچنان گردد کہ در روز جزا
چوں زرخ دلبر نباشد دیگرش گفت و شنود
درد می یابد شفا از صدق دل گر مے خورد
درد مندے گر چہ در اراض بس مہول بود



علم فقیہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ
مقبرہ شاہ فقیر اللہ علوی
واقع شکارپور - سندھ

(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

رو بختار آورد آن کو کہ از روزِ ازل

از نقوشِ این دآں لوحِ دل اوساده بود

وفات

۳ صفر ۱۱۹۵ھ کو حضرت شاہ فقیر اللہ علوی دہلی

الہ اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار شکار پور (سندھ) میں

زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۱۔ شاہ فقیر اللہ علوی کے حالات محرمی آقائے حبیبی کے شکر یہ کے ساتھ ان کے
اس مضمون سے ماخوذ ہیں جو رسالہ سروش (فارسی) شمارہ ۲۱ جلد دوم ۱۵/۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء
کو بعنوان شاہ فقیر اللہ جلال آبادی کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

(۳۵)

درویش قطب

ارادت | درویش قطب مخدوم فرخ کے مرید تھے، اور کاہرہ ہیلہ کے رہنے والے تھے۔ اور عجیب و غریب کیفیات و حالات رکھتے تھے۔

بو بک میں تشریف آوری | ایک مرتبہ قصبہ بو بک میں تشریف لائے۔ ایک طالب علم نے اُن سے پوچھا کہ آپ

کس کے مرید ہیں، فرمایا خدا کا، لوگوں کو یہ جواب سن کر بہت غصہ آیا اور وہ ان کو پکڑ کر مخدوم جعفرؒ کے پاس لے جانے لگے تاکہ وہ ان کو سزا دیں۔ جب لوگ انہیں پکڑ رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ میں نے غلط کہا بلکہ خدا میرا مرید ہے، لوگوں کو اور بھی غصہ آیا، لوگ انہیں پکڑ کر مخدوم جعفرؒ کے پاس لے گئے۔ مخدوم جعفرؒ نے اُن سے پوچھا کہ تم یہ کیا کہتے ہو کہ خدا میرا مرید ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں خدا میرا مرید ہے، اس لئے کہ وہ جو کچھ ہمارے حق میں ارادہ کرتا ہے، لامحالہ اس کا ظہور ہوتا ہے، ہمارے پیدا کرنے میں پہلے اللہ کا ارادہ تھا، اور ہمیں اُس کے ارادے

لے وطن کی صراحت دلیل الذاکرین صفحہ ۲۶ سے لی گئی ہے۔

مخدوم جعفرؒ کے والد کا نام مخدوم سید ہاں تھا، مخدوم جعفر جامع کمالات بزرگ اور مخدوم فیج بکری کے ہم عصر تھے۔ کمال اور فضیلت کے اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند تھا، اُن کی تصانیف میں "عجائز الطالبین" مشہور ہے۔ مخدوم جعفرؒ کے دو صاحبزادے تھے مخدوم عبدالغنی اور مخدوم نور الدین، دونوں صاحبزادے صاحب علم و فضل تھے، مخدوم عبدالغنی نے میاں محمد اویا بھٹان کھوڑا کے عہد حکومت میں وفات پائی اور مخدوم نور الدین میاں غلام شاہ کھوڑا کے عہد حکومت میں وفات پائی اور مخدوم نور الدین کا جلد ۳

میں مطلقاً دخل نہیں۔ جو کچھ کرتا ہے، وہ کرتا ہے، اور یوں تو بظاہر میں مخدوم و فرج کامرید ہوں۔

ایک روز کسی شخص نے اُن سے کہا کہ بظاہر تم میں کوئی قابلیت نظر نہیں آتی۔ لیکن تم کہتے ہو کہ خدا تم سے دوستی رکھتا ہے؟ فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ ایک بادشاہ جو ہزاروں صاحبِ جمال و خوبصورت کنیزوں کا مالک تھا، اُس نے ایک غارِ کوب عورت کو دیکھا اور اُس پر عاشق ہو گیا۔ آخر اس کی محبت کی آنکھ نے کوئی خوبی تو اُس میں دیکھی ہوگی۔

وطن و مدفن | ان کے وطن اور مدفن کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا، لیکن سندھ کے صوفیاء کے سلسلے میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔

(۳۶)

حضرت محمد و معل شہباز قلندر سیستانی

نام و نسب | اسم گرامی عثمان تھا۔ لیکن عام طور پر معل شہباز قلندر کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ لقب آپ کو آپ کے مرشد نے دیا تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید کبیر ہے، آپ حضرت امام محمد جعفر صادق کی اولاد سے ہیں، نسب یہ ہے :-

حضرت عثمان مروندی بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن سید نور شاہ
بن سید محمود شاہ بن سید احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید
منتخب بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن امام محمد بن
جعفر صادق علیہ السلام

وطن | حضرت معل شہباز کے آباد اجداد کا وطن مروند تھا۔ جس کو ہند بھی کہتے ہیں یہ مقام ہرات کے قریب افغانستان میں واقع ہے۔

ولادت | مخدوم شہباز قلندر ۳۱۱ھ میں مروندیں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔

۱۔ لب تاریخ سندھ قلمی محو کہ سندھی ادبی بورڈ ص ۸
۲۔ لب تاریخ سندھ ص ۸ موع کوثر ص ۳۳ پر شیخ اکرم نے اس کا نام مرند لکھا ہے اور اس کا جائزہ
دفعہ تہذیب کے قریب بتایا ہے۔
۳۔ لب تاریخ سندھ ص ۸

بیعت | سن شعور کو پہنچنے کے بعد حضرت بابا ابراہیم قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان سے شرف بیعت حاصل کیا، اور ایک سال کی مختلف عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد انوار الہی سے اپنے قلب کو روشن و منور بنا کر بابا ابراہیم سے خلاصہ حاصل کی۔ بہت دن تک آپ شیخ منصور کی خدمت میں بھی رہے۔

سیاحت | اس کے بعد بھی روحانی کسب کمال کے لئے آپ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں گھومتے رہے۔ اور مختلف اولیاء و صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ جن میں حضرت شیخ فرید گنج شکر، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی، حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری خصوصیت کے ساتھ

لے موج کوثر ص ۳۳

لے لب تاریخ سندھ قلمی ص ۵

لے آپ کا نام مسعود، لقب فرید الدین تھا۔ گنج شکر کے لقب سے بھی مشہور ہوئے۔ حضرت گنج شکر کی ولادت ۸۴۷ھ میں قصبہ کنہی وال ضلع ملتان میں ہوئی۔ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے بیعت و خلافت حاصل کی اور ۶۶۲ھ میں آپ نے وفات پائی (بزم صوفیاء ص ۱۲۲)

لے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی، ملتان کے فوج قلعہ کوٹ کٹرہ میں ۸۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔

حضرت شیخ شہاب الدین بہروردی سے بیعت و خلافت حاصل کی اور ملتان میں وطن اختیار کیا اور ۱۲۶۲ھ

میں آپ نے وفات پائی (سنہ ولادت و وفات موج کوثر اور بقیہ حالات بزم صوفیاء سے ماخوذ ہیں)

لے آپ کا اہم گرامی سید جلال الدین۔ لقب مخدوم جہانیاں جہاں گشت تھا۔ صاحب سیر العارفین کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ نے عید کے دن حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے حضرت شیخ علاء الدین اویسی زکریا کے مزارات پر مراقبہ کیا اور مراقبہ میں ان بزرگوں سے عیدی طلب کی تو ان بزرگوں کی طرف سے عیدی نہ

مخدوم جہانیاں کا لقب ملا۔ جب وہاں سے آپ واپس ہوئے تو راستے میں جو کوئی آپ کو ملتا ہے اختیار مخدوم جہانیاں کہہ کر پکارتا تھا۔ مخدوم جہانیاں کے والد کا نام سید احمد بکیر اور دادا کا نام حضرت جلال الدین سرخ بخاری تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں

قابل ذکر ہیں۔ شیخ صدر الدین عارفؒ سے بھی آپ کی ملاقاتیں رہیں۔
خان شہید کی عقیدت | بلبن کا بیٹا خان شہید آپ کا بچہ معتقد تھا۔ خان شہید
 کی بڑی آرزو یہ تھی کہ آپ ملتان میں قیام فرمائیں اور

(بقیہ فٹ نوٹ) کی ولادت فقہائیں مشہور میں ہوئی۔ آپ نے شروع میں تربیت اپنے چچا سید محمد بخاری
 سے حاصل کی۔ پھر اچھکے قاضی علامہ بہار الدین سے ظاہری تعلیم حاصل کی۔ طریقت کی تعلیم پہلے اپنے اپنے
 والد سے پائی۔ پھر حضرت شیخ بہار الدین ذکر یا ملتان کے پوتے حضرت شیخ ابو الفتح دکن الدین کے ہاتھ تربیت
 کی اور انہیں سے خلافت حاصل کی۔ سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام بنکاراؤں کے
 سپرد چالیس خانقاہیں کی تھیں۔ لیکن آپ سب کو چھوڑ کر گج کے لئے روانہ ہو گئے۔ سلطان فیروز شاہ
 بھی آپ کا بچہ معتقد تھا۔ آپ ہی کی کوشش سے سندھ کے سمر خاندان کے بادشاہ جام بانہ اور
 سلطان فیروز کے درمیان صلح ہوئی۔ جس کا حال میں نے اپنی کتاب "سندھ کی تاریخی کہانیاں" میں مفصل
 لکھا ہے۔ مخدوم جہانیاں نے اٹھتر سال ایک ماہ چھبیس روز کی عمر میں مشہور میں وفات پائی۔ آپ کا
 مزار مبارک اچھک میں ہے جو ریاست بھاول پور میں ملتان سے ستر میل کے فاصلے پر جنوب مغرب میں
 واقع ہے۔ (ماخوذ از بزم صوفیاء۔ سید صباح الدین۔ تذکرہ حضرت سید جلال الدین بخاری و تحفہ الکرام جلد ۱ ص ۱۲۳)
 شیخ صدر الدین عارف حضرت بہار الدین ذکر یا ملتان کے فرزند ہیں۔ اپنے والد سے روحانی اور ظاہری
 تعلیم حاصل کی ۶۸۴ھ میں آپ نے ملتان میں وفات پائی و بزم صوفیاء ص ۱۱۹
 لکھ بلبن کا نام غیاث الدین تھا۔ چنگیز خانی حملے میں گرفتار ہو کر بوند میں ایک غلام کی حیثیت سے فروخت
 ہوا اور ایک بزرگ جمال الدین بصری نے اسے خریدا اور تعلیم و تربیت دی پھر بلبن دہلی آیا۔
 اور بہشتی و فراس کی محمدی خدمتوں سے ترقی کرتے کرتے نائب الممالک بن گیا۔ ۷۳۲ھ میں سلطان
 ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد وہ ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ ۷۳۷ھ میں بلبن نے وفات
 پائی۔ (مروج کوثر و تاریخ فیروز شاہی)

لکھ خان شہید کا اصل نام سلطان محمد تھا۔ یہ غیاث الدین بلبن کا بیٹا ہے، خان شہید کی تعلیم و تربیت
 غیاث الدین بلبن نے بہترین طریقے پر کی تھی۔ وہ نہایت ہی قابل مرتاض و جوان تھا۔ حضرت شیخ
 فرید الدین گنج شکر اور حضرت بہار الدین ذکر یا جیسے جلیل القدر بزرگوں کی خدمت میں اس کو تقریباً حاصل
 تھا اور امیر خسرو اور امیر حسن جیسے بزرگ و شاعر اس سے تعلق تھے، باپ کی ساری تمتائیں اسی سے

اس کے لئے اُس نے ایک خانقاہ بھی بنوانا شروع کی لیکن آپ نے ملتان میں قیام پسند نہیں فرمایا۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی خان شہید کے پاس جاتے اور شیخ صدر الدین عارف کی مجلس سماع میں شریک ہوتے تھے۔

سندھ میں تشریف آوری | صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے حضرت بوعلی قلندر کی خدمت میں پہنچے۔

انھوں نے فرمایا کہ ہند میں تین سو قلندر موجود ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ سندھ ہی تشریف لے جائیں۔ اُن کے مشورہ کے مطابق آپ نے سندھ میں پہنچ کر سیوستان میں قیام فرمایا۔

(بقیہ فٹ نوٹ) وابستہ تھیں۔ غیاث الدین نے اسے منگیلوں کی روک تھام پر سفر کیا تھا یہ انھیں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۳۶ و موج کوثر ص ۱۲۷) ملتان ایک قدیم شہر ہے جس کو تعین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کب آباد ہوا۔ مجمع الاسرار میں ہے کہ سام بن زریان اکثر شکار کئے یہاں آتا تھا جہاں اب ملتان آباد ہے۔ اُسے یہ جگہ پسند آئی اور اُس نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ یہاں کی چھینٹ اور صنعت رنگرزی بہت مشہور تھی۔ (ہیئت العالم قلی نحو مصنف شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی ملکہ سندھی ادبی بورڈ و تحفۃ الکرام جلد ۳)

۱۔ شیخ بوعلی قلندر کا نام شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا۔ حضرت امام عظیم ابو حنیفہ کی اولاد تھے۔ شیخ بوعلی قلندر سترہویں پانی پت میں پیدا ہوئے کسی میں علوم غامبرہ کی تکمیل اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے قریب آپ کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا۔ بعد میں آپ پر جذب و سرمستی کی کیفیت طاری ہو گئی اور تمام کتابوں کو دریا میں غرق کر کے جنگل کی راہ لی۔ ۱۳ رمضان ۷۲۲ھ کو وفات پائی اور کرنال میں مدفون ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے اعزہ نے ایک رات آپ کا جد مبارک قبر سے نکال کر پانی پت میں لے جا کر دفن کر دیا۔ (بزم صوفیاء تذکرہ شاہ بوعلی قلندر ص ۲۳۵)

۲۔ سیوستان کو سیون بھی کہتے ہیں۔ یہ سندھ کا بہت قدیم شہر ہے، صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ یہ سہوان نامی ایک شخص کے نام سے موسوم ہے جو سند کی اولاد سے تھا۔ ابتداء یہ شہر ریان اور کے ماتحت رہا۔ بعد میں ٹھٹھہ کے بادشاہوں کی حکومت میں شامل ہو گیا جب شاہ بیگ ارغون نے سندھ کی حکومت حاصل کی تو یہ شہر اُن کے ماتحت آیا۔ لیکن اس نے اس کو ٹھٹھہ سے استغناء علیحدہ کر دیا پھر شاہ حسن

پہلی برکت اتفاقاً سیوستان میں آکر آپ جس محلے میں مقیم ہوئے وہ کسی عورتوں کا تھا۔ اس عارف باللہ کے قدم مہمنت لزوم کا پہلا اثر یہ تھا کہ وہاں زنا کاری اور فحاشی کا بازار سرد پڑ گیا، نیکی اور پرہیز کاری کی طرف قلوب مائل ہوئے اور زانیہ عورتوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی۔

رشد و ہدایت مخدوم شہباز قلندر نے سیوستان میں رہ کر بگڑے ہوئے لوگوں کو سیدھے راستے پر لگایا، اُن کے اخلاق کو سنوارا، انسانوں کے دلوں میں نیکی اور سچائی کی لگن پیدا کی اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے رہنا سکھایا۔

وہ تقریباً چھ سال تک سیوستان میں رہ کر اسلام کا نور سندھ میں پھیلاتے رہے۔ ہزاروں انسانوں نے آپ سے ہدایت پائی اور بہت سے بھٹکے ہوئے لوگوں کا رشتہ اللہ سے جوڑا۔

جذب و سکر آخر عمر میں آپ پر جذب و سکر کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور قلندر مشرب اختیار کر لیا تھا۔ آپ کے قلندروں کو لال شہبازیہ کہتے ہیں۔ صاحبِ موع کوثر شیخ اکرام نے اپنی کتاب میں برٹن کی سٹریٹس آف سندھ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ شہباز قلندر بڑے عالم اور لسانیات اور صرف و نحو میں ماہر تھے۔ چنانچہ برٹن کے زمانے (سلسلہ) میں صرف و نحو کی جو کتابیں مروج تھیں مثلاً میزان الصرف اور صرف صغیر کے متعلق قسم دوم وہ حضرت نعل شہباز قلندر سے منسوب کی جاتی ہیں۔

(بقیہ فٹ نوٹ) ارغون نے اپنی حکومت کے زمانے میں اس کو چھٹھ میں شامل کر لیا۔ عہد اکبر میں جب سندھ مغلیہ حکومت کا صوبہ بنا تو سیوستان کا حاکم علیحدہ مقرر ہوا۔ خدایار خان کھوڑا کے زمانے سے پہلے کی طرح یہ سندھ میں داخل ہے۔
لے حدیقۃ الاولیاء دقلی ص ۱۷۷

مشاعری شعر و سخن۔ بے بھی دلچسپی تھی۔ عثمان تخلص فرماتے تھے صاحب
مقالات الشعراء نے آپ کی ایک غزل نقل کی ہے۔ جو آج بھی
اپنی نظر کے لئے سرمایہ تسکین دل و جان ہے۔ فرماتے ہیں۔

ز عشق دوست ہر ساعت درونِ ندامی رقصم
گہی بر خاک می غلطم گہی بر حسار می رقصم
بیا اے مطربِ مجلس سماعِ ذوقِ راددہ
کہ من از شادی وصلش قلندر واری رقصم
شدم بدنام در عشقش بیا اے پارسا اکنون
غنی ترسم ز رسوائی بہر بازار می رقصم
مرا خلقی بھی گوید، گدا چندیں چہ می رقصی
بدل داریم اسرارے از آں اسرار می رقصم
منم عثمان مروندی کہ یارِ خواجہ منصورم
ملا مت می کند خلقے و من بردار می رقصم

وفات ۱۲۶۷ھ مطابق ۲۱ شعبان ۱۸۵۱ء میں مخدوم شہباز قلندر نے
وفات پائی، اور سیوستان میں آج بھی آپ کا مزار مرجع خاص عام ہے۔
روضہ کی تعمیر فیروز شاہ کی حکومت کے زمانے میں ملک رکن الدین بھٹ
اختیار الدین دہلی سیوستان نے آپ کا روضہ مبارک
تعمیر کرایا۔

اس کے بعد ۹۹۳ھ میں ترخانی خاندان کے آخری بادشاہ مرزا جانی بیگ

۱۲۵۵ھ

۱۲۵۵ھ

ترخان نے آپ کے روضہ کی توسیع و ترمیم کرائی۔
 پھر سنہ ۹۱۹ھ میں مرزا جانی بیگ ترخان کے بیٹے مرزا غازی بیگ نے اپنی
 صوبہ داری کے زمانے میں اُس میں دوبارہ ترمیم کرائی۔

لے مرزا جانی بیگ بن مرزا پایندہ بیگ بن مرزا محمد باقی ترخان سنہ ۹۲۳ھ میں ٹھٹھہ میں تخت نشین ہوا
 یہ ترخان فرماؤ اول میں نہایت ہوشمند اور مدبر فرماؤ تھا۔ سنہ ۹۹۹ھ میں ابرک کے حکم سے عبدالرحیم
 خانخاناں نے سندھ پر حملہ کر کے ترخان کی حکومت کو ختم کر دیا۔ اور سندھ سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ بنایا خان
 ٹھٹھہ کو فتح کر کے مرزا جانی بیگ کو اپنے ساتھ دھلی لے گیا۔ ابرک نے خانخاناں کی سفارش پر مرزا جانی بیگ
 کو منصب پنج ہزاری دے کر ٹھٹھہ کے ساتھ سیوستان بھی اس کی جاگیر میں دے دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ
 جانی بیگ کو حکم دیا کہ وہ چند روز دہلی میں اُس کے ساتھ رہے۔ اس فرمان کے بعد تقریباً آٹھ سال تک
 مرزا جانی بیگ ابرک کے ساتھ رہا۔ سنہ ۹۹۹ھ میں ابرک نے قلعہ اسیر پر چڑھائی کی تو جانی بیگ اس کے ساتھ
 تھا۔ حاکم قلعہ اسیر بہادر خان نے پہلے تو جنگ کی مگر جب شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تو ابرک سے صلح
 کر لی۔ اس صلح کی خبر کو سُن کر بے اختیار جانی بیگ کی زبان سے نکلا۔ بہادر خان بزدل ہے کہ وہ صلح کر رہا ہے
 اگر میں سندھ میں ایسا مضبوط قلعہ رکھتا تو سو برس تک ابرک کی فوجوں کو پریشان رکھتا۔ جانی بیگ کی یہ بات
 ابرک تک پہنچی۔ اُسے یہ سن کر بہت غصہ آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ مرزا جانی بیگ کو اس گستاخی کی سزا دے۔ اور
 مرزا جانی بیگ کو معلوم ہوا۔ وہ بادشاہ کے عتاب سے بچنے کے لئے بھاگنے کی تیاریاں کر رہا تھا
 کہ اچانک سرسام میں مبتلا ہوا۔ اور اسی بیماری میں وفات پائی۔ اس کی لاش ٹھٹھہ لائی گئی اور سکلی کے
 قبرستان میں دفن کی گئی۔ (معصومی ص ۲۴ تا ۲۵) ولپ تاریخ سندھ قلمی محکمہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد
 و ذخیرۃ انجمن قلمی محکمہ سید حسام الدین صاحب راشدی۔)

لے مرزا غازی بیگ بن مرزا جانی بیگ ترخان سنہ ۹۱۹ھ میں بادشاہ ابرک کی جانب سے سندھ کا گورنر
 مقرر کیا گیا۔ اس وقت مرزا غازی بیگ کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ مرزا غازی بیگ نے اخوند ملا سحاق بھکری
 سے تعلیم حاصل کی تھی۔ غازی بیگ نہایت فہیم، مدبر، عالم اور شاعر تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے
 علماء اور شعرا جمع رہتے تھے۔ طالبِ آملی، طامش، بروجردی، ملا اسد قصبہ خواں اور میر نعمت دہلوی جیسے
 بالکل اس کے دربار کی رونق تھے۔ غازی بیگ خود بھی شاعر تھا۔ وقاری تخلص کرتا تھا۔ اُس نے تقریباً

فضائل | صاحبِ حلیۃ الاولیاء نے آپ کے محامد و اوصیات اور اخلاقِ عالیہ کو
حسب ذیل اشعار میں نظم کیا ہے :-

شاہِ بازِ نشین لاہوت	شاہ اورنگ خطہ ملکوت
اہلِ دل عارف معارف حق	صاحبِ وجد و تارکِ مطلق
شاہِ عثمان، شاہِ بازِ لقب	اثرِ الذات ہم شریفِ نسب
بحرِ عرفان کنوزِ دانائی	مہرِ ایقان چسراغِ بینائی
مستِ خم خانہٴ محبت شوق	بہلِ گلستانِ عالمِ ذوق
صاحبِ حال و کاملِ ابدال	محرمِ خلوتِ حریمِ مثال
چندازِ روضہ اش بہ سیوتاں	عطرانِ ناز چو روضہٴ رضاں
فیضِ افزائے گنبدِ پُر نور	چو حبابی ز چشمہٴ کافور
بلکہ خود باغبانِ صنعِ ازل	چیدہ آورہ از ریاضِ اہل
گلِ صبرِ برگِ تازہ تر از جاں	کشِ نسا زوزِ بون دستِ خزاں
گنبدی نہ کہ روضہٴ زیہشت	مشک با آب و طینتِ بسرشت

(بقیہ فٹ نوٹس) پانچ ہزار شعر فارسی میں کہے۔ سلطانہ میں اکثر وفات پائی اور جہانگیر تخت نشین ہوا
تو وہ بھی مرزا غازی کو بچہ عزیز رکھتا تھا۔ جہانگیر نے اپنے عہدِ حکومت میں مرزا غازی کو منصب ”دواؤ
ہزاری“ سے سرفراز کیا اور ساتھ ہی سندھ کی گورنری کے ساتھ قندھار کی گورنری بھی اس کو عطا کی۔ سلطانہ
میں جب کہ مرزا غازی بیگ کی عمر ۲۱ سال کی تھی۔ اس کے ایک غلام عبداللطیف نے بہانی خان ولد
خضر و خان کے اشارے پر زہر دے دیا۔ اُس وقت مرزا غازی قندھار میں تھا۔ قندھار سے اس کی لاش
ٹھٹھ لائی گئی اور کھلی کے قبرستان میں اپنے والد مرزا جانی بیگ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اُس کا ایک شعر
ہم بخونستانِ نقل کرتے ہیں :-

بزمِ عشق است ”دقاری“ بابِ بایں بود کہ در آن جز بلب زخمِ تکلمِ کفر است
مقالاتِ اشعارِ بضمنِ دقاری و تحفۃ الکرام جلد ۳

خاک آن آستان قبلہ نشاں سرمہ بینش عیونِ شہاں
 فیض فایض زبام و دربارش نور رخشاں ز چار دیوارش
 شب چواجرام در وی افزاں شمع و قندیل مشعل تاباں
 نازانِ حریمِ حرمت او میرسد فوج فوج از ہر سو
 دہد از جود قلزمِ عمان سلاطین را پُر از گہر و اماں
 ہر کس را بوقفِ خواہش دل گشتہ بے شبہ مدعا حاصل
 ہر کہ باغم ہم آشیانہ بود خستہ دشتِ زمانہ بود
 چوں ز اخلاص می نہد قدمے اندر آں پاک محترم حرے
 یابد از غم نجات فیروزی سودش راحت و فرج روزی
 آستانش کہ ہست خلد مثال ہست محطِ قوافل ابرار
 برد از خوان جود از کم و بیش ہر کس در خود عقیدہ خویش
 ہست در بار او چو قلزمِ زرف ہر کس راست بہرہ در خود ظرف
 کس نگشت از فوالِ شان محروم برد البتہ حصہ مقوم
 تا قیامت بود چنیں روشن شمع تابان او بوجہ حسن
 نہ پذیرد ز صرصر دوراں انطفائے بہر بیج وقت او آں
 فیض در بار او باستقلال بچنیں بود و ہم بود لازال

دہمدم رحمت خداوندی

باز بر روح شاہ مروتی

(۳۷)

قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسین

معروف بہ

پیر مراد

نام و نسب و خاندان | حضرت پیر مراد کا اصل نام محمد حسین، لقب سید مراد آپ کے والد کا نام سید احمد ہے، آپ کا سلسلہ نسب بیسویں پشت میں حضرت امام موسیٰ کاظم سے جا ملتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سید محمد حسین بن سید احمد بن سید محمد شیرازی بن سید محمود بن سید محمد بن شاہ محمود بن سید ابراہیم بن سید قاسم بن سید زید بن سید جعفر بن شاہ حمزہ بن شاہ ہارون بن سید عقیل بن سید اسماعیل بن سید علی اصغر بن سید علی جعفر بن سید محمد بن سید علی نقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔

سب سے پہلے آپ کے دادا سید محمد حسینی سلطان مبارز الدین بن مظفر الدین (۱۳۱۵ھ - ۱۳۶۵ھ) کے زمانے میں شیراز سے سندھ آئے۔ سید محمد کا ابتدائی دودھ سیون میں ہوا۔ اور آپ وہاں حضرت قلندر شہباز کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

ولادت آپ کی ولادت ۱۳۱۵ھ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی بزرگی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش سے پہلے سندھ کے مشہور بزرگ پیر گنج بخش عیسیٰ لنگوی اور بعض دوسرے اولیاء اللہ نے آپ کی پیدائش کی

خوشخبری دی، اور آپ سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔

مشہور ہے کہ جب حضرت پیر مراد پیدا ہوئے تو آپ آنکھ نہیں کھولتے تھے۔ شیخ عیسیٰ لنگوٹی کو خبر ہوئی، وہ آپ کے گھر تشریف لائے اور آپ کو دیکھا۔ آپ کے دیکھتے ہی حضرت پیر مراد نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ فرمایا، بات یہ ہے کہ میں ایک مدت سے ان کی مریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ آج مرید نے اپنی مراد کو پایا۔

تبلیغ دین جب حضرت پیر مراد کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو آپ نے بزرگوں کے طریقے کے مطابق بیعت لین شروع کی۔ آپ کی بزرگی، نیکی اور عبادت کو دیکھ کر دور دور سے لوگ اگر آپ سے بیعت ہوتے تھے، یہاں تک کہ آپ کی پرہیزگاری، عبادت گزاری اور دینداری کے چرچے دوسرے شہروں میں پھیلے۔ اُس زمانے کے مشہور بزرگ حضرت شیخ صدر الدین جو کہ حضرت بہار الدین زکریا ملتانی کے نواسے تھے جب ان کو اس کی خبر ہوئی کہ ٹھٹھہ میں ایک بزرگ پیدا ہوئے ہیں، اور اُن کی بزرگی کی شہرت سارے سندھ میں پھیلی ہوئی ہے، تو آپ نے اپنا ایک خادم حضرت پیر مراد کو طلب کرنے کے لئے بھیجا، اور اس کے ساتھ دودھ سے مٹھہ تک بھرا ہوا ایک پیالہ بھی روانہ فرمایا، شیخ صدر الدین کا مطلب اس دودھ کے بھرے ہوئے پیالے کے بھینچنے سے یہ تھا کہ جس طرح کہ یہ پیالہ دودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس میں کوئی اور دوسری چیز نہیں سما سکتی، اسی طرح سندھ میں بھی ہمارے سلسلے کے سوا دوسرے کسی سلسلے کی گنجائش نہیں۔ آپ کا یہ خادم دودھ کا یہ پیالہ لے کر ملتان سے ٹھٹھہ اس حال میں پہنچا کہ پیالے میں جو دودھ تھا وہ اُسی حالت میں تھا اور اس میں ذرا سا بھی تغیر نہیں ہوا تھا، اور نہ اُس میں سے ایک قطرہ گرا تھا۔ جب یہ خادم حضرت پیر مراد کی خدمت میں پہنچا تو اُس نے حضرت

شیخ صدر الدین کا پیغام پہنچا کر دودھ کا وہ پیالہ بھی پیش کیا۔ حضرت پیر مراد نے اپنی جاننا کے نیچے سے چند کلیاں نکال کر اُس پیالے میں ڈال دیں اور فرمایا کہ اسے لے جاؤ۔ اس آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح اس پیالے میں ان کلیوں کی گنجائش اب بھی ہے، اسی طرح اس ملک میں ہمارے سلسلے کے لئے بھی جگہ خالی ہے۔ پھر فرمایا کہ شیخ صدر الدین سے عرض کر دینا کہ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد سے ہیں اور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ روزانہ بلا ناغہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور تاج بھی کبھی آپ کے پاس تشریف لے جلتے تھے، اس لئے بجائے میرے آپ کا یہاں تشریف لانا مناسب ہے۔ خادم یہ جواب لے کر ملتان واپس ہوا اور جو جواب حضرت پیر مراد نے دیا تھا بجنسہ حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں عرض کر دیا، اسی کے ساتھ وہ پیالہ بھی پیش کیا جس میں حضرت پیر مراد نے چند کلیاں ڈال دی تھیں۔ شیخ صدر الدین نے دیکھا کہ اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی وہ کلیاں اسی طرح تروتازہ تھیں اور ذرا بھی نہ مُر جھائی تھیں۔ پیر مراد کی اس کرامت کو دیکھ کر حضرت شیخ صدر الدین بہت متاثر ہوئے اور آپ حضرت پیر مراد کی ملاقات کے لئے ملتان سے ذرا ٹھٹھہ تشریف لائے اور آپ سے نہایت خلوص و محبت سے ملے۔

مراد کا لقب | تذکرہ نویسوں نے آپ کے لقب مراد کے سلسلے میں لکھا ہے، کہ ایک دفعہ حضرت صدر الدین اور حضرت پیر مراد نماز جمعہ کے ادا کرنے کے لئے ٹھٹھہ کی مشہور مسجد کلاں میں جو مسجد ولی نعمت کے نام سے موسوم ہے تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک مری ہوئی بلی پڑی تھی، شیخ صدر الدین نے اس بلی کو دیکھ کر قَسَمِ بَازِیْنِ اللہ یعنی اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا کہا۔ وہ اسی وقت کھڑی ہو گئی۔ پیر مراد نے شیخ صدر الدین کی اس کرامت کو دیکھا اور خاموش ہے

یہاں تک کہ دونوں کے دونوں مسجد میں تشریف لائے۔ اتفاقاً اُس دن کسی مُسافر امام صاحب نہ آ سکے، دیر تک لوگ اُن کا انتظار کرتے رہے۔ جب نماز کا وقت تنگ ہونے لگا، حضرت پیر مراد نے اپنے خادم سے کہا جاؤ اور راستے میں جو بھی ملے اُسے لے آؤ۔ خادم گیا، مسجد سے نکلتے ہی اُس کی نظر سب سے پہلے ایک بوڑھے برہمن پر پڑی، خادم نے اُس سے کہا کہ تمہیں قطب زماں حضرت پیر مراد بلا رہے ہیں۔ برہمن فوراً ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت پیر مراد جو ہمیشہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتے تھے، آپ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی اور اُس برہمن کی طرف ایک نظر ڈالی، نظر کا پڑنا ہی تھا کہ برہمن نے اسی وقت اپنے جینو کو توڑ ڈالا اور مسلمان ہو گیا۔ خطبہ اور نماز جمعہ کے ادا کرنے کے بعد اسی برہمن نے منبر پر کھڑے ہو کر بسم اللہ کے چودہ طریقے پر معافی اور مطالب بیان کئے اُس وقت حضرت پیر مراد نے شیخ صدر الدین سے فرمایا، دیکھئے مُردوں کو زندہ کرنا بدعت ہے، لیکن دلوں کو زندہ کرنا اور نورِ ایمان سے منور کرنا بزرگوں کی سنت ہے۔ شیخ صدر الدین نے کہا بیشک آپ ہمارے مشائخ کی مراد ہیں، اور آپ سے مراد یہ حاصل ہوں گی۔ اُسی وقت سے آپ ”پیر مراد“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

مسجد صفہ کی تعمیر مٹھہ میں ستمہ خاندان کے چوبیسویں بادشاہ جام نظام الدین کے دیدار لکھی مل کا ایک بُت خانہ تھا۔ حضرت سید مراد

نے اُس کو مسجد بنانا چاہا۔ لکھی مل نے آپ کی مخالفت شرع کی اور جام نظام الدین کے سامنے استغاثہ پیش کیا کہ پیر مراد میرے بُت خانے کو مسجد بنانا چاہتے ہیں، جام نظام الدین نے اُس کے استغاثے کی بناء پر سخت غصہ میں آکر اپنے بھانجے جام مارک

لہ جام مارک نے حضرت پیر مراد شیرازی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور حضرت پیر مراد نے آپ کو پیر الہ کا خطاب دیا۔ البکہ معنی ہیں مطیع۔ ان تفصیلی تذکرہ تحفۃ الطاہرین و تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴ پر موجود ہے۔

کو آپ کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کو مسجد بنانے سے روک دے، جام مارک جیسے ہی آپ کی خدمت میں پہنچا، آپ کی ایک نظر اس پر پڑتے ہی اس کے خیالات کی دنیا بدل گئی اور وہ آپ کے مریدوں میں شامل ہو کر فقراء میں داخل ہو گیا۔ جام نظام الدین کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک مصاحب شیخ نھڑی کو روانہ کیا کہ وہ آپ کو اس سے باز رکھے۔ شیخ نھڑی بھی آپ کی خدمت میں پہنچے ہی آپ کے زمرہ عقیدہ متذلل میں شامل ہو گیا، جام نظام الدین یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جو وہاں جاتا ہے آپ کا ہو جاتا ہے اب کی مرتبہ اُس نے اپنے دوسرے مصاحب شیخ مالہ کو روانہ کیا، لیکن وہ بھی آپ کے مریدوں میں شامل ہو گیا، اس کے بعد جام نظام الدین سمجھ گیا کہ آپ کی مخالفت فاصل ہے، وہ خود عقیدہ متذلل حاضر ہوا اور اپنی غلطی کی معافی چاہی اور تعمیہ مسجد میں آپ کو ہر قسم کی مدد ہم پہنچائی۔

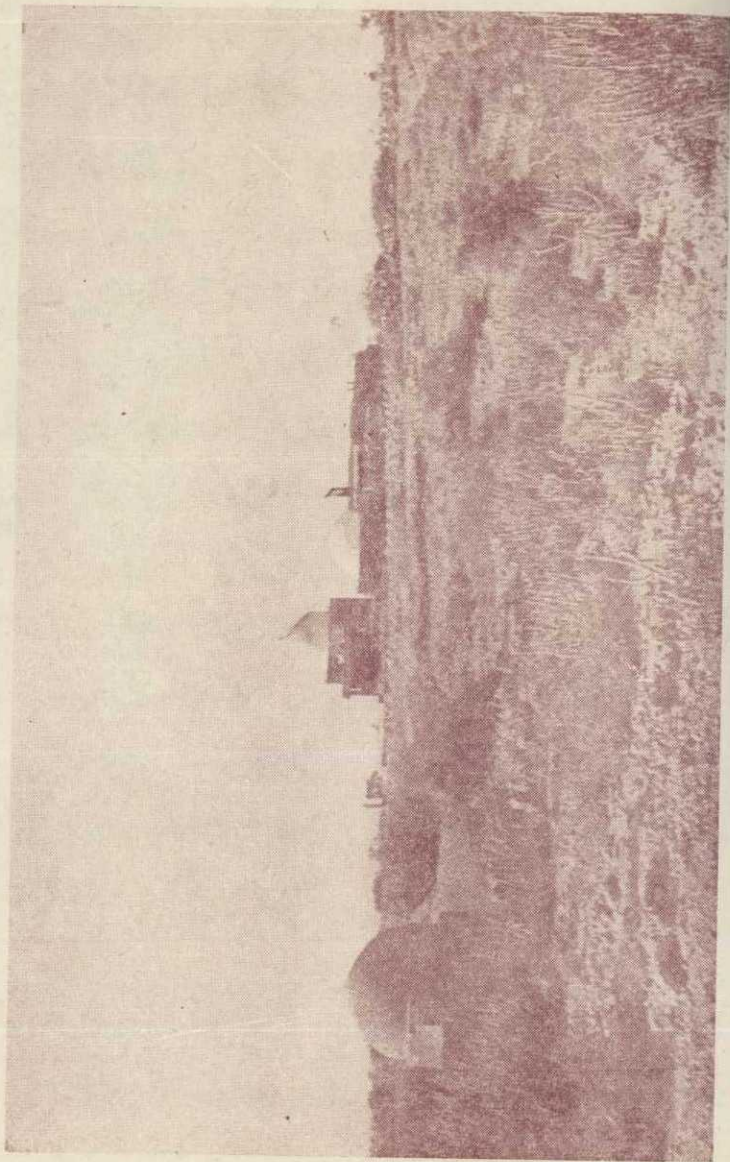
تبلیغی کوششوں کے ثمرات | تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ تقریباً بارہ ہزار آدمی آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور فسق و فجور سے تائب ہوئے۔ ان میں سے تقریباً پانچ سو افراد ایسے تھے، جو درجہ ولایت پر فائز ہوئے۔

وفات | ۸۹۳ھ میں حضرت سید پیر مراد واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مگلی میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

شیخ نھڑی نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور درجہ ولایت پر فائز ہوئے۔ شیخ نھڑی کا تفصیلی تذکرہ تحفۃ الطاہرین ص ۱۳۱ پر ملتا ہے۔

لے سید مراد کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے یکم ربیع الاول بعض نے ۲ ربیع الاول بعض نے ۸ ربیع الاول آپ کی تاریخ وفات لکھی ہے۔ لیکن صاحب معارف الانوار نے ۱۲ ربیع الاول ۸۹۳ھ آپ کی تاریخ وفات لکھی ہے اور یہی روایت صحیح ہے۔ سنہ وفات ساجد اذوالصاغر سے نکلتا ہے۔ (حواشی مگلی نامہ مرتبہ سید حسام الدین راشدی شائع شدہ رسالہ مہراں سندھی ادبی بورڈ نمبر ۱۲ جلد ۱۹۵۶ء)

فقیر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقیر ہے میروں کا میر فقیر ہے شاہوں کا شاہ



شاہ مراد شیرازی کا قبرستان

(پشکریہ سندھی ادبی فورڈ)

نماز جنازہ

سید مراد کی نماز جنازہ سندھ کے فرمانروا جام نظام الدین نے پڑھائی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کے صاحبزادے سید منصور نے آپ کے جنازے کی نماز کی امامت کی اور اپنے والد کی پاننتی دفن کئے گئے۔

خلفاء آپ کے خلفاء میں حضرت سید علی کلاں شیرازی جو آپ کے حقیقی بڑے بھائی بھی تھے۔ سید جلال بن سید علی کلاں، شیخ ابوالہ، شیخ حاجی محمد حسین صفائی، شیخ احمد خان ناہیو، شیخ مالہ، شیخ نھڑ اور شیخ عیسیٰ لنگوٹی مشہور ہیں۔

فضائل سید عبدالقادر بن ہشتم حسینی صاحب حدیقۃ الاولیاء نے پیر مراد کے حماد و اوصاف کو ایک نظم میں منظوم کیا ہے جس کے چند شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں :-

ملک سیرت آں پیر سید مراد	خجستہ لقا و مبارک نہاد
فروزاں چراغی ز آں رسول	گل گلشن مرتضیٰ و بتول
سراپردہ قرب حق منزلش	محل فیوضات فیبی دلش
سر حلقہ جمع قدوسیایں	شناسائی اسرار رُوحانیایں
انیس سراپردہ وجد و حال	جلیس دربار گاہ وصال

جام نظام الدین ننداسہ خاندان کا بادشاہ ہے جو ۸۲۶ھ میں الاول ۱۱۶۶ھ کو جام نجر کی وفات کے بعد سندھ کے سلطانیت سندھ ہوا۔ یہ اپنے اخلاق و کردار، تقویٰ اور پرہیزگاری، علم و فضل کے اعتبار سے سندھ خاندان میں سب سے بہترین بادشاہ تھا، اسی کے آخری زمانے میں شاہ بیگ ارغون نے سندھ پر حملہ کیا۔ جام ننداسہ نے اس کے مقابلہ کے لئے لشکر بھجوا یا جو شاہ بیگ ارغون کی فوج سے بڑی شجاعت و دیرری کے ساتھ لڑا، اور اس لڑائی میں شاہ بیگ ارغون کا بھائی مارا گیا۔ شاہ بیگ شکست کھا کر قندھار لوٹ گیا، اور جام نظام الدین ننداسہ کی زندگی میں اس کی جرات نہ ہوئی کہ وہ دوبارہ سندھ کا رخ کرے۔ جام نظام الدین نے ۸۹۶ھ میں وفات پائی (معصومی و حواشی مکی نامہ)

زخندان شوق سرمست بود	ز خود نیست با حق همه هست بود
غریبی فرورفته در یامی عشق	حریقی شدار تجلای عشق
حقائق شناس مقالات بود	خداوند کشف و کرامات بود
بسی طالبان را ز فیض نظر	شده جانب وصل حق راه بود
بسی را بارشاد تلقین نمود	سوی مقصد دین رهش برکشود
زهی آستانش سرت مندا	زمرآت دل زنگ غفلت زدا
مزار شریفش که در مکی است	زمرآت دل زنگ غم منجی است
فزای سرانش فرح بخش روح	صفای درش مایه صد فتوح
غبار مزارش چو کحل لبصر	فزائیده روشنی در نظر
زار باب حاجت هزاران هزار	رسد در مزارش بلیل و نهار
کشد هر کسی در خود اعتقاد	در آغوش و صلت عروس مراد
کسی گو بیای درش سر نهد	گل کام دل را بسر بر نهد
در آستانش که بس دلگشا است	کلید کاشانده کارها است
خدا یا برین خاک پاک مزار	سحاب ز باران رحمت ببار

برین مستمند دل آواره
ز فیض عیش رسا بهره

(۳۸)

شیخ موسیٰ آمیدانی

حالات شیخ موسیٰ آمیدانی کے آباء و اجداد ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ یہ خود سلطان علاء الدین کے زمانے میں سندھ تشریف لائے۔ عارف کامل اور صاحبِ باطن بزرگ تھے۔ اہل سندھ نے آپ کے فیوض و برکات سے کافی استفادہ کیا۔ آپ نے سندھ ہی میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پُر انوار نہر ساگر کے کنارے واقع ہے۔

(۳۹)

سید شاہ مسکین

نام و حالات آپ کا اسم مبارک شاہ مسکین تھا، ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے آپ کا شمار ٹھٹھہ کے اولیائے کبار میں ہوتا ہے۔ صاحبِ تحفۃ الطاہرین نے آپ کے مراتبِ عالیہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

آن شہبازِ فضا لاہوت، یکہ تازانِ میدانِ جبروت، سرِ دفترِ اولیاءِ کبار، سالارِ قافلِ ابرار، صاحبِ مناقبِ علیہ، منظرِ کراماتِ جلیہ، گلِ دستہٴ بوستانِ اصطفاء، گلِ سرسبزِ حدیقہٴ ارتضاء، شہسوارِ مضارِ معرفت و یقین یعنی سید شاہ مسکین علیہ الرحمہ۔

علوئے مرتبت | ٹھٹھہ کے مشہور صوفی و درویش میاں ابوالقاسم نقش بندی سید شاہ مسکین کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ٹھٹھہ کے قبرستان میں جتنے اولیاء اللہ آرام فرماتے ہیں، اُن میں جوشانِ سید شاہ مسکین کی ہے کوئی دوسرا اُن کی ہمسری نہیں کرتا۔

عبادات | عبادات میں وہ ذکرِ الہی، وظائف اور درود کو بجز پسند کرتے تھے۔ آپ کا تمام وقت انہیں عبادات میں صرف ہوتا تھا۔ خود بھی کثرت سے جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے تھے، اور درود بھیجنے والے کو بجز عزیز نہ کہتے تھے۔

رشد و ہدایت | آپ سے بہت سے لوگوں نے تزکیہٴ باطن اور تربیتِ روحانی حاصل کی۔ اُن میں سے خاکی شاہ بہت مشہور ہیں۔ خاکی شاہ کی عمر کا بڑا حصہ آپ کی

خدمت اور ارادت میں گذرا۔

۹۶۳ھ میں مرزا عیسیٰ ترخان کے عہد میں پرتگیزیوں کی اُس یلغار
شہادت میں جو انھوں نے ٹھٹھہ پر کی تھی۔ آپ نے شہادت پائی۔ آپ کا
 مزار محلہ غلہ بازار ٹھٹھہ میں اپنے مرشد کے متصل واقع ہے۔

اُسے مرزا شاہ حسن ارغون کی وفات کے بعد بالائی سندھ کی حکومت سلطان محمود کو ملی اور زیریں سندھ پر
 مرزا عیسیٰ ترخان بادشاہ ہوا۔ سلطان محمود کا دار الحکومت بھکر اور مرزا عیسیٰ ترخان کا دار السلطنت
 ٹھٹھہ قرار پایا۔ ان دونوں حکومتوں کے قائم ہونے کے بعد دونوں میں اختلافات پیدا ہوئے اور فوجیت
 لڑائی تک پہنچی۔ ۹۶۳ھ میں مرزا عیسیٰ ترخان اپنی فوجیں لے کر بھکر کی طرف بڑھا۔ اُس نے اپنی امداد
 کے لئے گواسے پرتگیزیوں کو بھی بلوایا تھا۔ ابھی وہ پہنچنے بھی نہ پہلے تھے کہ مرزا عیسیٰ بھکر روانہ ہو گیا
 اُس نے بھکر کا محاصرہ کیا۔ سلطان محمود قلعہ بند ہو گیا۔ یہ محاصرہ تقریباً پندرہ روز رہا۔ فریقین میں معمولی
 معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ابھی مرزا عیسیٰ بھکر ہی میں تھا کہ پرتگیزی فوجیں ٹھٹھہ پہنچیں، انھوں نے
 دیکھا کہ مرزا عیسیٰ جا چکا ہے، اور انھیں اب جنگ کے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے انھوں
 نے ٹھٹھہ ہی کو ٹٹنا شروع کر دیا۔ قتل عام کیا اور اس کے بعد شہر میں آگ لگا دی۔ جس سے شہر
 کی شاندار عمارتیں جل گئیں۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ مرزا عیسیٰ کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ محاصرہ چھوڑ کر
 ٹھٹھہ آیا۔ سلطان محمود اس کا پیچھا کرتے کرتے سیوستان تک آیا۔ لیکن اس زمانے کے ایک
 بزرگ بیرکلاں نے دونوں کے بیچ میں چڑ کر صلح کرادی۔

پرتگیزیوں نے اس قتل و غارت گری میں جن مساجد میں مسلمانوں کو شہید کیا وہ ان مساجد کے
 سامنے ہی دفن کئے گئے۔ اس طرح ٹھٹھہ میں پانچ گنج شہیدیاں موجود ہیں۔
 (ماخوذ از حاشیہ تحفۃ الطاہرین مرتبہ آغا بدر عالم ص ۱)

(۴۰)

سید میر کمال

نام و نسب اسم گرامی سید میر تھا۔ کربلا کے سادات کے خاندان سے تھے۔ ترک وطن کر کے جب آپ قندھار تشریف لائے تو وہاں کے مشہور بزرگ میر شیر قلندر کے مزار پر حاضر ہوئے اور قندھار ہی میں سکونت اختیار کر لی۔

سندھ میں تشریف آوری شاہ بیگ ارغون کے سندھ فتح کرنے کے بعد آپ قندھار سے سندھ تشریف لائے۔ اور سیستان کے قرب و جوار میں آپ مقیم ہوئے۔

حضرت شہباز قلندر کی عقیدت سندھ کے مشہور شیخ حضرت شہباز قلندر سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔ اور آپ کے وقت کا بڑا حصہ حضرت شہباز قلندر کے مزار مبارک پر عبادت و ریاضت میں گزارتا تھا۔

لے میر شیر قلندر کا اصل نام سید محمد تھا۔ بچپن ہی سے آپ کو ریاضت و عبادت الہی کا شوق تھا جس کی وجہ سے آپ بہت جلد تصوف و درویشی کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے میر شیر قلندر آپ کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک دفع آپ اپنی بیعت بدل کر شیر کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے اس وقت سے آپ شیر قلندر کے لقب سے مشہور ہو گئے میر شیر قلندر نے عاشورہ کے روز ۱۳۳ھ میں وفات پائی آپ کا مزار موضع اشکچیم واقع ہے قندھار سے سمت مغرب میں اس میں واقع ہو و محسوس ۱۳۳ھ

زہد و عبادت | ساری عمر زہد و عبادت میں بسر کی۔ یہاں تک کہ لوگ اُن کے زہد و عبادت کو دیکھ کر کہتے تھے کہ اس زلمے میں سید میر کے زہد و عبادت کی نظیر نہیں ملتی۔

فقراء و مساکین کا خیال | فقراء و مساکین کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ جو بھی فقیر و مسکین آپ کے پاس آتا محروم نہ جاتا۔

وفات | تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنہ وفات نہیں لکھا۔ لیکن آپ کا شمار مرزا شاہ حسن ارغون کے ہم عصروں میں کیا جاتا ہے قیاس چاہتا ہے کہ دسویں صدی ہجری کے آخر میں آپ نے وفات پائی ہوگی۔ کیونکہ غوث شاہ حسن ارغون نے ۹۶۲ھ میں وفات پائی ہے۔

اولاد | کثیر الاولاد تھے۔ میر معصوم بھگتری مصنف تاریخ معصومی انہیں کی اولاد سے ہیں۔

(۴۱)

شیخ میر محمد

مشہور بہ

میاں میر

نام۔ نسب۔ وطن | شیخ میر محمد تام، کینٹ میاں میر ہے۔ سیوستان آپ کا وطن تھا۔ آپ کے والد کا اہم گرامی قاضی سائیند نہ

بن قاضی قلندر اور والدہ محترمہ کا نام بی بی فاطمہ بنت قاضی قازن تھا۔ داراشکوہ نے اپنی کتاب سیکنتہ الاولیاء میں آپ کا سلسلہ نسب اس طرح مندرج کیا ہے۔

والد قاضی سائیند نہ | والدہ بی بی فاطمہ بنت قاضی قازن

قاضی بونی قاضی عثمان قاضی طاہر | بی بی جمال خاتون میاں میر چاٹ مانی

(موتی ۱۰۵۷ھ)

محمد شریف

(موتی ۵ رجب ۱۰۶۵ھ)

(جو میاں میر کی وفات کے بعد ان کے پہلے سجادہ نشین ہوئے)

سلطہ سیوستان کو سیوان اور سہوان بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت قدیم شہر ہے جو سند کی اولاد سہوان کے نام سے موسوم ہے۔ یکیشہر اس وقت ضلع داؤد میں واقع ہے۔ (تختہ الاکرام) سلطہ سیکنتہ الاولیاء داراشکوہ کی تصنیف ہے جو اس نے میاں میر اور ان کے مریدین کے حالات میں مسطورہ میں لکھی اور اس کا اردو ترجمہ مسطورہ میں لاہور سے شائع ہوا۔ سلطہ فٹ فوٹ مقالات اشعار مطبوعہ صدیقی ادبی بورڈ مرتبہ حیدرآباد صاحب راشدی سلطہ بعض نقادری۔

میان میر خاندانی اعتبار سے فاروقی ہیں۔ آخر میں آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد قاضی سائینہ اپنے علم و فضل، تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے نہ صرف سیوستان بلکہ تمام سندھ میں ممتاز مانے جاتے تھے تحفۃ الکرام میں ہے کہ:-

قاضی سائینہ از اولاد حضرت فاروق واجلہ علمائے روزگار ہو
شریعت را یار طریقت و طریقت تو امان حقیقت داشتہ در سیوستان
نامی بل در تمامی سند گرامی گزشتہ ہے

ولادت داراشکوہ نے اپنی مشہور کتاب کینہ الاولیاء میں میاں میر کی ولادت کی تاریخ آپ کے بھائی کے حوالے سے ۹۳۸ھ لکھی ہے۔ اور آپ کی عمر کے متعلق بھی داراشکوہ نے اختلاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ آپ نے ایک سو ساٹھ سال کی عمر پائی، اور بعض بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ستانوے سال کی عمر پائی۔ لیکن میں نے ایک محضر دیکھا ہے جسے آپ کے بھتیجے سیوستان سے تصحیح کر کے لائے تھے اُس میں آپ کا سنہ ولادت ۹۵۵ھ تھا۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر ستر سال قرار پاتی ہے۔

تعلیم و طریقت ابتداً آپ کے والد ماجد نے آپ کو سلسلہ قادریہ کے سلوک کی تعلیم دی۔ لیکن دینیات کی تعلیم آپ نے مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔

بیعت تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد میاں میر نے شیخ خضر قادری سیوستانی سے بیعت کی اور تزکیہ نفس و غیر معمولی ریاضتوں اور مجاہدوں

۱۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۳۸
۲۔ صاحب تحفۃ الکرام نے آپ کا سنہ ولادت ۹۵۵ھ لکھا ہے۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۳۸)

کی وجہ سے پیشوائے اولیاء اور قطبِ زمان کے لقب سے مشہور ہوئے۔

رشد و ہدایت

اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کی جگہ میاں میر مند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ اُنھوں نے نہ صرف سندھ بلکہ پنجاب کو بھی اپنی روحانی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ اور اپنے مریدوں کی اصلاح فکر اور تہذیب نفس کر کے ایک ایسی جماعت پیدا کی جس سے رشد و ہدایت کے چستے پھوٹے، میاں میر ایک قدیم طرز کے صوفی تھے جو فنا فی اللہ کی منزل میں تھے۔ ان کا تمام وقت عبادت اور ریاضتوں میں گزرتا تھا۔ وہ وحدت الوجود کے فلسفے کو اپنا منہا ئے نظر بنا ئے ہوئے تھے۔ عمل صالح کی روایت ہے کہ آپ کو شیخ محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ کا کثیر حصہ حفظ یاد تھا۔ اور مولانا جامی کی شرح فصوص الحکم بھی آپ کو پوری حفظ تھی۔ شہرت سے آپ کو نفرت تھی اور گوشہ تنہائی کو آپ عزیز رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سندھ سے لاہور تشریف لائے کے بعد چالیس سال تک لاہور والوں کو اس کا علم بھی نہ ہو سکا کہ اُن کے شہر میں ایسی بزرگ ترین ہستی موجود ہے جس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ تقریباً ساٹھ سال تک آپ لاہور میں رہے اور وہاں کی دُنیا آپ سے فیضیابِ معنی میاں میر ستر سال کی عمر میں ۱۰۴۵ھ کو وصال الی اللہ ہوئے۔ سیکنتہ الاولیاء میں ہے کہ آخر عمر میں آپ اسہال میں مبتلا ہوئے

وفات

پانچ روز تک بیمار رہے اور محلہ خانپورہ میں وفات پائی۔ آج بھی آپ کا مزار ہاشم پورہ میں جواب میاں میر کے نام سے موسوم ہے، زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے مزار مبارک کی تعمیر کے لئے داراشکوہ نے جو آپ کا معتقد تھا تمام مال جمع کیا۔ لیکن تعمیر کی فہمت نہ آنے پائی تھی کہ داراشکوہ اپنے بھائی کے حکم سے قتل کیا گیا۔ بہت دن تک مزار کی عمارت ناکمل رہی۔ کئی سال کے بعد اورنگ زیب آپ کے مزار پر حاضر ہوا اور اُس نے عمارت کو مکمل کرایا۔ داراشکوہ کی بیوی نادیرہ کی قبیر

آپ کے مزار مبارک کے قریب بارہ دری میں واقع ہے۔

تاریخ وفات
 متعدد مریدوں اور عقیدت مندوں نے تاریخ وفات کہہ کر
 اپنی عقیدت اور دلی سوز و غم کا اظہار کیا۔ ملاحظہ اللہ چو آپ کے
 مریدوں میں سے تھے اُن کی یہ تاریخ آپ کے گنبد کے دروازہ پر کندہ ہے۔

میاں مسیر سر دفتر عارفان
 کہ خاک درش رشکِ اکسیر شد
 سفر جانبِ شہر جاوید کرد
 ازیں محنت آباد دل گیر شد
 خرد بہر سال وفاتش نوشت
 بفردوسِ والا میاں مسیر شد

۱۰۴۵ھ

مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ ولادت و وفات یک جا کہہ کر اپنی
 عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

میر دنیا و دیں میاں میریت واقفِ راز و محرمِ اسرار
 ہست "میر بہشت" تولیدش ہم میاں میر چشمہ افوار

باز فرمودہ شیخِ والا جاہ عقل تولیدِ او بصدِ تکرار
 بندہ مقتدا میاں میراست سال تولیدِ آں شاہِ ابرار

ہادی صدق میراثِ شرفِ خواں وصلِ آں شاہِ زبدۃ الاخیار
 نیز فیاض حق دلی آمد ہم میاں میر دستگیر اے یار

۱۰۴۵ھ

جہانگیر کی عقیدت | جہانگیرؒ آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ اُس نے اپنی تزک میں لکھا ہے :-

جب مجھے علم ہوا کہ لاہور میں ایک درویش میاں میر نامی
 سندھ کے رہنے والے نہایت فاضل، بابرکت اور صاحب حال
 بزرگ ہیں، اور توکل اور گوشہ عزلت کو اپنا شعار بنائے ہوئے
 فقر کی دولت کی بدولت غنی اور دُنیا سے مستغنی ہیں۔ ان اوصاف کی
 بنا پر میرا دل اُن کی ملاقات کے لئے بے چین ہوا اور اُن کی زیارت
 میں نے اپنے دل میں غیر معمولی رغبت پائی۔ لیکن میرے لئے لاہور
 جانا مشکل تھا، میں نے ایک خط کے ذریعے سے اُن کی خدمت میں
 اشتیاق ملاقات ظاہر کیا، حضرت باوجود ضعف پیری کے زحمت
 فرما کر تشریف لائے اور ایک طویل عرصہ تک میں خلوت میں آپ کے
 ساتھ بیٹھا، اور آپ کی صحبت سے مستفید ہوا۔ بلاشبہ آپ کی ذات
 غیر معمولی شرف کی حامل ہے۔ اور اس زمانے میں آپ کا وجود مغنمات
 میں سے ہے۔ ان ملاقاتوں میں مجھے آپ سے بہت سے معارف و
 حقائق سننے کا اتفاق ہوا۔ میں نے ہرچند چاہا کہ آپ کی خدمت میں
 نذر پیش کروں۔ لیکن آپ کے پایۂ عالی کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنی اس
 تمنا کے اظہار کی جرأت نہ ہوئی، آخر میں نے ایک سفید ہرن کی
 کھال جانا نماز کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کی۔

۱۶۔ جہانگیرؒ ۱۶۱۲ء میں تخت نشین ہوا۔ اور ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ کو ۲۳ سال ۸ ماہ
 ۵ روز حکومت کر کے اُس نے اُنٹھ سال گیارہ ماہ بارہ روز کی عمر میں وفات پائی۔ (فٹ نوٹس
 مقالات الشعراء مرتبہ سید حامد الدین راشدی ص ۳۲۵۔ بحوالہ مفتاح التواریخ)

شاہجہاں کی عقیدت

شاہجہاں بھی آپ سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا وہ بحیثیت ایک مخلص معتقد کے دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نامہ میں ان ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے، ایک ملاقات کے متعلق بادشاہ نامے میں ہے :-

۸ / رجب ۱۰۲۲ھ

خدیو خدا آگاہ، ارباب صفت و صفاء، رہنمائے اصحاب معرفت و تقی، قدوہ حق شناساں، صافی ضمیر، میان میر کہ جن کی تشریف آوری سے پہلے بھی یہ گھر مہبط انوار بن چکا تھا، دوبارہ تشریف لائے، اور بادشاہ کی گذارش پر آپ نے بہت سے دقائق حقائق اور غوامض و معارف کو اس دلکش طریقے پر بیان فرمایا جو انشراح صدر اور انبساط قلب کا موجب تھا۔

شاہجہاں پر آپ کی عقیدت کا تاثر اس درجہ تھا کہ وہ آپ کی بزرگی اور علو مرتبت کے سامنے کسی دوسرے کو نہ مانتا تھا۔ عمل صالح میں ہے کہ

حضرت بادشاہ حقائق آگاہ، اس مقتدانے صاحبِ عرفان (میاں میر) کی صحبت کے اس درجہ والا و شیدا تھے کہ اُس سے زیادہ کسی عقیدت و شفیقگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ بارہا آپ کے محمودہ اطوار اور مبارک احوال کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے کہ اس سرزمین کے مشائخ میں میں نے میاں میر جیسا کامل نہیں پایا۔ اور اُن کے بعد شیخ المشائخ شیخ فضل اللہ ہیں۔

۱۰ / جمادی الثانی ۱۰۳۱ھ تا ۱۰۳۸ھ ہجری و فائ
۲۶ / رجب ۱۰۸۶ھ افٹ نوٹس مقالات الشعراء ص ۱۱۱ (بضم ابراہیم)

داراشکوہ کی عقیدت

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے بھی اس کی روحانی تربیت اور دوق و شوق کو آب و رنگ بخشا تھا۔

داراشکوہ کی روایت ہے کہ جب کہ میری عمر بیس سال کی تھی، میں ایسا سخت بیمار ہوا کہ طبیعوں نے جواب دے دیا۔ میرے والد مجھے نے کرمیاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میرا یہ لڑکا بیمار ہے اور طبیب اس کے علاج سے عاجز آچکے ہیں۔ آپ اس کے لئے دعا فرمائیے۔ آپ نے پانی پر دم کر کے مجھے دیا میں اُس کے منے سے ایک ہفتے بعد بالکل اچھا ہو گیا۔

۱۷ داراشکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا جو اپنی دو بہنوں حمید اللہ اور جہان آرا و بیگم کے بعد ۲۱ صفر روز شنبہ ۱۰۲۲ھ کو بازو بیگم الخطیب بہ ممتاز محل کے بطن سے اجمیر میں بمقام ساگر ناتل پیدا ہوا۔ ابوطالب بیگم نے اس کی تاریخ ولادت اس مصرع سے نکالی۔ ع

اُس کا علی گڑھ بہت بلند تھا۔ نظروں سے اس کو غیر معمولی دلچسپی تھی اور وہ عینادے سے دلی عقیدت رکھتا تھا۔ اس کی تصانیف میں کا اس وقت ایک پتہ چل سکا، اور جو فارسی ادب اور تصوف کا بہترین ہوا۔ یہ بھی جانتی ہیں جسب ذیل ہیں۔

(۱) سفینۃ الاولیاء (۲) سیکڑ الاولیاء (۳) کتاب میں میر اور اہل حق کے مہر و دل کے حالات پر مشتمل ہے (۴) رب الموعود (۵) حشرات النار میں یا شکیات (۵) مجمع البحرین (۶) ستر اکر (۷) ترجمہ جملوت گیا (۸) بیاض داراشکوہ (۹) دیوان داراشکوہ (۱۰) دیباچہ مریح (۱۱) سبوحی (۱۲) نادر الکائنات (۱۳) رسالہ معارف (۱۴) مکاتیب (۱۵) داراشکوہ

۲۱ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ کو داراشکوہ نے خجندیہ علی گڑھ کے قتل کیا گیا۔ بیگم نے غلامیہ چلے اور بعض دوسرے لوگوں نے اسے قتل کیا اور مادیوں کے ہمرے کے لئے خانے میں جس میں شہزادہ و انبال اور شہزادہ مراد و نوں ہیں دفن کیا گیا۔ "عمل صالح" میں ہے کہ اسی لباس میں دفن کیا گیا جو قتل کے وقت اس کے ہم پتھر راما خود از قفٹ و ٹس مقالات الشجر مرقدہ سید حسام الدین راشدی لکھنؤ دہلی

لیکن جس وقت داراشکوہ کو بیعت کا خیال پیدا ہوا، اُس وقت میان میر
وفات پا چکے تھے، اس لئے اُس نے آپ کے خلیفہ تاج محمد بخشی سے بیعت کی۔

خلفاء | میاں میر کے خلفاء میں شیخ شاہ محمد مشہور بہ ملا شاہ بدخشی کو خاص شہرت
حاصل ہے۔ تاج محمد بخشی بن قاضی ملا عبدی موضع ارکا (علاقہ روستاق۔

بخارا) میں پیدا ہوئے۔ اور سلطان احمد شاہ لاہور اگر میاں میر کے مرید ہونے اور تیس
سال قبل سے میر کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کر کے انھوں نے کشمیر کو اپنا
وطن بنایا، داراشکوہ اور جہاں نادر نے اُن کے لئے ایک پہاڑ کے دامن میں خانقاہ
تعمیر کرائی۔ جب تک اُن کے ہر حیات رہے وہ التوا ماسم ہر ماہ میں کشمیر سے لاہور آکر
میر کی خدمت میں حاضر ہوتے، داراشکوہ نے تاج محمد بخشی کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا
ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھے دو گول سے معلوم ہوا کہ آپ متواتر سات سال تک عشا
کی نماز کے بعد صبح کی نماز تک جس نفس کے ساتھ ذکر خفی کرتے تھے۔ اس کا بیان ہے
کہ تیس سال تک آپ ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ہوئے۔

کشمیر میں زہد ریاضت کی وجہ سے تاج محمد بخشی کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی
اور دوسرے لوگ آپ سے سجدہ متاثر ہوتے تھے۔ تصرف میں آپ کا مسلک صرف
وحدت الوجود تھا۔

ولی رام نامی ایک کاشتکار جو مغلیہ حکومت میں ایک امیر تھا، وہ داراشکوہ
اور ملا بدخشی سے اس قدر متاثر ہوا کہ سب کچھ بیچ کر ملا بدخشی سے بیعت ہوا۔ ولی رام
کے بعض اشعار مذکور ہیں جن میں وحدت الوجود کا رنگ نمایاں طور پر
جھلکتا ہے۔

سانہ آن خودم، آن توایم بی نشانی تو، ما نشان توایم
اس نشانہ نشان ذات نابد منظر جسدہ صفات توایم

پاک از فکر و از قیاس ما اے تو پیدا وریں لباس ما
منظر ذات تو ہمہ اشیا بے تو ما توئی، و خود تو و ما
ذات تو در صفت تو پیدا صفت عین ذات اسے مولا
ما ہمہ موج بحر ذات تو ایم منظر مجمل صفت تو ایم

طاہر خشی بھی بلند پایہ شاعر تھے، داراشکوہ نے سکنۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ
اُن کا ایک مجموعہ کلام بھی مرتب ہو چکا تھا۔ سکنۃ الاولیاء میں اُس نے اُن کی بعض
غزلیں بھی نقل کی ہیں جو اُن کے علوی فکر، نزاکت تخیل اور مسلک وحدت الوجود
کی آئینہ دار ہیں۔ ہم اُن کے یہاں بعض اشعار نقل کرتے ہیں۔

برہنیم بسر ترود لایب را رباعی
شده تا مطلب مقابل آئینہ دل رفیق تمام راہ بود و شد را
دیدیم در آئینہ جمال خود را

حرف دیوانگی است در دل ما چہ زند سر دگر ازیں گل ما
در تماشاں فضا ہما رفت چہیت پر سیدن از فواہل ما
روی او در مقابل مرات روی ما بود در مقابل ما
در رہ عشق آنکہ ما را کشت غیر ما کس نبود قاتل ما
وصل داد این غیر کہ غیر کی نیست موصول ما و واصل ما
از سیر اتحاد این برخاست میل ما دوست، دوست ما
ما کہ جو حق نہ ایم از عرفان پس چہ پُرسی ز حق و باطل ما

رباعی

آل را کہ بجاست بر سر ایماں جنگ او مومن در ایماں من اور اصرہ جنگ
مومن نشود تا کہ برابر نشود بابا نگ نماز، بانگ ناقوس قرنگ

طاہد خشی بعض مرتبہ غلبہٴ حال کی وجہ سے ایسے اشعار کہہ جاتے جو شرعی نقطہ نظر سے قابلِ اعتراض ٹھہرتے۔ ایک دفعہ انھوں نے ایک اسی قسم کا شعر کہا، اس شعر پر کشمیر کے علماء نے ان کے واجبِ انقسل ہونے کا فتویٰ دیا، اور شاہجہاں سے گزارش کی کہ وہ ان پر حد شرعی جاری کرے، شاہجہاں نے علماء کے ارشاد کے مطابق ظفر خان گورنر کشمیر کو لکھا کہ ان پر حد جاری کر لے۔ مگر داراشکوہ نے سفارش کی کہ حد کے جاری کرنے میں جلدی نہ کرنی چاہیے اور دوسرے بزرگوں خصوصاً میاں میر سے بھی اس معاملے میں پوچھنا چاہیے۔ شاہجہاں نے حضرت میاں میر سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ غلبہٴ حال کی وجہ سے طاہد خشی سے یہ باتیں سرزد ہوتی ہیں، جو کسی طرح مناسب نہیں، لیکن اُسے اس وجہ سے قتل نہ کرنا چاہیے۔ شاہجہاں نے آپ کے مشورے پر عمل کیا، اور خاموش رہا۔ چند دن کے بعد جب ۱۶۳۹ء میں شاہجہاں کشمیر آیا تو اس نے بعض صوفیاء مابِل پر طاہد خشی سے گفتگو کی۔ صاحبِ بادشاہ نامہ نے اس ملاقات کا تذکرہ تفصیل سے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

یکم جمادی الثانی ۱۰۵۰ھ کو ملا شاہ بدخشی جو میاں میر قادری کے خلیفہ ہیں، اور کشمیر میں گوشہٴ تنہائی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بادشاہ درویش فاخر (شاہجہاں) کی طلب پر تشریف لائے۔ اور اس ملاقات میں بہت سے بلند نکات کے متعلق گفتگو ہوئی۔ بادشاہ نے اُن کو نہایت تملطف و ہربانی سے خوش ہو کر رخصت کیا۔

۱۰۵۰ھ میں داراشکوہ اور اس کی بہن جہاں آرا ملا شاہ محمد بدخشی سے مُرید ہوئے، وہ داراشکوہ سے اس قدر خوش تھے کہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے سلسلہٴ قادریہ کو غیر معمولی ترقی ہوگی۔

یہ بادشاہ نامہ کا مولف شیخ عبدالحمید ہے۔

شہزادہ حسین حبیب اورنگ زیب صاحب تخت و تاج ہوا تو علماء نے پھر ایک
 مرتبہ ملا بدیشی کے خلاف اٹھارہ بل لکھے۔ علماء کے احتجاج پر اورنگ زیب نے ان کو طلب
 کیا لیکن کثیر کے گورنر نے لکھا کہ ملا بدیشی شمالی صحت کی وجہ سے سفر کے قابل نہیں۔
 اسی وقت میں ملا شاہ بدیشی کے وہ ہتھیار جو آپ نے اورنگ زیب کی تخت نشینی
 کی مبارک باد پر لکھے تھے، وہ اورنگ زیب تک پہنچائے گئے جو یہ تھے۔
 صحن دل من چو گل خورشید شکفت کاہن حق در غبار باطل را رفت
 یار تاریخ غیبیوں شاہ حق اگر ترا لب "طلحہ" نامی ایں را حق گفت
 اورنگ زیب نے ملا شاہ بدیشی کے ہتھیاروں کو اپنے پاس رکھا۔
 آپ ان کے بعد اورنگ زیب نے اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ ملا بدیشی اب
 لاہور کے ہو جائے لاہور میں رہیں۔ اس حکم کے بعد ملا بدیشی نے لاہور میں اقامت لے لی۔ لیکن
 لاہور کی زندگی میں وہ بالکل گوشہ نشین ہوا۔ اچھے چاہنے والوں
 کے وہ کسی سے نہ ملتے تھے۔ ابھی آپ کو لاہور میں ایک سال تک رہنے پایا تھا کہ
 ملا بدیشی بخارا میں مبتلا ہوئے اور اسی بیماری میں ۱۰۵۸ھ صفر ۱۰۵۸ھ میں کو آپ نے لاہور ہی
 میں وفات پائی اور احاطہ میاں میر میں مدفون ہوئے۔
 ملا بدیشی کے حالات کی تفصیل رود کوثر مولفہ علیہ السلام صاحب ۲۵۵
 صفحہ ۱۰۷ پر لکھی ہے۔ ملا بدیشی نے سید حامد الدین صاحب راشدی سے خود ہے
 سید حامد الدین صاحب راشدی نے ملا بدیشی کے شاگرد کے ایک نوٹس (بعض قلمی)
 میں لکھا ہے کہ ملا بدیشی کے سبب وفات میں اختلاف ہے۔ صاحب تاریخ احمد سید
 عبداللطیف نے آپ کا سبب وفات (۱۰۵۸ھ) اور صاحب مضاح التواریخ نے
 بحوالہ امرا جہاں شاہ نقل کیا ہے۔ اور بھی علامہ سہروردی نے جو آپ کی تاریخ وفات کہی
 ہے۔ اس سے ۱۰۶۹ھ متعین ہوتا ہے۔ رفت دوسرے حالات و اشعار ابھمن قادری
 ص ۵۰۵ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ، کراچی میں لکھا ہے۔

(۴۴)

فتی: شك

شیخ معقل بن حاکم

حالات

شیخ مغل چاک سدا کے ممتاز ترین صوفیاء میں تھے۔ سید عبدالقادر
سیفی صاحب حدیقۃ الاولیاء تھے ان کے محامد و مناقب بیان کرتے

و نے از حرم ادبی کے اہل دل و عارف محافل بودہ تر جمیل مرصعات
ور مدائن و سرود و ترنم و مجاہدان و مجاہدان و مجاہدان و مجاہدان
اب اسرار و اسرار و اسرار و اسرار و اسرار و اسرار و اسرار و اسرار
انھاس اہل بی داشت

۱۰۰ خبیر علی شیر قانع مشہوری اپنی مشہور کتاب مخفیہ کلام میں ان کے متعلق لکھتے ہیں
 کہ یہ ایک عظیم الشان چارچاق از اہل اولیائے ابن ول اور کرامت و کمال
 کشف کامل بود۔

صاحب صفحہ اطہر نے ان کی طرح مزمل ان الطاطمیں کی نسبت
وئے صاحب نے بعد حالات و غیرت و کرامات جو

شیخ مغل چایک کو ابتدا ہی سے عبادت الہیہ دوق و عشق تھا اور ہمیشہ
پچھے دین اور رات کو ذکر الہی سے متور رہتے تھے۔ رات کو تربت عبادت کی وجہ سے

اس نام کی وجہ سے اُس کے آپس پاس کے علاقے کو سرکار چاچکاں کہتے ہیں۔

٢٤٢
 ٢٤٣
 ٢٤٤
 ٢٤٥
 ٢٤٦
 ٢٤٧
 ٢٤٨
 ٢٤٩
 ٢٥٠
 ٢٥١
 ٢٥٢
 ٢٥٣
 ٢٥٤
 ٢٥٥
 ٢٥٦
 ٢٥٧
 ٢٥٨
 ٢٥٩
 ٢٦٠
 ٢٦١
 ٢٦٢
 ٢٦٣
 ٢٦٤
 ٢٦٥
 ٢٦٦
 ٢٦٧
 ٢٦٨
 ٢٦٩
 ٢٧٠
 ٢٧١
 ٢٧٢
 ٢٧٣
 ٢٧٤
 ٢٧٥
 ٢٧٦
 ٢٧٧
 ٢٧٨
 ٢٧٩
 ٢٨٠
 ٢٨١
 ٢٨٢
 ٢٨٣
 ٢٨٤
 ٢٨٥
 ٢٨٦
 ٢٨٧
 ٢٨٨
 ٢٨٩
 ٢٩٠
 ٢٩١
 ٢٩٢
 ٢٩٣
 ٢٩٤
 ٢٩٥
 ٢٩٦
 ٢٩٧
 ٢٩٨
 ٢٩٩
 ٣٠٠
 ٣٠١
 ٣٠٢
 ٣٠٣
 ٣٠٤
 ٣٠٥
 ٣٠٦
 ٣٠٧
 ٣٠٨
 ٣٠٩
 ٣١٠
 ٣١١
 ٣١٢
 ٣١٣
 ٣١٤
 ٣١٥
 ٣١٦
 ٣١٧
 ٣١٨
 ٣١٩
 ٣٢٠
 ٣٢١
 ٣٢٢
 ٣٢٣
 ٣٢٤
 ٣٢٥
 ٣٢٦
 ٣٢٧
 ٣٢٨
 ٣٢٩
 ٣٣٠
 ٣٣١
 ٣٣٢
 ٣٣٣
 ٣٣٤
 ٣٣٥
 ٣٣٦
 ٣٣٧
 ٣٣٨
 ٣٣٩
 ٣٤٠
 ٣٤١
 ٣٤٢
 ٣٤٣
 ٣٤٤
 ٣٤٥
 ٣٤٦
 ٣٤٧
 ٣٤٨
 ٣٤٩
 ٣٥٠
 ٣٥١
 ٣٥٢
 ٣٥٣
 ٣٥٤
 ٣٥٥
 ٣٥٦
 ٣٥٧
 ٣٥٨
 ٣٥٩
 ٣٦٠
 ٣٦١
 ٣٦٢
 ٣٦٣
 ٣٦٤
 ٣٦٥
 ٣٦٦
 ٣٦٧
 ٣٦٨
 ٣٦٩
 ٣٧٠
 ٣٧١
 ٣٧٢
 ٣٧٣
 ٣٧٤
 ٣٧٥
 ٣٧٦
 ٣٧٧
 ٣٧٨
 ٣٧٩
 ٣٨٠
 ٣٨١
 ٣٨٢
 ٣٨٣
 ٣٨٤
 ٣٨٥
 ٣٨٦
 ٣٨٧
 ٣٨٨
 ٣٨٩
 ٣٩٠
 ٣٩١
 ٣٩٢
 ٣٩٣
 ٣٩٤
 ٣٩٥
 ٣٩٦
 ٣٩٧
 ٣٩٨
 ٣٩٩
 ٤٠٠
 ٤٠١
 ٤٠٢
 ٤٠٣
 ٤٠٤
 ٤٠٥
 ٤٠٦
 ٤٠٧
 ٤٠٨
 ٤٠٩
 ٤١٠
 ٤١١
 ٤١٢
 ٤١٣
 ٤١٤
 ٤١٥
 ٤١٦
 ٤١٧
 ٤١٨
 ٤١٩
 ٤٢٠
 ٤٢١
 ٤٢٢
 ٤٢٣
 ٤٢٤
 ٤٢٥
 ٤٢٦
 ٤٢٧
 ٤٢٨
 ٤٢٩
 ٤٣٠
 ٤٣١
 ٤٣٢
 ٤٣٣
 ٤٣٤
 ٤٣٥
 ٤٣٦
 ٤٣٧
 ٤٣٨
 ٤٣٩
 ٤٤٠
 ٤٤١
 ٤٤٢
 ٤٤٣
 ٤٤٤
 ٤٤٥
 ٤٤٦
 ٤٤٧
 ٤٤٨
 ٤٤٩
 ٤٥٠
 ٤٥١
 ٤٥٢
 ٤٥٣
 ٤٥٤
 ٤٥٥
 ٤٥٦
 ٤٥٧
 ٤٥٨
 ٤٥٩
 ٤٦٠
 ٤٦١
 ٤٦٢
 ٤٦٣
 ٤٦٤
 ٤٦٥
 ٤٦٦
 ٤٦٧
 ٤٦٨
 ٤٦٩
 ٤٧٠
 ٤٧١
 ٤٧٢
 ٤٧٣
 ٤٧٤
 ٤٧٥
 ٤٧٦
 ٤٧٧
 ٤٧٨
 ٤٧٩
 ٤٨٠
 ٤٨١
 ٤٨٢
 ٤٨٣
 ٤٨٤
 ٤٨٥
 ٤٨٦
 ٤٨٧
 ٤٨٨
 ٤٨٩
 ٤٩٠
 ٤٩١
 ٤٩٢
 ٤٩٣
 ٤٩٤
 ٤٩٥
 ٤٩٦
 ٤٩٧
 ٤٩٨
 ٤٩٩
 ٥٠٠
 ٥٠١
 ٥٠٢
 ٥٠٣
 ٥٠٤
 ٥٠٥
 ٥٠٦
 ٥٠٧
 ٥٠٨
 ٥٠٩
 ٥١٠
 ٥١١
 ٥١٢
 ٥١٣
 ٥١٤
 ٥١٥
 ٥١٦
 ٥١٧
 ٥١٨
 ٥١٩
 ٥٢٠
 ٥٢١
 ٥٢٢
 ٥٢٣
 ٥٢٤
 ٥٢٥
 ٥٢٦
 ٥٢٧
 ٥٢٨
 ٥٢٩
 ٥٣٠
 ٥٣١
 ٥٣٢
 ٥٣٣
 ٥٣٤
 ٥٣٥
 ٥٣٦
 ٥٣٧
 ٥٣٨
 ٥٣٩
 ٥٤٠
 ٥٤١
 ٥٤٢
 ٥٤٣
 ٥٤٤
 ٥٤٥
 ٥٤٦
 ٥٤٧
 ٥٤٨
 ٥٤٩
 ٥٥٠
 ٥٥١
 ٥٥٢
 ٥٥٣
 ٥٥٤
 ٥٥٥
 ٥٥٦
 ٥٥٧
 ٥٥٨
 ٥٥٩
 ٥٦٠
 ٥٦١
 ٥٦٢
 ٥٦٣
 ٥٦٤
 ٥٦٥
 ٥٦٦
 ٥٦٧
 ٥٦٨
 ٥٦٩
 ٥٧٠
 ٥٧١
 ٥٧٢
 ٥٧٣
 ٥٧٤
 ٥٧٥
 ٥٧٦
 ٥٧٧
 ٥٧٨
 ٥٧٩
 ٥٨٠
 ٥٨١
 ٥٨٢
 ٥٨٣
 ٥٨٤
 ٥٨٥
 ٥٨٦
 ٥٨٧
 ٥٨٨
 ٥٨٩
 ٥٩٠
 ٥٩١
 ٥٩٢
 ٥٩٣
 ٥٩٤
 ٥٩٥
 ٥٩٦
 ٥٩٧
 ٥٩٨
 ٥٩٩
 ٦٠٠
 ٦٠١
 ٦٠٢
 ٦٠٣
 ٦٠٤
 ٦٠٥
 ٦٠٦
 ٦٠٧
 ٦٠٨
 ٦٠٩
 ٦١٠
 ٦١١
 ٦١٢
 ٦١٣

مطلقاً نہ سوتے تھے۔

مرزا شاہ حسن ارغون اپنے زمانہ حکومت میں نصر پور کے ایک رئیس کو قید کر دیا۔ اس رئیس کے اعزہ و اقربا شیخ مغل چاچک سے بے حد عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ لیکن اس مصیبت کے موقع پر وہ شیخ برکیہ کاتیار کے پاس رجوع ہو کر خواست گار دے ہوئے۔ شیخ برکیہ کاتیار نے ان سے کہا کہ وہ ایک گائے لے کر آئیں، یہ لوگ اپنے گاؤں واپس ہوئے اور گائے لے کر چلے۔ ان کے راستے میں قوم ناہیان کا ایک تالاب پڑتا تھا، جس کے متصل ایک سبزہ زار تھا۔ شیخ مغل چاچک ہمیشہ اس تالاب میں غسل کر کے اس سبزہ زار میں عبادت و اوراد و وظائف میں دن کا بڑا حصہ گزارتے تھے۔ جس وقت یہ لوگ گائے لے کر اس تالاب کے پاس سے گزرے تو اس وقت آپ اُس سبزہ زار میں موجود تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو گزرتے ہوئے دیکھا تو اپنے خادم سے فرمایا کہ ان سے پوچھے کہ یہ کس کام کے لئے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کوئی معقول جواب نہ دیا۔

شیخ مغل کو ان کا یہ طرزِ عمل ناگوار گزرا اور آپ خاموش ہو گئے، جب یہ لوگ گائے لے کر شیخ برکیہ کاتیار کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے سنایا افسوس ہے کہ تمہارا گائے کا لانا بالکل بے کار ثابت ہوا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے جو عمل کیا تھا، شیخ مغل نے اس کو رد کر دیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا اپنی گائے کو واپس لے جاؤ۔ چنانچہ اسی روز مرزا شاہ حسن نے اس رئیس کو قتل کرادیا۔

شیخ مغل چاچک نے ٹھٹھہ میں وفات پائی۔

اور آپ کا مزار مبارک ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکی میں

وفات

زیارت گاہ خاص و عام ہے۔
 شیخ مغل چاچک کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ
 اولاد موسیٰ مسند آرائے زہد و اتقا ہوئے۔ شیخ موسیٰ اپنی بزرگی و تقویٰ
 کے ساتھ ساتھ مہمان نوازی میں بھی خاص شہرت رکھتے تھے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل حدیقۃ الاولیاء، قلمی ۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶ و تحفۃ الکرام ص ۲۲۹
 و تحفۃ الطاہرین ص ۳۲-۳۵ سے ماخوذ ہے۔
 ۲۔ حدیقۃ الاولیاء، قلمی ۲۲۶-۲۲۷

(۲۳) صاحب المیزان فی مناقب اہل بیت
 میر محمد یوسف رضوی

خاندان | اہم گرامی محمد یوسف رضوی تھا۔ آپ کے والد میر محمد جام تھے جو اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ آپ کے آباء و اجداد بھکر کے سادات رضوی سے تھے۔ یہ خاندان شرافت، جلالت میں حنا حاصل امتیاز رکھتا تھا۔

بیعت | صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ میر محمد یوسف رضوی نے جناب سید شاہ مبارک سے فیض تربیت روحانی حاصل کیا تھا۔ جو شیخ دانیال کے خاص مریدوں میں تھے، اور شیخ دانیال سید محمد جو پورٹی کے خلفا اور مریدوں میں تھے

۱۷۰۰ بھکر سندھ کا ایک قدیم شہر ہے جو سندھ کی رائے حکومت کے بعد اس وقت آباد ہوا جب انور شہر ویران ہوا، ملوک کی کچھ آبادی اس جگہ آکر آباد ہوئی، پھر اسی آبادی کو بھکر کہنے لگے۔ بھکر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب سید محمد کشی صبح کے وقت اس آبادی میں داخل ہوئے تو انھوں نے کہا۔ جعلی اللہ بسکرتی فی بقعۃ المبارک (اللہ میری صبح مبارک جگہ پر کرے) مگر عربی میں صبح کو کہتے ہیں۔ اسی وقت سے یہ شہر بکر کے نام سے مشہور ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ نام بھکر ہو گیا۔ بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب سید محمد کشی اس مقام میں داخل ہوئے تو ان کے خادموں نے ان سے پوچھا کہ کہاں سالانہ رکھا جائے، فرمایا کہ جہاں تم صبح کے وقت بقر (گائے) کی آواز سنو، اس وقت سے اس کا

۱۱۲۴ نام بقرہ رفتہ رفتہ بھکر ہو گیا۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۱۲۴)

۱۰۳۳ و ۱۰۴۰

۱۱۲۴ سید محمد نام تھا۔ لیکن آپ مشہور ہندی موعود کے لقب سے مشہور ہوئے۔

مطالعہ میں تشریف آوری | جب ایسا ہی سے دل روشن ہو گیا تو آپ نے ہجر

کی سکونت ترک کر کے ٹھٹھہ کو اپنا مسکن بنالیا اور

عبادت و ریاضت کے لئے مکی میں اُس جگہ کا انتخاب کیا جہاں سید محمد ہدی میراں

بقیہ فیوض (۲۳۴) سید محمد بن سید عبد اللہ بن محمد بن موسیٰ بن قاسم بن محمد بن عبد اللہ بن

عبد اللہ بن یوسف بن یحییٰ بن نعمت اللہ بن اسماعیل بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن ابی عبد اللہ بن

محمد بن النعمان بن سیدنا امام حسین بن ابی طالب بن ابی طالب بن محمد بن عبد اللہ بن

آپ کی ولادت ۱۸ جمادی الاول ۱۸۰ھ کو ہوئی ہے۔ آپ کو شہر جوں پر میں ہوئی جسی آپ

کی عمر پانچ سال کی ہوئی آپ نے شیخ ریاض جنوری سے تعلیم شروع کی اور سات سال کی عمر میں

قرآن مجید حفظ کر لیا۔ آپ کی غیر معمولی قدرت و کرامت کا ایسا وہ اس کے بعد میں لکھتا ہے کہ ۹۹۹ھ

میں جب کہ آپ کی عمر بارہ سال کی تھی علمِ ناسر کی تعلیم اپنے فارسی جرنیل کے ہاتھ سے فرما کر

تجربہ علی کو دیکھ کر اس دور کے اکابر علی نے آپ کو کمال کا خطاب دیا۔

سترہ سال کی عمر میں آپ کثرتِ کرب و محنت سے تقریباتِ عالیہ تک آپ پر تفریق

کی کیفیت کافی دہلی جس کے علاوہ پانچ سال تک آپ پر حورو و کونہ و غریب کی کیفیت طاری

رہی۔ اس وقت آپ کی عمر تیس سال کی تھی۔ اس کے بعد تقریباً گیارہ سال آپ جوں پور

میں رہے۔ وہاں تو ان کی زندگی بھر گزرتی رہی۔

۱۸۰۰ھ میں آپ نے جون پور کے ہجرت کر کے تحصیل باہاولپور کے جگہوں میں کچھ دن قیام

فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر تیس سال کی تھی۔ یہاں سے آپ چند روزی تفریق کے لئے وہاں سے

ماوہ کے پائے تخت اٹھو میں آئے۔ یہاں کا بادشاہ غیاث الدین علی عثمانی ارسلانہ آپ کا

مستعد ہو گیا۔ یہاں آپ کے مہر خط، پیکرہ افلاک اور صفت نبوی کے اتوار کی دہرے برابر

۱۸۰۱ھ میں آپ باہاولپور و گجرات کے تشریف لائے۔ ان کے ساتھ ساتھ جوں پور کے حکام پانچ

تیس لوگوں کو بایں تفریق رہے۔ ان کے ساتھ ساتھ جوں پور کے حکام پانچ

۱۸۰۲ھ میں آپ گجرات سے برائے ہوئے۔ پھر وہاں کے حکام پانچ

جونپوری اقامت پذیر ہوئے تھے۔ آپ کے وقت کا زیادہ حصہ اسی جگہ یا دہلی میں گزرتا تھا۔ اور اس درجہ صاحب تجلیات و منظر کرامات تھے کہ ہر شخص آپ کی بزرگی اور ولایت کا معترف تھا۔

بقیہ فط (نفس) آپ جہاں بھی پہنچتے تھے ہر جگہ لوگوں کو ہدایت فرماتے تھے اور آپ کے مریدوں اور متقدمین کا حلقہ وسیع ہوتا جاتا تھا۔

۹۰ھ میں آپ نے بمقام برلی علی الاعلان ہمدویت کا دعویٰ کیا۔ علماء اور عوام میں آپ کے خلاف شورش پیدا ہوئی۔ برلی سے آپ قصبہ تھراؤ، جالور اور ناگورہ جاتے ہوئے سندھ میں براہ حبلیہ نصر پور (سندھ) پہنچے۔ وہاں سے ٹھٹھہ تشریف لائے۔ ٹھٹھہ سے آپ نور شاہ کے ساتھ خراسان روانہ ہوئے۔ پہلے آپ قندھار پہنچے۔ اُس وقت قندھار کا حاکم شاہ بیگ ارغون تھا جو بعد میں سندھ کا فرمانروا ہوا۔ وہ آپ کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آیا پھر ۱۱ ربیع الاول ۹۱ھ قندھار سے آپ فرار پہنچے۔

۱۹ (دقیقہ ۹۱ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۵۰۵ء کو دوشنبہ کے روز آپ نے تریٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کے صاحبزادے میراں سید محمود نے جنازے کی نماز پڑھائی اور موضع بچ اور نرج کے درمیان مدفون ہوئے۔

ٹھٹھہ کے دوران قیام میں شہر اور اطراف کے متعدد مقتدا اصحاب آپ کے مرید ہوئے۔ شیخ صدر الدین، خان دریا خان، علامہ قاضی قاضی، شیخ جھنڈہ پاتنی بیعت ہوئے۔ ٹھٹھہ کے شہور رضوی سادات خاندان کے جدِ اعلیٰ سید محمد یوسف بھکری، سید مبارک شاہ شیخ دانیال کے مرید ہو کر سید محمد جونپوری کے سلسلے میں داخل ہوئے۔

صوفی شاہ عنایت کا قصبہ جھوک میراں محمد جونپوری کے نام پر ہی میراں پور سے مرسوم ہوا اس لئے کہ سید صاحب نے کچھ دن اس قصبہ میں قیام فرمایا تھا (ماخوذ از فٹ نوٹ سندھی تحفۃ الطالبین مرتبہ آغا بدر عالم دہلوی بحوالہ تذکرہ محمد بن طاہر ربی مرتبہ ابو ظفر ندوی) سندھ کے فرمانروایان خاندان کھوڑا کا شجرہ طریقت بھی سید میراں محمد جونپوری سے ملتا ہے کھوڑا خاندان کے دوسرے فرمانروایاں نور محمد نے اپنے وصیت نامے کو سومہ شہر الوصیت

بزرگوں کا اعتراف | حقائق و معارف آگاہ سید عبدالکریم متوطن
 بلڑی نے آپ کی بزرگی و ولایت کا اعتراف کرتے
 ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان سے ایک صاحب باطن درویش بلڑی تشریف لائے
 اور ایک مسجد میں قیام فرمایا۔ میں ہر روز صبح کی نماز کے بعد اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا
 تھا۔ ایک دن اُنھوں نے ٹھٹھ کے ادیا، اللہ کے متعلق جو اُس وقت موجود تھے۔
 مجھ سے پوچھا، میں نے ہر ایک کے متعلق مختصر طور پر جو کچھ جانتا تھا اُن کو بتلایا۔ وہ
 خاموشی سے سب کے حالات سنتے رہے، جب میں کہہ چکا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اس
 وقت تک تم نے جن بزرگوں کے حالات مجھ سے بیان کئے ہیں مجھے اُن میں سب سے
 بڑھ کر ولایت و مدارج میں سید محمد یوسف نظر آتے ہیں۔ دوسرے دن حسب معمول میں
 جب صبح کی نماز کے بعد اُن کی خدمت میں گیا تو وہ درویش موجود نہ تھے، مجھے
 خیال ہوا کہ وہ غالباً ٹھٹھ حضرت سید محمد یوسف کی خدمت میں گئے ہوں گے۔ میں
 بھی ٹھٹھ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سید محمد یوسف کی خدمت میں نہایت ادب سے
 جوتوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی خاموشی سے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔
 دیر کے بعد سید محمد یوسف نے اپنے جوتے تبرکاً درویش کو دیئے۔ درویش نے نہایت
 خوش ہو کر اس عطیہ کو قبول کیا اور آپ سے رخصت کی اجازت چاہی اور مجھ سے
 فرمایا کہ ان جوتوں سے میرے لئے ایک ٹوپی بنوادو۔ میں نے فوراً ہی اُن کے ارشاد
 کی تعمیل کی۔ اور اُن کے لئے ایک ٹوپی تیار کرائی۔ اُنھوں نے اس کو سر پہ کھدیا۔

(تقیہ نوٹس) میں نادر شاہ کی بوت مار کی شکایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سفاک پاک
 کے ہاتھوں سے ہمارا کتب خانہ بھی محفوظ نہ رہا۔ وہ ہمارا شجرہ بھی لے گیا۔ ہم خاندان بہرودی
 میں بیعت ہیں اور ہمارا سلسلہ سید میراں محمد جو پوری تک پہنچتا ہے۔
 (ماخوذ از منشور الوصیت قلی ملوک سید حسام الدین راشدی)

[illegible]

مخدوم محمد معین مختصاری

نکاح و نسب و وصیت

مستطاب

15

دستخط حاصل کی جا

15. 16. 17. 18. 19. 20. 21. 22. 23. 24. 25. 26. 27. 28. 29. 30. 31. 32. 33. 34. 35. 36. 37. 38. 39. 40. 41. 42. 43. 44. 45. 46. 47. 48. 49. 50. 51. 52. 53. 54. 55. 56. 57. 58. 59. 60. 61. 62. 63. 64. 65. 66. 67. 68. 69. 70. 71. 72. 73. 74. 75. 76. 77. 78. 79. 80. 81. 82. 83. 84. 85. 86. 87. 88. 89. 90. 91. 92. 93. 94. 95. 96. 97. 98. 99. 100. 101. 102. 103. 104. 105. 106. 107. 108. 109. 110. 111. 112. 113. 114. 115. 116. 117. 118. 119. 120. 121. 122. 123. 124. 125. 126. 127. 128. 129. 130. 131. 132. 133. 134. 135. 136. 137. 138. 139. 140. 141. 142. 143. 144. 145. 146. 147. 148. 149. 150. 151. 152. 153. 154. 155. 156. 157. 158. 159. 160. 161. 162. 163. 164. 165. 166. 167. 168. 169. 170. 171. 172. 173. 174. 175. 176. 177. 178. 179. 180. 181. 182. 183. 184. 185. 186. 187. 188. 189. 190. 191. 192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 840. 841. 842. 843. 844. 845. 846. 847. 848. 849. 850.

اعلیٰ حضرت مولانا صاحب

پروا اور اپنی غیر معمولی

در اصل تہاں کے خطاب

بقدر صاحب مقالات

وفا پانی رسد

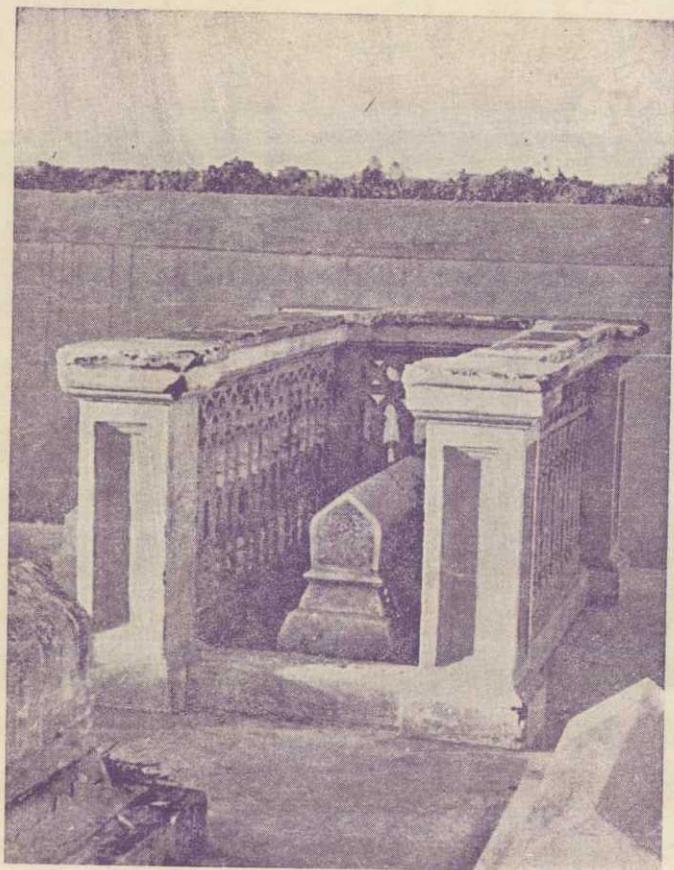
اساتذہ میں شاہ عنایت اللہ تھے۔ جن سے آپ نے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی، شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم آپ نے علی رضا درویش سے اس وقت پڑھی جب وہ ٹھٹھہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ حدیث کی تعلیم آپ نے ٹھٹھہ کے مشہور عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی سے حاصل کی۔ مخدوم محمد معین نے اپنی تصنیف وراثات البلیب میں اپنے اساتذہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبدالقادر

شاہ عنایت اللہ، علامہ احمد کتابی کے شاگرد تھے، جو بہت بڑے عالم تھے۔ جن کے شاگردوں میں علامہ ضیاء الدین ٹھٹھوی اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی بھی ہیں۔ (ذاتِ نوٹ مقدمہ وراثات البلیب مرتبہ مولانا عبدالرشید نعمانی ص ۳۰۔ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ۔)

شاہ علی رضا درویش حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے اولاد سے تھے، یہ چند مرتبہ ٹھٹھہ تشریف لائے، صاحبِ حال بزرگ تھے، اُن کی ساری عمر سیر و سیاحت میں گزری سفر اس صورت سے کرتے تھے کہ گھوڑے پر سوار رہتے، سدا منہ جھنڈا رہتا، اور ایک اونٹ کتابوں سے لدا ہوا ساتھ رہتا۔ آخر عمر میں بھکر کے قرب و حوا میں مقیم ہو گئے تھے۔ میاں فضل کھٹوا والی سندھ نے اُن کا کچھ و فیض مقرر کر دیا تھا، شاعر بھی تھے۔ (مقالات الشعراء ص ۴۵)

آپ کے حلقی مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی بن عبدالغفور بن عبدالرحمن بن عبداللطیف بن عبدالرحمن ابن خیر الدین سندھی تیرانی۔ آپ کی ولادت ۱۰ ربیع الاول ۱۲۸۵ میں ہوئی۔ مخدوم ضیاء الدین کے شاگرد تھے۔ علم و فضل میں گمانہ روزگار تھے۔ ساری عمر تبلیغ دین، احیائے سنت اور ترمیمِ شریعت کی تلقین کرتے رہے۔ چونکہ آپ کی زبان میں تاثیر اور قلم میں طاقت تھی۔ آپ کی تبلیغ سے بہت سے ذمی مسلمان ہوئے، مخدوم محمد ہاشم نے اُس وقت کے سلاطین نادر شاہ اور احمد شاہ کو پُر روزہ خطوط لکھے، جن میں انہیں ترمیمِ شریعت اور تقویتِ دین کی طرف توجہ دلائی جس کی وجہ سے دین کو بڑی تقویت پہنچی۔ اور آپ کی سند کے مطابق امور دینی انجام پاتے، مخدوم ہاشم کی مختلف علوم پر متعدد تصانیف ہیں۔ جنہوں نے آپ کے نام کو عربی عجم میں روشن کر دیا۔ مخدوم محمد ہاشم کے واسطے مخدوم غلام محمد کا بیان ہے کہ آپ کی تصنیف کی تعداد (۱۵۰) ہے جن کے نام مکملہ مقالات الشعراء کے ذیل نوٹس میں ص ۵۹۶ پر دیئے گئے۔ مخدوم

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد حق آگہ کی بارگاہ میں ہے



آخری دور کے مشہور عالم مخدوم محمد ہاشم کا مزار جنہوں نے
اپنی تصانیف سے سندھ کے نام کو عرب و عجم میں روشن کر دیا
(پشکریہ سندھی ادبی بورڈ)
(متعلق فٹ نوٹ نمبر ۳ صفحہ ۳۴)



کتابہ مزار

علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی

(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

صدیقی کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ جن سے مخدوم محمد معین استفادہ کیا کرتے تھے۔ ان میں شیخ جلال محمد اور علامہ میر سعد اللہ پورٹی بھی مشہور ہیں۔

(بقیہ فٹ نوٹس) محمد ہاشم نے ۸ رجب ۱۲۸۵ھ کو وفات پائی اور مکی میں مدفون ہوئے۔
تحفہ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳ فٹ نوٹس و مقالات اشعار ص ۸۴۲ فٹ نوٹس مکملہ مقالات اشعار
مرتبہ سید حام الدین صاحب راشدی ص ۵۱) مکملہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی ولادت ۱۱۱۴ھ
میں ہوئی۔ آپ پندرہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ کے اساتذہ حدیث
میں شیخ ابو طاہر گردی مشہور ہیں۔

۱۰ شیخ جلال محمد گراں کے رہنے والے اور اپنے وقت کے یگانہ روزگار عالم تھے، نجوم اور
طب اور تمام علوم میں دستگاہ کابل رکھتے تھے۔ ہمیشہ گوشہ تنہائی میں بسر کرتے، اور اُمر کے دواڑ
پر جانا پسند نہ فرماتے تھے۔ مخدوم محمد معین اُن کے علم کا لوازمات تھے، اور اُن کو علم و فضل کے
اعتبار سے بہت سے علماء پر ترجیح دیتے تھے۔ (مقدمہ دراسات اللیب ص ۱۶ بحوالہ تحفہ الکرام
جلد ۳ صفحہ ۱۵۲)

۱۱ میر سعد اللہ بن سید غلام محمد سلونی ۱۲۹۹ھ میں قصبہ سلون کلکٹری الہ آباد میں پیدا ہوئے اور
دہلی نشوونما پائی۔ میر سعد اللہ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم رضا سے جا ملتا ہے۔ ان کے
بھانجے شیخ پیر محمد سلونی اولیائے کبار میں سے تھے۔ میر سعد اللہ کو بچپن ہی سے طلب علم کا ذوق
تھا اور بہت ہی کم عمری میں فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے تھے۔ تبحر علمی کا یہ عالم
تھا کہ منطق، فلسفہ، نیرنجات، سیمیا، ہیما اور کیمیا وغیرہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ انجیل اور
توریت سے آپ اس درجہ واقف تھے کہ اس دور کے پادری آپ سے درس لیتے تھے، عالمگیر
جیسا صاحب علم و فضل بادشاہ اپنے خطوط میں آپ کو ہمیشہ ”سیدی و سندی“ کے القاب سے
مخاطب فرماتا تھا۔ صاحب تصانیف تھے۔ آپ کی تصانیف میں (۱) حاشیہ بر حکمت (۲) رسالہ
کشف الحق (۳) رسالہ چیل بیت مشنوی (۴) رسالہ ثبوت مذہب شیعہ (۵) رسالہ تحفہ الرسول (۶)
حاشیہ معین الوصول (رقعہ) (۷) آداب البحث (منطق) اور (۸) حواشی بر حاشیہ قدیم و جدید وغیرہ ہیں۔
علوم باطنی میں آپ کے شیخ مولانا عبد الشکور تھے۔ جن سے آپ نے خرد، خلافت حاصل کیا تھا
آپ کا شجرہ طریقت یہ ہے۔

بیعت | مخدوم محمد معین نے علوم ظاہری میں کامل دستگاہ حاصل کرنے کے بعد سندھ کے سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور شیخ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی سے بیعت کی جو شیخ سیف الدین سرہندی کے خلفاء میں تھے شیخ سیف الدین سرہندی نے اپنے والد شیخ محمد معصوم نقشبندی سے بیعت و خلافت حاصل کی تھی۔ اور وہ اپنے (بقیہ فوٹو ۲۳۱)

سید سعداشر سورنی۔ مولانا عبد الشکور۔ شاہ مسعود اسفراہنی۔ سید علی۔ جعفر سید ابراہیم۔ سید عبداللہ۔ سید عبدالرزاق۔ سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ میر سعداشر پورب سے حرمین شریفین زیارت و حج کے لئے حاضر ہوئے۔ اور وہاں سے واپسی پر سورت میں سکونت اختیار فرمائی۔ اسی لئے آپ سورتی کہلاتے ہیں۔ ۱۳۲۸ھ میں آپ نے سورت ہی میں وفات پائی۔ اور اپنے مکان کے متصل مغلی سرائیں مدفون ہوئے۔ سید سعداشر نے اپنی وفات کے بعد تین صاحبزادے چھوٹے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) عبد العلی متخلص بہ عروقت (۲) سید عبداللہ (۳) سید عبدالوالی۔

تکملہ مقالات الشعراء میں ہے کہ جب مخدوم ہاشم ٹھٹھوی نے مخدوم ابوالقاسم نقشبندی سے تعین کے لئے عرض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے تعین حاصل کرنے والوں کی صورتیں میرے سامنے پیش کی گئیں ان میں تم نہیں ہو۔ یہ جواب سن کر مخدوم محمد ہاشم نے عرض کیا تو مجھے وہ جگہ بتائیے جہاں میرا شیخ ہے؟ آپ نے فرمایا تم سید سعداشر سورنی کی خدمت میں حاضر ہو، جو علامہ عصر، صاحب ارشاد اور سلسلہ قادریہ کے جلیل القدر بزرگ ہیں۔ آپ کے ارشاد پر مخدوم محمد ہاشم، سید سعداشر سورنی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔

(مقدمہ دراسات البلیب فوٹو نمبر ۱۷۱ بحوالہ مائثر اکرام و تکملہ مقالات الشعراء)

فوٹو فوٹو مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی ۱۳۲۶ھ بحوالہ گلدستہ صلیب سورت

ص ۲۳۲ و مرو آزاد ص ۲۳۶ و مائثر اکرام ص ۲۱۸ و تحفۃ اکرام جلد ۲۔ ص ۲۳۲-۲۳۳

والد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے ممتاز خلفاء میں تھے۔ مخدوم محمد معین ایک طویل عرصہ تک اپنے شیخ مخدوم ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم باطنی میں استفادہ کرتے رہے، اُن کی اپنے شیوخ سے محبت و عقیدت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدت العمر اپنے آپ کو ان بزرگوں کا مرید کہتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو ان کے دروازے کا کتا ہوں۔

صوفی شاہ عنایت سے عقیدت | آخر میں مخدوم محمد معین وحدت الوجود کے نظریہ سے متاثر ہو کر صوفی شاہ عنایت سے متعلق ہو گئے۔ آپ کے شیخ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنے نادانوں کا انہار فرمایا۔ کچھ دن کے بعد مخدوم محمد معین جب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے تو شیخ نے ان کو معاف کر دیا۔ اس معافی کے چند دن بعد ہی مخدوم ابوالقاسم واصل الی اللہ ہوئے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی سے عقیدت | مخدوم ابوالقاسم کی وفات کے بعد وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے زمرہ عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔ وہ شاہ عبداللطیف سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے، اور شاہ بھی اُن کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ اکثر مخدوم محمد معین کی ملاقات کے لئے ٹھٹھہ تشریف لاتے۔ آپ کی تشریف آوری اُردو، فارسی اور سماع کی مجلسیں منعقد ہوتیں۔ مخدوم محمد معین سے حضرت شاہ عبداللطیف کے تعلق خاطر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ مخدوم محمد معین کی وفات کے

لے مقدمہ دراسات البلیب مرتبہ مولانا عبدالرشید نعمانی (ص ۱۱۱) بحوالہ طومار سلاسل مرتبہ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی۔

لے مقدمہ دراسات البلیب ص ۱۱۱

وقت ٹھٹھ ہی میں موجود تھے۔

مدرسہ مخدوم محمد معین کی ذات علوم و فنون کا سرچشمہ تھی، ٹھٹھ میں آپ کا ایک مدرسہ بھی تھا۔ جس میں آپ مختلف علوم و فنون کی تعلیم دیتے اور طالب علموں کے اخراجات خود برداشت فرماتے تھے۔ اس مدرسے کی بدولت سندھ میں علم و فضل کو کافی ترقی ہوئی۔ یہاں کے تعلیم و تربیت یافتہ طلبا ملک میں پھیلے، انھوں نے جا بجا درس گاہیں قائم کر کے علم کی اشاعت میں غیر معمولی حصہ لیا۔ مخدوم محمد معین کے شاگردوں میں میر نجم الدین عزت، مولوی محمد صادق، علامہ محدث محمد حیات سندھی، جعفر شیرازی، شرف الدین علی اور میر مرتضیٰ سیوشتانی مشہور ہیں۔

۱۰ مقدمہ و دراسات البلیب ص ۲۲ بحوالہ مقالات الشعراء

۱۱ مقالات الشعراء ص ۱۲۳

۱۲ میر نجم الدین بن میر محمد رفیع رضوی بھکری، میر محمد یوسف رضوی کی اولاد میں تھے۔ مخدوم محمد معین کے ہم شیر زادے اور خاص تلامذہ میں تھے۔ مخدوم محمد معین کی حیات ہی میں اپنے غیر معمولی تجربہ علمی کی وجہ سے صاحب درس و فتویٰ ہوئے۔ میر نجم الدین کے شاگردوں میں میاں احمد طالب علم اور میاں محمد باقر واعظ نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ میر نجم الدین نے متعدد تصانیف چھوڑیں۔ ان میں ان کا عربی کاوہ رسالہ جو انھوں نے یک روزی منطق کے طرز پر ایک دن میں عربی میں لکھا تھا، مشہور ہے۔ فارسی میں ان کی تصنیف طوطی نامہ کو جس کی عبارت بخشی سے زیادہ شیریں ہے، غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔ شاعری میں عزت تخلص کرتے تھے۔ ان کا دیوان قریب ہی میں سندھی ادبی بورڈ سے شائع ہو رہا ہے۔

میر نجم الدین عزت نے ۱۱۶ھ میں وفات پائی۔ (مقالات الشعراء ص ۳۲، ضمن عزت)

۱۳ مولوی محمد صادق ولد مخدوم عنایت اللہ مخدوم محمد معین کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ علوم عقلیہ میں غیر معمولی تجربہ رکھتے تھے۔ لیکن ساری عمر گوشہ گمانی میں بسر کی اور شہرت کی دولت سے مالا مال نہ ہو سکے۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی کے استاد میاں نعمت اللہ علوم عقلیہ میں ان ہی کے شاگرد تھے۔ شیخ شکر اللہ ناظم بلدہ (ٹھٹھ) اور میرک محمد حسن شیخ الاسلام مولوی محمد صادق کی نہایت تعظیم و توقیر کرتے اور ان کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ (مقالات الشعراء ص ۳۶)

اہل مٹھہ کی عقیدت | مخدوم محمد معین نہایت ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ اُن کی

خدمت میں امیر و غریب سب ہی آتے تھے۔ امراء و اہل دول کا اکثر جھگڑا رہتا، اور وہ آپ کے آستانے کی حاضری کو اپنے لئے باعثِ فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ مٹھہ کا گورنر نواب ہبابت خاں جو اکثر آپ کی خدمت میں عقیدتاً حاضر ہوتا تھا، اسی کی استدعا پر آپ نے ایک کتاب ”حلِ اصطلاحاتِ صوفیہ“

(بقیہ فٹ نوٹس)

۱۷ علامہ محدث محمد حیات بن ابراہیم سندھی کی ولادت سندھ کے کسی قریہ میں ہوئی۔ تحصیل علم کے لئے مٹھہ تشریف لائے اور مخدوم محمد معین سے تعلیم حاصل کی۔ پھر ہجرت کر کے حرمین شریفین تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ میں توپن اختیار کیا۔ ابتداءً شیخ ابوالحسن بن عبدالہادی سندھی کی خدمت میں رہے اور وہاں کے شیوخ حدیث شیخ عبداللہ بن سالم البصری، شیخ محمد ابو طاہر بن ابراہیم کورانی اور ابو الاسرار حسن بن علی الجعفی اور دوسرے اکابر سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ درس کے علاوہ تنہائی کو پسند فرماتے تھے اور ہمیشہ نماز باجماعت مسجد نبوی میں صبحِ اول میں ادا فرماتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح ترغیب و ترہیب، مختصر الزواجر، شرح الحکم العطائیہ و حکم الحدادیہ اور شرح اربعین نور و پیشور میں۔

علامہ محدث محمد حیات سندھی نے ۱۶ صفر ۱۲۶۳ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (دراسات البلیب۔ مقدمہ مولانا نعمانی ص ۵۳ بحوالہ سلک الدہ)

۱۸ محمد جعفر شیرازی بطور سیاحت مٹھہ آئے۔ اور کچھ دن مخدوم محمد معین کے پاس قیام کیا۔ اور آپ سے علمی استفادہ کرتے رہے، مخدوم محمد معین ہی کی سفارش پر یہ شیخ شکر اللہ ناظم مٹھہ کے ذریعے محمد خداداد خاں بن میاں نور محمد کھوڑا والی سندھ کے صاحبزادے کے دربار میں باریاب ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک اس کے مصاحبین میں شامل رہے۔ جب صاحبزادہ محمد خداداد خان باپ سے آزدہ ہو کر ہندوستان چلا گیا اور اس کا بھائی محمد اویاب خان ایران سے اپنے وطن سندھ لوٹا تو اس زمانے میں یہ شیخ شکر اللہ کے قتل کی تہمت میں میاں نور محمد کھوڑا والی سندھ کے عتاب میں آئے۔ یہاں تک کہ اسی غم میں تقریباً بیانی کھو بیٹھے۔ کچھ دن کے علاج معالجے سے آنکھیں بھیجی گئیں اور میاں نور محمد نے ان کو معاف کر کے عزت کے ساتھ اپنے دربار میں رکھ لیا۔ اس کے

کے نام سے لکھی تھی۔ اسی طرح جب نواب سیف اللہ خاں ٹھٹھہ کا گورنر ہوا وہ بھی آپ سے عقیدت اور ربط رکھتا تھا۔

تصانیف | مخدوم محمد معین نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا اور وہ اپنی تصانیف کی وجہ سے بھی منبع فیوض و برکات بنے۔ ان کی تصانیف سے ان کے غیر معمولی تبحر، علم و فضل اور کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے دراست الیب کے مقدمے میں ان کی حسب ذیل تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) رسالہ اویسیہ۔

یہ رسالہ فارسی میں ہے جو مخدوم محمد معین نے شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سوال پر جو آپ نے ان سے اویسی سلسلہ کی تحقیق کے بارے میں کیا

(بقیہ نمٹ نوٹ) بعد یہ اس کے لئے "جفر جامع" کی تالیف میں مشغول ہو گئے۔ قیمت ایک اور کوٹ لی۔ میاں نور محمد کا انتقال ہو گیا اور محمد مرادیاب خاں اس کی جگہ دالی سندھ مقرر ہوا۔ اس نے اپنے باپ سے زیادہ ان کی قدر و منزلت کی لیکن کچھ دن نگزرے تھے کہ ان کو اس کے عتاب کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ مجبوراً عبات عالیات کی زیارت کے لئے رخصت لے کر روانہ ہوئے اور شاہؒ میں راستے میں قتل کر دیئے گئے۔ (تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۷۸-۷۹)

شہ شرف الدین علی نواب ہابرت خاں گورنر ٹھٹھہ کے مصاحبوں میں تھے۔ خدمت اقطاب پر فائز تھے۔ انھوں نے بھی مخدوم محمد معین سے علمی استفادہ کیا تھا۔ مخدوم محمد معین کی تصنیف شیخ "روز صوفیہ" پر ان کا مقدمہ بھی ہے۔ مختلف علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ فارسی کے پختہ گوشتا و تھے اور عارف تخلص کرتے تھے۔ (مقالات اشعار ص ۳۸۲)

شہ میر تقی سیوستان کے ایک نجیب الطرفین سادات کے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ٹھٹھہ میں آکر مخدوم محمد معین سے دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ پھر سیوستان کے عہدہ قضا پر فائز ہوئے۔ میر غلام علی آزاد بکراچی سے ان کے دوستا و مراسم بھی تھے اور یہ شاعری میں ان سے اصلاح بھی لیتے

تھا لکھا ہے۔

- (۲) شرح رموز عقائد رموز صوفیہ۔ یہ رسالہ آپ نے نواب مہابت خان کی استدعا پر لکھا جس پر آپ کے شاگرد رشید شرف الدین علی کا مقدمہ ہے۔
- (۳) اثبات رفع الیدین فی الصلوٰۃ کے سلسلہ میں آپ نے دو رسالے مرتب فرمائے تھے۔ ایک عربی میں اور دوسرا فارسی میں۔

(۴) ایقاظ الوساں

(۵) غایۃ الفسخ لمسئلة النسخ

(۶) رسالہ فی تحقیق اهل البيت

(۷) غایۃ الايضاح فی المحاکمۃ بین النووی وابن الصلاح

(۸) ابواز انصیر للمنصف الخبیر

(۹) افوار الوجد من منہج المجد

(۱۰) رسالہ در بحث تناسخ

(۱۱) رسالہ فی انتقاد الموضوعین من ”فتح التقدیر“

(۱۲) رسالہ فی تحقیق معنی الحديث (لا فورث ما ترکنا صدقة)

(۱۳) مواہب سید البشر فی حدیث الائمۃ الاثنی عشر

(۱۴) قرۃ العین فی ابکار علی الامام الحسین

(۱۵) رسالہ فی بحث حدیث المصراۃ

(۱۶) المجتہ الجلی فی نقض المحکو بالافضلیہ

(۱۷) رسالہ بالاجوبۃ الفاضلہ للامثلۃ العشرۃ الکاملہ

(۱۸) رسالہ فی اثبات اسلام اہل طالب

(بقیہ فوٹو) تھے۔ تاہم تخلص کرتے تھے۔ یہ بیضا میں اُن کے بعض اشارے ہیں (مقالات صفحہ ۵)

(۱۹) دراسات اللیب فی الاسوق الحسنة بالحبیبا (یہ آپ کی سب سے

آخری تصنیف ہے جس کو مولانا عبدالرشید نعمانی نے ایڈٹ کیا ہے، اور سندھی ادبی بورڈ سے شائع ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی بعض کتابیں اور بھی ہیں۔

کبھی کبھی شعر بھی فرماتے تھے۔ فارسی میں آپ کا تخلص تسلیم اور ہندی میں

شاعری | بیراگی تھا۔ ہم تبرکاً آپ کے چند شعر یہاں نقل کرتے ہیں جو مشافہانگی

علیٰ تخیل اور محاسنِ شعری کے آئینہ دار ہیں۔

علی ولی چو امام مبین ماسدہ بود

ہر دن تو سن افلاک زین ماسدہ بود

کہ گفت باد و نے درس ایما امرو

کہ شکل سجدہ بہر سو جبین ماسدہ بود

بریزم میکدہ راز ازل عیاں دیدم

کہ چشم ساقی مادور بین ماسدہ بود

جہان ہوش بخود بردہ آل پریزا

سحر کو یک دکے ہم نشین ماسدہ بود

بزدور بازوئے مستی چو ہستیم بشکت

کر شہادت لکے در کین ماسدہ بود

بشہر عشق ز قوتی بر ربط و طنبور

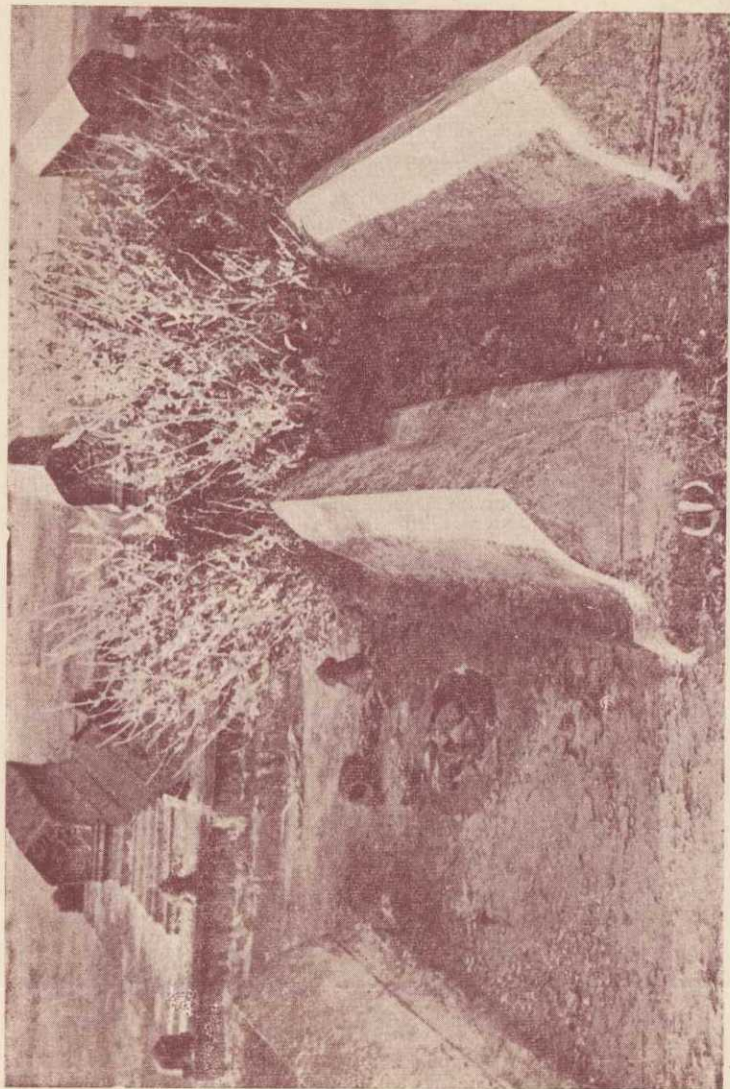
سجدہ کوئے خرابات دین ماسدہ بود

برائے نقش خوش دین جعفری تسلیم

ز جوہر بمن دل لگین ماسدہ بود

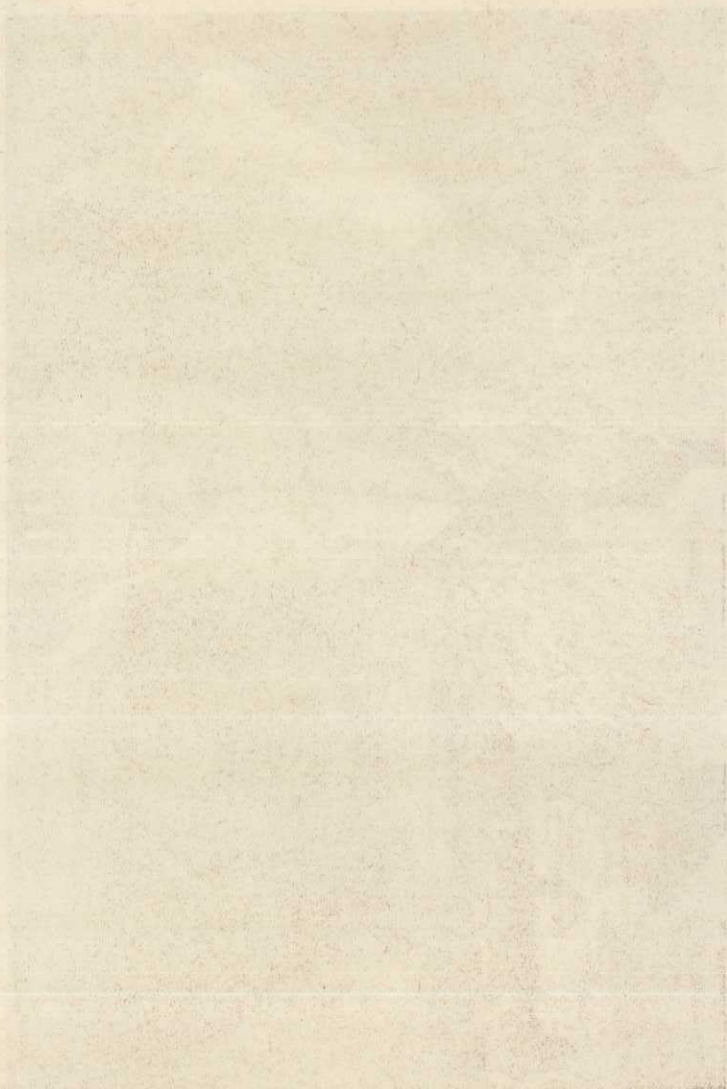
۱۰ محرم نے یہ غزل میر سید محمد عرف میر پھتویٰ غزل کے براب میں لکھی تھی۔

نکھرے ہوئے یک ذرہ خاکی کے حضور آہرے ہوئے لاکھ آفتابوں کو نہ دیکھ



مزار مخدوم محمد معین ٹھٹھوی (واقع مکی - ٹھٹھہ)

جو سندھ میں اپنے علم و فضل، عرفان اور شاعری کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں



Handwritten text in Urdu script, likely a title or description, running vertically along the right edge of the page.

چو آہونا ذریزی از دم مرداں دے دارم
 دریں بیدائے وحشت تاکہ قلاج لے دارم
 خزان کثرت موہوم نتواند خراش من
 کہ رخسار گم کز بحر وحدت شبنم دارم
 ز پیچ و تاب کفر زلف ترسا بچہ شوخ
 پریشان قبلہ گاہم کیش درہم برہم دارم
 ز فریاد نہان و فاش دست غمزہ پردازی
 رباب اضطرابم نغمہ زیر و بے دارم
 بنیادریوزہ کن تسلیم زان "تاجر" کہ می گوید
 ز اسباب جہاں حاصل ہیں جنس غمے دارم

مبادا بیچ کسے خستہ دل زما تسلیم
 کہ زیب خرقہ ماثیوہ کما انداری ست

کیست روباہ کہ از شیر ثریاں صرزد برد
 عقل از چلیقش عشق زبوں می گرد

سگت! اخون دل دادم کہ بامن آشنا گرد
 نہ اسقم ز بخت بد کہ او دیوانہ خواہد شد

لے قاضی عطاء اللہ تاجر بیدادی کی طرف اشارہ ہے۔ جن کی تتبع میں یہ غزل بھی لکھی گئی ہے یہ دونوں غزلیں
 مقالات الشعراء ص ۱۲۶ سے ماخوذ ہیں لے مقدمہ و اسات اللیبب بحوالہ روز روشن ص ۱۰۳

علوم مرتبت | مخدوم محمد معین اُن بزرگوں میں تھے کہ بعض مسائل میں وہ
انفرادی مسلک رکھتے تھے۔ جن سے علماء کو سخت اختلاف
تھا لیکن اس پر بھی اُن کے تذکرہ نگار اور اُس دور کے جلیل القدر علماء باوجود اختلاف
مسلک کے اُن کی عظمت اور علمی تبحر کے معترف ہیں۔

صاحب مقالات الشعراء نے ان کے علوم مرتبت کا اعتراف ان الفاظ میں
کیا ہے :-

جامع علوم معقول ومنقول، حاوی معالوفروع
واصول، کاشف حقائق علمی و عملی، شارح دقایق
صوری و معنوی، علامہ عصر، تحریر وقت، مظہر انوار
حقائق ربانی، مہبط آثار معارف سبحانی۔ بیت
آنکہ آمد راست بر بالاش تشریف علوم
مائیش کس نیست در معقول الالبوعلی

مخدوم ابراہیم خلیل صاحب تکریم مقالات الشعراء نے مخدوم محمد معین کو ان الفاظ
میں سراہا ہے :-

عمدة العلماء الربانین، قدوة المفسرین و
المحدثین المخدوم مخدوم محمد معین قدس سرہ
نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتاب دلیل الطالب علی اربع المطالبات
میں انھیں شیخ علامہ ادیب محمد معین کے لقب سے یاد کیا ہے۔

۱۱ مقالات الشعراء ص ۱۳۱ مخدوم محمد ابراہیم خلیل صدیقی بن مخدوم عبدلکریم ٹھٹھ کے رہنے والے تھے۔
آپ کی ولادت ماہ جمادی الاول ۱۲۳۳ھ میں ہوئی صاحب علم و فضل و رفاری کلمہ مشق شاعری تھے بندہ کی آخری درجہ
فارسی گوشتوار کا تذکرہ تکریم مقالات الشعراء خلیل کی یادگار ہے خلیل نے ۱۳۳۳ھ میں وفات پائی (تکریم مقالات الشعراء ص ۱۳۲)

سید نذیر حسن محدث دہلوی نے مخدوم محمد معین کی کتاب در اسات البلیب پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مخدوم محمد معین اپنے زمانے کے بڑے محقق ہیں، اور ان کی کتابیں پر بڑی وسیع نظر ہے۔

مخدوم مولانا محمد ہاشم کے پوتے علامہ ابراہیم ٹھٹھوی نے باوجود اس کے کہ ان کو بہت سے مسائل میں مخدوم محمد معین سے اختلاف تھا۔ بلکہ مخدوم محمد معین کے رد میں انھوں نے کتاب قطاس المستقیم لکھی تھی۔ اس اختلاف مسائل و فکر پر بھی ان کے فنی کمال اور مہارت علمی کا اعتراف کیا ہے۔ قطاس مستقیم میں ایک جگہ انھوں نے لکھا ہے۔

| | |
|---------------------------------|---|
| انہ کان یری فی مدۃ عمرہ | وہ (مخدوم محمد معین) ساری عمر |
| کتب علم الفلسفۃ والنجوم و | فلسفہ، نجوم اور موسیقی کی کتابوں کا مطالعہ کرتے |
| الموسیقی و صنف فیہا و فی الیمیا | رہے اور انھوں نے ان علوم میں اور ان کے |
| و ادیکمیا و الہیمیا وغیرہا۔ | علاوہ ریما، کیما اور ہیمیا پر کتابیں لکھیں۔ |

شیخ فقیر اللہ علی شکار پوری جو اپنے وقت کے عارف کابل اور شیخ طریقت تھے ان کے مکتب کا مجموعہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے، اس میں پانچ مکتوب مخدوم محمد معین کے نام ہیں۔ اس مجموعہ کے چوبیسویں اور پچیسویں خط میں آپ نے مخدوم محمد معین کو عالم ربانی سے مخاطب فرمایا ہے۔

وفات مخدوم محمد معین نے ۱۱۶۱ھ کو عین مجلس سماع میں وفات پائی۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی سے آپ کو غیر معمولی عقیدت و محبت تھی، اور شاہ صاحب بھی آپ سے انتہائی خلوص و محبت رکھتے تھے۔ وفات

لے مخدوم ابراہیم بن مخدوم عبداللطیف بن مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، ادیبائے کالمین اور علمائے رفیعین میں سے تھے ۱۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے، خواجہ صفی اللہ کابل سے بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا اور ۱۲۱۵ھ میں بقاؤ ثانی علامہ کچ میں وفات پائی، آٹھ سو تین کلمہ مقالات الشعراء مرتبہ سید حامد الدین صلیب شری ۱۲۵۱ھ

ایک دن پہلے شاہ عبداللطیف نے اپنے وطن میں اچانک اپنے مریدوں سے فرمایا، چلو ہم اپنے دوست سے آخری ملاقات کر لیں۔ پھر آپ ٹھٹھہ تشریف لائے۔ آپ کے تشریف لانے پر محفل سماع منعقد ہوئی، اس محفل میں مخدوم محمد معین بھی شریک تھے محفل سماع شباب پر تھی۔ عین سرمستی اور ذوق کے عالم میں مخدوم محمد معین اٹھے اور اندر تشریف لے گئے اور اسی عالم میں واصل الی اللہ ہوئے اور ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مٹکی میں اپنے شیخ مخدوم ابوالقاسم کی پابنتی مدفون ہوئے۔ شاہ عبداللطیف نے تجنیف و تکفین میں شرکت فرمائی۔ جب ٹھٹھہ سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا ٹھٹھہ میں ہمارا آنا صرف اس (عزیز دوست) کے لئے تھا، آج یہ بھی ختم ہوا۔

تاریخہائے وفات | مخدوم محمد معین کی وفات پر علمی دنیا میں صدف ماتم بچھ گئی۔ ٹھٹھہ کا ہر شاعر، ادیب، اہل علم اس صدمے سے متاثر تھا۔ مختلف شعراء اور اہل کمال نے تاریخہائے وفات کہہ کر مخدوم موصوف کو خراج عقیدت پیش کیا۔

سندھ کے مشہور شاعر محسن ٹھٹھوی نے اپنے قطعہ تاریخ میں اس طرح سوز و غم

۲۲۹
۲۳۱

سندھ کا مشہور شاعر محمد محسن ولد نور محمد ٹھٹھہ کا رہنے والا تھا، اس کا خاندانی پیشہ ریشم فروشی تھا۔ لیکن فطری ذوق شاعری نے اُسے اس پیشے کی طرف متوجہ ہونے نہ دیا، میر لطف علی خان بہت گورنر ٹھٹھہ کی سرپرستی و تربیت نے محسن کے جوہر شاعری کو خوب نکھارا، اور اہل کمال کی صحبت نے اس کے فن شاعری کو اور بھی چار چاند لگائے۔ یہاں تک کہ شعر میں اس قدر ترقی کی کہ صاحب مقامات اشعار کا بیان ہے کہ کمال شاعری، لطافت سخن اور ملاحظت کلام میں کوئی اس کا حریف نہ تھا۔ اس کی خوش نصیبی کی انتہا یہ تھی کہ اس کا کلام اس کی زندگی میں عالمگیر مقبولیت حاصل کر چکا تھا اور لوگ دُور دُور سے اس کے کلام سے واقف ہو کر اس کے اشعار کو نقل کرنے کے لئے آتے تھے۔ لیکن ہمیشہ وہ اپنے وطن میں ناقدی کا شکار رہا۔ اس پر بھی وہ سرشار و سرخوش زندگی بسر کر کے زمانے

کا اظہار کیا ہے۔

عارفِ دین معینِ حقِ مخدوم
 آں کہ در عشقِ جملہ تن دل شد
 نورِ ذہنش بشکلاتِ علوم
 در شبِ چہل بدرِ کابل شد
 با کمالاتِ ظاہری از فکر
 باطنش مظہرِ فضائل شد
 بنگاہی کہ کرد شاہِ غیب
 عینِ او گشت و سوئے منزل شد
 لاجرم سالِ فوت او گفتند
 ”قطرۂ دُر بہ بحرِ دہل شد“

۱۱۶۱ھ

بقیہ فٹ نوٹس کی تلخیص کو فراموش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔
 آخر میں میاں نور محمد کھورو والی سندھ نے اپنے دورِ حکومت میں محسن کا آٹھ آنے بومیہ
 وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ جس پر وہ ہمیشہ قانع رہا۔ صاحبِ مقالات الشعراء نے محسن کی حقیقتِ یل
 تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) عقد دوازہ گوہر

(۲) طرزِ دانش

(۳) اعلامِ قائم مشہور بہ حجازِ حسینی (تقریباً دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے)

(۴) دیوانِ غزلیات

(۵) دیوانِ قصائد

(۶) بیاضِ محکمِ کمال (یہ کتاب محسن نے میاں نور محمد والی سندھ کے نام معنوں کی تھی۔
 محسن نے ۲۰ شوال ۱۱۶۳ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۴۲ سال کی

تھی۔ (مقالات الشعراء ص ۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵)

معین اہل حق محند دم دوراں
 دلیل قاطع بر عسل چوں سیف
 کہ چوں خورشید طبعش گرم گشتے
 شائے سامعان دم میزد از حیف
 ازین محنت سر مردانہ در دم
 بہماں خانہ حق رفت چو ضیف
 بدل گفتم اگر عرفاں شناسی
 بگو زین درد تاریخی بہر کیف
 دو مدّ آہ دل پیہم زد و گفت
 ”معین دین احمد“ رفت صد حیف

۱۱۶۱ھ

قانع ٹھٹھوی کے استاد میاں نعمت اللہ نے اپنے تاسف کے جذبات کو
 اس طرح نظم کی صورت عطا فرمائی۔

اے کہ در حضرت عزت شدہ قامت مقبول
 روح فرخندہ تو یافت بفسر دوس نزول
 بے تو ماتم زدگانند حشرات یکسر
 بے تو در رونق علم است غلامات خمول
 سال تاریخ وفات ز خرد پُرسیدم
 دست بردست زناں گفت ”شیفیع تو رسول“

۱۱۶۱ھ

اے دریغ از قضیہ وحشت اثر
 رحلتِ آں جان تبارِ اہل بیت
 آں معین الحق و مخدوم الانام
 بادِ روش در جوارِ اہل بیت
 سالِ فزتش را چنین گفتا خرد
 وہ چہ بود او دوستدارِ اہل بیت

ٹھٹھ کے مشہور شاعر محمد پناہ رجا ٹھٹھوی نے اپنے دردِ عالم کو اس طرح اشعار
 کے سانچے میں ڈھالا ہے۔

مخدوم حق کہ بود بدینا معین دین
 در ماتمش دلی ہمہ مومن حزینِ اوست
 و احسرتا چہ ماتم یک حشرِ آفت است
 ہر یک جدا جدا دلِ اندوہگینِ اوست
 ایں ماتمے ست عام کہ عالمِ فگارِ اوست
 خاص از برائے خاطرِ ہر ہمنشینِ اوست
 آمد بسالِ رحلتِ او ایں ندا ز غیب
 "تاجی شد او کہ آلِ محمد معینِ اوست"

۱۱۶۱ھ

۱۔ محمد پناہ رجا ٹھٹھ کا بلند پایست عارفِ شعر میں میر حیدر الدین ابوتراب کاہل کاشگور
 نقرار اور اہل اللہ کا بیحد معتقد تھا۔

(۳۵)

مخدوم محمد زماں اول

نام و خاندان | آپ کا ہم گرامی محمد زماں لیکن آپ شہور خواجہ کلاں کے لقب سے ہیں۔ آپ کے والد کا اسم گرامی شیخ حاجی عبداللطیف نقشبندی ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ خواجہ عبدالسلام ساکن جون کی صاحبزادی تھیں آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ صدیقیوں میں یہ خاندان سب سے پہلے ہمدی یا ہارون کے زمانے میں سندھ آیا۔

مخدوم محمد زماں اول کے والد ماجد شیخ عبداللطیف خود بھی صاحب زہد و ورع، علم و فضل سے آراستہ اور بلند پایہ بزرگ تھے، وہ مخدوم آدم کے صاحبزادہ خواجہ فیض اللہ سے بیعت تھے۔ اور خواجہ حافظ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی سے بھی غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ ان کی تربیت باطنی میں مخدوم خواجہ ابوالقاسم نقشبندی کا بھی بڑا حصہ تھا۔

ولادت | حضرت مخدوم محمد زماں اول کی ولادت باسعادت ۲۱ رمضان ۱۱۲۵ھ کو سندھ کے ایک قصبہ لواری میں ہوئی۔ "من عبادنا المخلصین" سے آپ کا سال ولادت نکلتا ہے۔ بچپن ہی سے آپ کے چہرے سے انوار ولایت و معرفت درخشاں تھے۔

تعلیم | آپ نے علوم ظاہریہ کی تعلیم مٹھہ میں مولانا محمد صادق سے حاصل کی جو ایک متبحر عالم تھے۔

بیعت

علوم ظاہری میں آپ ابھی تو ضیعہ تو بیع ختم کرنے پائے تھے کہ اتفاقی طور پر آپ کی ملاقات ٹھٹھہ کے مشہور بزرگ حضرت ابوالسائین ٹھٹھوی سے ہوئی۔ حضرت ابوالسائین نے پہلی ہی نظر میں آپ کے جوہر قابل کو پرکھ لیا۔ نہایت شفقت سے ملے، اور آپ کو اپنی خانقاہ میں لائے۔ اور متعدد ملاقاتوں میں

۱۔ حضرت ابوالسائین کا اہم گرامی محمد تھا۔ یہ مخدوم آدم کے فرزند مخدوم محمد شرف کے صاحبزادے ہیں۔ چونکہ مجید فیاض و سخی تھے، اور سائین پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے۔ اس لئے ابوالسائین کے لقب سے مشہور ہوئے، ابوالسائین کے شیخ خلیق شیخ ابوالقاسم تھے حضرت ابوالسائین دہلی میں حضرت خواجہ محمد میر کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے جو خواجہ ابوالعلی کے صاحبزادے اور حضرت محمد نقشبند ثانی کے نواسے تھے اور وہاں کی مسند رشد و ہدایت پر متمکن تھے اور جن کی خدمت میں حاضری کو شان و بخت اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ایک روز حضرت ابوالسائین حضرت خواجہ محمد میر کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کی خانقاہ کے قریب سے بادشاہ کی سواری گزری۔ لوگ خانقاہ کی دیوار پر بیٹھے ہوئے بادشاہ کی سواری کا نظارہ دیکھ رہے تھے کہ خانقاہ کے بعض درویشوں کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش وہ بھی بادشاہ کی سواری کو دیکھ سکتے، آپ نے ان کی تمنا کو محسوس کر لیا اور فرمایا کہ جو کوئی بھی بادشاہ کی سواری دیکھنا چاہتا ہے وہ چلا جائے، میری طرف سے اجازت ہے۔ سوئے حضرت ابوالسائین کے نام درویش اٹھ کر چلے گئے، صرف تنہا آپ باقی رہ گئے۔ خواجہ محمد میر نے آپ سے فرمایا کہ تم مسند کے رہنے والے ہو، تم نے بادشاہ کی سواری کبھی نہ دیکھی ہوگی، جاؤ تم بھی دیکھ لو۔ آپ نے فرمایا کہ میں جس بادشاہ کے پاس آیا ہوں، اس کے پاس بیٹھا ہوں۔ مجھے کسی دوسرے بادشاہ کے دیکھنے کی ضرورت نہیں، حضرت ابوالسائین کا بیان رہے کہ آپ میرے اس جواب سے اس قدر خوش ہوئے اور میرے حال پر اس قدر توجہ فرمائی کہ اگر میں دس سال بھی عبادت کرتا تو شاید شیخ کی نظر عطاوت کو اس درجہ حاصل نہ کر سکتا۔ آپ نے مجھے خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد آپ حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ حج کے بعد پھر آپ نے اپنے اہل عیال کے ساتھ چند روز کے لئے سندھ تشریف لائے اور تقسیماً پندرہ روز قیام فرمایا۔

آپ کو حصول معرفت الہی کی طرف توجہ دلائی، یہاں تک کہ آپ ترک تعلیم کر کے حضرت ابوالمساکین کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے، بیعت ہونے کے بعد تقریباً چھ ماہ تک اپنے شیخ کی خدمت میں ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔

خلافت چھ ماہ کے بعد حضرت ابوالمساکین نے آپ کو خلافت عطا فرماتے ہوئے اپنی دستار مبارک آپ کے سر پر رکھی، آپ کو یزید از بھی بخشا کہ آپ کے جوتے سیدھے کئے اور اپنے مریدوں کو آپ سے بیعت کرایا۔

لواری میں تشریف آوری ۱۱۵ھ میں آپ اپنے وطن لواری میں تشریف لا کر زینت آرائے مسند ارشاد و ہدایت ہوئے

جس زمانے میں کہ آپ لواری تشریف لائے یہ قصبہ ویران ہو رہا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کی زمین شور تھی، اور جنوبی دریائے سندھ کے ٹخ بدل لینے کی وجہ سے قصبہ کے تمام کنوؤں کا پانی کھارا ہو چکا تھا، لوگ پانی کی دقت کی وجہ سے آہستہ آہستہ دوسرے قصبوں اور شہروں میں منتقل ہو رہے تھے۔ آخر میں صرف آپ کے والد ماجد حاجی عبداللطیف اس قصبہ میں رہ گئے تھے جو کسی صورت میں بھی ترک وطن نہ کرنا چاہتے تھے، جب تک کہ آپ کے والد حیات رہے، آپ بھی قدیم لواری میں مقیم رہے۔ لیکن اپنے والد کی رحلت کے بعد آپ نے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی اور اس جدید شہر کا نام بھی لواری رکھا، اور اس میں منتقل ہو گئے۔

(بقیہ فٹ نوٹ) پھر آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے، اور وہیں آپ نے ۱۲۹ھ میں مرض پہل میں وفات پائی اور جنت المعلىٰ میں مدفون ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مزار مبارک ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے دروازے کے داہنی جانب واقع ہے۔ (مرغوب الاحباب قلمی تذکرہ حضرت ابوالمساکین ٹھٹھوی)

لئے لواری سندھ کے تعلقہ بدین میں ایک قصبہ ہے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی حاضری | ایک دفعہ سندھ کے مشہور صوفی اور عظیم المرتبت شاعر حضرت سید

شاہ عبداللطیف بھٹائی آپ کی زیارت کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جب دروازے پر پہنچے تو خادم کے ذریعے حاضری کی اجازت طلب کی، خادم نے اندر جا کر آپ کو اطلاع دی۔ فرمایا کہ وہ سید ہیں میں خود اُن کے استقبال کے لئے آتا ہوں، خادم جس وقت یہ جواب لے کر آیا تو شاہ نے پوچھا کہ حضرت اس وقت کیا کر رہے تھے؟ خادم نے جواب دیا کہ آپ پر سکوت کا عالم طاری تھا۔ شاہ نے فرمایا کہ وہ جس عالم میں ہیں وہ اُسے چھوڑ کر کہاں ہماری طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ چلو میں خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، یہ کہہ کر آپ اندر داخل ہوئے جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو سندھی کا ایک شعر پڑھا، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

راہِ سفر پر روانہ ہو گئے

میں اُن کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا ہوں

آپ نے اُس کے جواب میں سندھی کے چند شعر پڑھے، جن کا حاصل

یہ ہے۔

اُن کے پاس جا کر بیٹھو جن کے ہاتھ میں ایسا قلم ہے جو تقدیر

بدلتا ہے۔

وہ لوگ وہی ورق پڑھاتے ہیں جس سے محبوب کا مشاہدہ ہو

شاہ کی عقیدت | حضرت مخدوم زماں شاہ اول سے شاہ لطیف کا عقیدت

و محبت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ

حضرت مخدوم کی شان میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

میری ماں! میں نے وہ لوگ بھی دیکھے ہیں، جنہوں نے محبوب کو کھاتھا

میں اُن کی تعریف کن الفاظ میں بیان کروں۔

مریدوں کی تربیت | مریدوں اور طالبانِ حق کے ترکیبِ نفس کا خصوصیت سے خیال فرماتے تھے۔ شیخ سدہ قودا کا بیان ہے۔

کہ حضرت مخدوم موسیٰ گراما میں صبح کے حلقے کے بعد دالان میں تشریف فرما ہوتے۔ آپ کے مرید اور عقیدت مند آپ کے سامنے بیٹھتے، یہاں تک کہ آپ کے حجرہ مبارک تک لوگ بھر جاتے، پھر آپ اور آپ کے مریدین مراقبے میں مستغرق ہوتے اور ان پر محویت اور استغراق کی یہ کیفیت ہوتی کہ چلچلاتی ہوئی دھوپ سروں پر پڑتی رہتی مگر مطلقاً کسی کو احساس نہ ہوتا تھا۔ تقریباً چاشت کے وقت تک یہ مجلس طول کھینچتی تھی۔ جب لوگ مراقبے سے فارغ ہو کر اٹھتے تو زمین پسینے سے تر ہو جاتی تھی۔

شب بیداری | آپ کی خانقاہ میں شب بیداری کا خاص طور پر اہتمام ہوتا تھا۔ آپ نے ایک آدمی کو مقرر فرمایا تھا کہ وہ رات کو مقررہ وقت پر عبادتِ الہی کئے لئے لوگوں کو بیدار کرے۔

ایک روز رات کو خانقاہ میں بعض لوگوں کو سوتا ہوا دیکھ کر نہایت متاسفانہ لہجے میں فرمایا، افسوس ہے کہ یہ لوگ اس طرح بے خبر سو رہے ہیں جس طرح سوداگر گھوڑے بیچ کر بے خبر سوتے ہیں۔

خواجہ محمد عیسیٰ دشتی کی روایت ہے کہ ایک رات مجھ پر نیند کا سخت غلبہ ہوا۔ میں نے مسجد کے فرش کو اکٹھا کیا اور اُسے پیٹ کر تنکے بنا کر سو رہا۔ صبح کے حلقے کے بعد حضرت مخدوم نے اس فرش کو لپیٹے ہوئے دیکھا، اپنے دست مبارک سے کھولا اور بچھا دیا۔ جب آپ خانقاہ میں تشریف لائے تو مجھ سے پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ رات

اسم یہ تمام تفصیل مرغوب الاحباب قلی تذکرہ خواجہ محمد زماں سے لی گئی ہے۔ اس میں جو اشعار آئے ہیں وہ سب سندھی میں ہیں یہاں اُن کا ترجمہ دے دیا گیا ہے۔

مجھ پر نیند کا بید غلبہ تھا۔ میں نے اس فرش کو لپیٹ کر تکیہ بنا لیا تھا۔ آپ نے فرمایا بابا تم یہاں سونے کے لئے نہیں آئے ہو۔

اتباعِ شریعت | حضرت مخدوم اتباعِ شریعت کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ اور مریدوں کی تربیت میں بھی ہمیشہ اس کی کوشش

فرماتے کہ احکامِ شریعت پر اور سنتِ نبوی پر پورا پورا عمل کیا جائے۔

ایک دفعہ حافظ صدیق الدینؒ سے مخدوم علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد کسی نے آپ کے اوصاف کے متعلق پوچھا، فرمایا کیا پوچھتے ہو حضرت مخدوم تو اتباعِ رسول اکرمؐ کا عجم پکیرتے تھے، اور آپ کے مُرید بھی اتباعِ رسول اکرمؐ میں آپ کے نقشِ قدم پر تھے۔ پھر اس کے بعد فرمایا، جب آپ بیتِ انظار کے لئے تشریف لے جاتے تو میں آپ کے ساتھ جاتا، اتفاقاً ایک دفعہ راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کو اٹھا لوں، آپ نے مجھے منع فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے اٹھا لینے میں کیا حرج ہے۔ فقہا کا فتویٰ تو یہ ہے کہ اگر بڑی ہوی چیز کا مالک نہ ملے تو وہ کسی مسکین کو دے دینی چاہیے۔ مجھے بھی اگر اس کا مالک نہ ملا تو میں خیرات کر دوں گا فرمایا، یہ صحیح ہے لیکن اس کا اٹھانا خلافِ مستحب ہے۔ آج ترکِ مستحب کرو گے کل ترکِ سنت پر آمادہ ہو گے۔ اس کے بعد ترکِ فرض کی نوبت آئے گی اور ترکِ فرض بعض مرتبہ انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

جو دوسخا | جو دوسخا کا یہ عالم تھا کہ حضرت مخدوم نے کبھی گھر میں بچا کر کچھ نہیں رکھا۔ جس روز آپ نے رحلت فرمائی اُس روز بھی

لے حافظ صدیق الدینؒ حضرت مخدوم محمد زماں اول کے مریدوں میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ یہ ساہا سال حضرت مخدوم کی خدمت میں رہے۔ وضو کی خدمت حافظ صاحب سے مطلق تھی حضرت مخدوم کے وصال کے بعد چالیس سال حیات رہے (مغربِ الاعباب قلمی تذکرہ حضرت محمد مخدومؒ ماں اہل)

آپ کے گھر میں کچھ نہ تھا۔

وفات حضرت مخدوم زماں ۶۳ سال کی عمر میں ۴ ذیقعدہ ۱۰۸۸ھ میں چاشت کے وقت واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار مبارک لواری میں مرجع خاص و عام ہے۔

خلفاء و مریدین آپ کے خلفاء و مریدین کی تعداد کثیر ہے۔ ان میں شیخ عبدالرحیم گڑھوی، شیخ محمد صالح، شیخ شعیب، حافظ عبدالماکٹ معروف برسائیں دنہ، حافظ صدر الدین اور حافظ کبیر مشہور ہیں، صاحب مرغوب الاحباب نے اپنی کتاب مرغوب الاحباب میں تفصیل سے آپ کے مریدین و خلفاء کے حالات لکھے ہیں، ہم نے ان میں سے چند حضرات کے نام یہاں درج کر دیئے ہیں۔

اولاد آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت محبوب الصمد خواجہ گل محمد مندرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ خواجہ گل محمد کی ولادت باسعادت ۱۰۸۸ھ میں ہوئی۔ اور ۱۰۸۹ھ ربیع الآخر ۱۲۱۸ھ کو آپ نے وفات پائی و قاضی اللہ امر سے آپ کا سہ وفات نکلتا ہے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد زماں ثانی اپنے بزرگوں کے جانشین ہوئے۔ مخدوم محمد زماں ثانی نے ۱۲۲۲ھ میں وفات پائی۔

۱۲۷۳ھ لے حضرت مخدوم محمد زماں اول کے تمام حالات مرغوب الاحباب: رنبا قطاب قلبی مرتبہ نظر علی تالیف سے لئے گئے ہیں لے مخدوم محمد زماں ثانی کا سہ وفات تحفۃ اکرام جلد ۳ ص ۱۶۹ سے لیا گیا ہے۔

(۴۶)

پیر محمد راشد

نام و نسب | آپ کا اسم گرامی محمد راشد، آپ کے والد ماجد کا نام نامی سید محمد بقا تھا۔ آپ کے جدِ اعلیٰ سید علی مکی تھے۔ جن کا اجمالی تذکرہ حضرت شاہ صدر کے حالات میں گزر چکا ہے۔

پیر محمد راشد کے والد سید محمد بقلی ولادت با سعادت یکم شعبان ۱۳۵ھ کو رسول پور عرف ساندی (علاقہ ریاست خیرپور) میں ہوئی، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد سید محمد بقا نے مختلف سلسلوں کے بزرگوں سے روحانی فیوض حاصل کئے، سلسلہ قادریہ میں انھوں نے سید عبدالقادر حسینی سے اکتساب فیض کیا۔ جو حضرت شیخ سید صالح شاہ قادری کے مرید و خلیفہ تھے۔

سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ میں اُن کے رہبر طریقت مخدوم محمد اسماعیل ساکن موضع پریاں کو تعلقہ روہڑی تھے، جنھوں نے ۱۴۴ھ میں وفات پائی۔

آپ کے سلسلہ چشتیہ کا تسلسل مخدوم محمد اسماعیل پریاں لونی، حضرت خواجہ جمال اللہ شیخ حاجی ایوب، شیخ سعدی لاہوری اور حضرت شیخ سید آدم بنوری سے حضرت مجدد الف ثانی تک اور حضرت مجدد الف ثانی کے بعد، حضرت شیخ رکن الدین گنگوہیؒ،

۱۔ حضرت شیخ رکن الدین، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے تھے۔
۲۔ مرہادی الاول ۱۲۸۶ھ کو آپ کی ولادت قصبہ شاہ آباد میں ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالقدوس کے حالات پر آپ کی کتاب رطائف قدوسی مشہور ہے۔ (رطائف قدوسی ص ۳)

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت شیخ احمد عبدالحق ردو لوی اور حضرت شیخ جلال بانی پتی کے توسط سے حضرت خواجہ معین الدین سے جا ملتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کا تسلسل مخدوم محمد اسماعیل پریاں لوی کے واسطہ سے حضرت مجدد الف ثانی تک اور حضرت مجدد الف ثانی کے بعد حضرت خواجہ بانی باللہ، خواجہ امکنلی درویش محمد، خواجہ محمد زاہد، خواجہ عبید اللہ احرار اور خواجہ یعقوب چرنی کے ذریعہ سے حضرت خواجہ بہار الدین نقشبندی سے جا ملتا ہے۔ آپ کے طریقت کے یہ تینوں سلسلے سید علی گوہر حسینی نے اپنی کتاب خزینۃ المعرفت (قلمی) ص ۸۰-۹۰ پر مفصل درمسل نقل کئے ہیں

آپ کا اسم گرامی شیخ عبدالقدوس، آپ کے والد کا نام شیخ اسماعیل اور دادا کا نام قاضی صفی دہشتی تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب تیس واسطوں سے حضرت امام ابو حنیفہ سے جا ملتا ہے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت شیخ محمد ردو لوی کے مرید اور ممتاز خلفاء میں تھے۔ سلسلہ صابریہ میں جو عظمت و شہرت حضرت شیخ کو حاصل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ شیخ عبدالقدوس ابتداءً ردو لوی ضلع بارہ بنگی میں مقیم تھے۔ ۹۱-۱۲۹۰ء میں جب ردو لوی کے حالات خراب ہوئے اور کفار کا غلبہ ہوا، شعرا اسلام مٹائے گئے، یہاں تک کہ سور کا گوشت بازاروں میں فروخت ہونے لگا تو آپ ترک وطن کر کے شاہ آباد تشریف لائے، جہاں آپ نے اڑتیس سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب افغانوں کی حکومت ختم ہوئی اور ہندوستان میں بابر کا تسلط ہوا۔ اور شاہ آباد برباد و ویران ہوا تو آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ گنگوہ تشریف لائے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ملک عثمان کرانی جو گنگوہ کے رہنے والے اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مخلص سید تھے ان کی بڑی آرزو یہ تھی کہ اگر حضرت شیخ کے کوئی صاحبزادے گنگوہ میں قیام فرمائیں اور اس کو اپنا وطن مان لیں تو ان کی انتہائی خوش نصیبی ہوگی۔ وہ اپنی اس تمنا کا اظہار کئی مرتبہ حضرت شیخ سے کر چکے تھے۔ آخر حضرت شیخ نے شیخ رکن الدین کو حکم دیا کہ وہ گنگوہ میں اقامت اختیار کریں۔ چنانچہ آپ کے ارشاد پر شیخ رکن الدین اور ان کے دوسرے بھائی گنگوہ تشریف لے گئے۔ ملک عثمان کرانی نے ان کے بھرنے کا انتظام گنگوہ کے محلہ سر میں کیا اور خیمے نصب کئے اور خاطر و مدارات میں کوئی کسر

حضرت سید محمد بقا نے قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ خاندان کے سرچشموں سے فیضیاً ہو کر سندھ میں عرفان و تصوف کی دولت کو عام کیا، اور اپنی پوری زندگی رشد و ہدایت اور اعلیٰ کلمۃ الحق میں صرف کی۔ وہ اپنے زمانے کے نہ صرف عارفِ کامل اور عظیم المرتبت

(بقیہ فٹ نوٹس) اٹھا کر نہ رکھی۔ لیکن حضرت شیخ رکن الدین اور ان کے بھائیوں کا وہاں دل نہ لگا۔ وہ چند روز گنگوہ میں ٹہرے اور پھر شاہ آباد چلے آئے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر ایک روز حضرت شیخ نے عالم کشف میں معلوم کر کے اپنے صاحبزادوں سے فرمایا، گنگوہ کو مت چھوڑو، آخر کار تمہیں وہیں رہنا ہے۔ غالباً اسی واقعہ کے چند روز بعد حضرت شیخ کی بیوی نے جو نہایت عابدہ و زاہدہ، بی بی تھیں، ایک رات شاہ آباد میں تہجد کی نماز کے بعد مصیبت پر بیٹھے ہوئے عالم بیداری میں دیکھا کہ خراسان سے ایک اُگ اٹھی ہے جو ہر تر و خشک کو جلاتی ہوئی جلی آ رہی ہے۔ صبح کو انھوں نے یہ واقعہ اپنے تمام صاحبزادوں سے بیان کرنے کے بعد فرمایا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی باران نہ ہونے والی ہے۔ تم سے جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔ شیخ رکن الدین کلیان ہے کہ اس کے چند دن بعد ہی غلوں کی تاخت و تاراج شروع ہوئی۔ بابر کی آمد کی خبر جیسے ہی مشہور ہوئی تھی، ہر جگہ کے آدمی بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور لوٹ مار شروع ہو جاتی تھی، اس زمانے میں ہم لوگ گنگوہ ہی میں پناہ لیتے تھے، چنانچہ ابراہیم لودھی کی ہزیمت سے ایک سال پہلے حضرت شیخ نے گنگوہ کو اپنا وطن بنالیا تھا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس ابتداً سیاست میں حصہ نہ لیتے تھے۔ لیکن حالات کے لحاظ سے بعد میں آپ کو سیاست میں حصہ لینا پڑا۔ آپ نے اس دور کے سلاطین سے ربط قائم کیا۔ مکاتیب قدوسیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سکندر لودھی اور بابر جیسے شاہانِ وقت کو خط و کتابت کی۔ جن میں ان کو غمخوار بنی خلق، علماء کا احترام، عدل و انصاف اور احکامِ شریعت کی پابندی کی طرف توجہ دلائی۔ بابر کو ایک خط میں نصیحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

باید و سزد کہ برائے شکر نعمت منعم سایہ عدل بر عالمیاں
چنان کشد، بیج کس بر بیج کس ظلم نہ کند و ہمہ خلق و ہمہ
سپاہ باو امر و نواہی شرع مستقیم و مستدیم بوند - نماز بمجاہت

عالم تھے، بلکہ سندھی زبان کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔

۹ ربیع الثانی ۱۹۵۸ء میں سید محمد بقا کتابوں کا ایک گٹھاسر پر رکھے ہوئے تشریف لئے جارہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے اس گٹھے کو مال و دولت کا انبار (بقیہ فٹ نوٹس) ۲۶۵

بگذازند، و علم و علما را دوست، و در بازار ہر شہرے محتبا
بگردآند، تا شہر و بازار را بجال عدل شرع محمدی بیارایند، و
روشن و منور گردانند، چنانکہ در عہد سلف و خلفائے راشدین
با جمیع شرائط بے شبہ بود۔

ان کے علاوہ آپ نے اُس زمانے کے اُمرا کو بھی خطوط کے ذریعے اتباع شریعت
تقویٰ، نیکی اور پرہیزگاری کی طرف توجہ دلائی ہے۔ خواص خاں، ہیبت خان شیروانی، ابراہیم
خان شیروانی، تروی بیگ وغیرہ کے نام جو خطوط آپ نے لکھے ہیں وہ نہایت اہمیت رکھتے ہیں
اور آپ کی تبلیغی زندگی کے آئینہ دار ہیں۔ اسی طرح مریدوں کے نام جو خطوط آپ نے تحریر فرمائے
ہیں وہ آپ کی روحانی تعلیم کو ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی صرف
جلیل القدر درویش تھے بلکہ علم و فضل میں بھی آپ کا مرتبہ عید بلند تھا۔ صاحب تصانیف تھے
آپ کی کتابوں کو دیکھ کر آپ کے تبحر علمی، جلالت اور وسعت نگاہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاعر شرق
علامہ اقبال نے ان الفاظ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے علم و فضل اور عرفان و تصوف
کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت شیخ کا مندرجہ ذیل قول :-

محمد مصطفیٰ در قاب تو سین ادا دنی رفت و باز گردید و اللہ باز نگردیم (لطائف قدوسی طیف) ۶۹

”محمد عربی عرش معلیٰ پر تشریف لے گئے اور پلٹ آئے۔ قسم ہے خدا نے ذوالجلال
کی اگر میں اس نقطہ تک پہنچ جاتا تو ہرگز واپس نہ آتا۔“

نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایک بہت بڑے صوفی مہمان علی اللہ حضرت مولانا
عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ صوفیانہ ادب کے سارے سرمایے میں شاید

سمجھ کر آپ کو شہید کر دیا۔ قصبہ شیخ طیب (ریاست خیرپور) میں آپ مدفون ہوئے
ذیل کے قطعہ سے آپ کی تاریخ شہادت نکلتی ہے۔

چوں سید محمد بقا شد شہید خلاوت ذرحمت الہی چشید

(بقیہ فٹ نوٹس) بھی کوئی اور مثال مل سکے، جہاں ایک مختصر سے جملے میں نبوت اور ولایت
کے نفسیاتی فرق کو اس درجہ صاف اور واضح طریقے پر بیان کیا گیا ہو۔ (اسلام میں مذہبی افکار کی
تجدید۔ ڈاکٹر اقبال کے ۶ خطبات ص ۱۱۱) حضرت شیخ کی تصانیف محب ذیل ہیں :-

(۱) شرح عوارف (یہ شرح آپ نے اپنے صاحبزادوں شیخ حمید - شیخ احمد اور
شیخ رکن الدین کی گزارش پر لکھی تھی۔

(۲) حاشیہ فصوص الحکم (تصنیف شیخ محمد الدین ابن عربی)

(۳) رسالہ قدسیہ

(۴) غرائب الفوائد

(۵) رشد نامہ

(۶) مظہر العجائب

(۷) مکتوبات قدوسیہ

(۸) حاشیہ بر شرح صحائف (علم کلام)

(۹) بحر الانشعاب (علم صرف میں)

یہ حضرت شیخ کے زمانہ طالب علمی کی تصنیف ہے جو آپ نے سوال و جواب کے طور پر
لکھی تھی۔ آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جب یہ نسخہ اساتذہ کے سامنے پیش کیا
گیا تو انہوں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ علم صرف میں صرف یہی نسخہ کافی ہے۔ انوس ہے کہ
آپ کی یہ تصنیف ہندوستان کی رٹائیوں میں ضائع ہو گئی۔

(۱۰) فوائد القراءة (یہ رسالہ آپ نے علم تجوید میں اُس وقت لکھا تھا جبکہ

آپ شیخ سلیمان مندوی سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

(۱۱) نور المعانی شرح قصیدہ امالی

بے بود نافع بہر خاص و عام کز دزد طالب خدا شد رسید
خرد سال تاریخ او در دلم بگفتا " بدرجہ شہادت رسید "

۱۱۹۸

سید محمد بقا کے اٹھارہ صاحبزادے تھے۔ جن میں پیر سید محمد راشد نے اپنے علم
(بقیہ فٹ نوٹس)

(۱۲) انوار العیون (اس کتاب میں حضرت شیخ احمد عبدالحق کے حالات و
ملفوظات کو حضرت شیخ نے مرتب فرمایا ہے۔

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے خلفاء میں جن بزرگوں نے ارشاد و ہدایت کو اپنی
زندگی کا اہم ترین مقصد بنا کر چشتیہ سلسلے کو دور دور تک پھیلایا، ان میں شیخ جلال الدین تھانی
شیخ عبد الغفور اعظم پوری، حضرت شیخ عبد الستار سہارنپوری اور شیخ عبد الاحد الدبیر گوار
حضرت مجدد الف ثانی مشہور ہیں۔

۱۵/ جمادی الاخریٰ ۱۲۹۴ھ کو کہ اس دن مخدوم عالم حضرت شیخ احمد عبدالحق کا عرس
تھا۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کو جاڑے کے ساتھ بخارا آیا، چار روز تک یہ بخار تیز رہا۔
پانچویں روز جمعہ کے دن بخار میں تخفیف ہوئی اور آپ نے نماز جمعہ ادا فرمائی۔ نماز جمعہ کے
بعد پھر بخار تیز ہو گیا، اور چار روز تک بخار آمار ہوا، آخر منگل کے روز چاشت کے وقت ۲۳
جمادی الاخریٰ ۱۲۹۴ھ کو آپ نے اس دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ آج بھی
آپ کا مزار مبارک قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور (یوپی) میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

یہ اقام الحرمہ بھی حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کی اولاد سے ہے۔

گرچہ خرد دیم نسبتے بزرگ ذرہ آفتاب تابا نیم

(لطائف قدوسی، اخبار الاخبار، تاریخ مشایخ چشت)

تھے شیخ احمد عبدالحق ردو لوی، شیخ جلال پانی پتی کے خلفاء میں تھے۔ وہ قصبہ ردو لوی ضلع
بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ اخبار الاخبار میں ان کے متعلق لکھا ہے۔

فضل، تقویٰ و تقدس اور عرفان و تصوف کے اعتبار سے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔
 اور عوام میں (روزہ دہنی) روزے والے کے لقب سے مشہور ہوئے، آپ ہی کی
 اولاد سے سندھ کے مشہور پیر پگارد، پیر سکندر شاہ "شاہ مردان ثانی" کے لقب سے
 زینت آرائے سجادہ ہیں۔

سید محمد راشد کے عالم طفلی کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی پیدائش کے
 بعد جب پہلا رمضان آیا تو آپ نے دن میں اپنی والدہ کا دودھ پینا چھوڑ دیا۔ قیاس
 چاہتا ہے کہ اُس کی بنا پر آپ ابتداءً عوام میں (روزہ دہنی) کے لقب سے مشہور
 رہے۔
 (بقیہ فٹ نوٹ ص ۲۶۸)

صاحب شوق و ذوق و حالت و فقر و تجرید بود، جذبے
 قوی داشت و نظرے موثر و تصرفے غالب، مولد او قصبہ
 ردولی است۔ (اجار الاخیار ص ۱۸۷)

چشتیہ صابریہ سلسلے کا پہلا مرکز حضرت شیخ احمد عبدالحق کی خانقاہ تھی جو آپ نے ردولی میں
 قائم کی تھی۔ یہ خانقاہ رشد و ہدایت کا بڑا مرکز تھی۔ حضرت شیخ احمد عبدالحق ۸۲۴ھ میں اصل الی اللہ
 ہوئے، اور اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ عارف نے مسند سجادگی کو آراستہ کیا۔
 (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۱۷)

اسے شیخ جلال پانی پتی، شیخ شمس الدین ترک کے خلفا میں تھے، جو اُن کے بعد مندر شاہ
 و ہدایت پر بیٹھے اور غیر معمولی مقبولیت حاصل کی۔ معارج الولاہیت میں ہے۔
 مردماں از ہر جانب روئے باد می آوردند، و فتوح
 بشار آوردند۔

(تاریخ مشائخ چشت ص ۲۱۶)

کے خزینۃ المعرف (فلمی) کے مصنف سید علی گوہر حسینی نے اپنی کتاب ص ۶-۷-۸-۹ پر
 سید محمد بقا کے تینوں طریقہ کے سلسلے یعنی قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ مفصل اور سلسل نقل کے ہیں۔

ہوئے ہوں۔ اور بعد میں جب آپ کے مزار مبارک پر گنبد کی تعمیر ہوئی اور روضہ بن گیا تو لوگ آپ کو (روضہ دہنی) "روضہ والا" کہنے لگے۔

ولادت حضرت پیر محمد راشدی کی ولادت باسعادت سال ۱۱۱۰ ہجری میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت علوم دینیہ کی تعلیم آپ نے قصبہ کھوڑہ کے مشہور عالم مخدوم احمدی اور شاہ فقیر اللہ علویؒ اور دوسرے یگانہ روزگار علمائے حاصل کی، اور اپنے والد ماجد حضرت سید محمد بقا کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر روحانی تربیت اور فیض حاصل کیا۔

اساتذہ کا ادب حضرت پیر محمد راشدی اپنے اساتذہ کا سید ادب اور احترام فرماتے تھے، آپ کو حضرت شاہ فقیر اللہ علوی سے بے حد عقیدت و ارادت تھی اور شاہ صاحب بھی آپ سے غیر معمولی شفقت اور محبت رکھتے تھے، چنانچہ شاہ فقیر اللہ علوی کے طوفاًت میں (حضرت میاں صاحب) کے نام سے جو تذکرہ ملتا ہے اُس سے مراد حضرت پیر محمد راشدی ہی ہیں۔

حضرت پیر محمد راشدی کے اصناف بھی اپنے بزرگوں کی طرح حضرت شاہ فقیر اللہ علوی سے نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ اس عقیدت و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ شاہ فقیر اللہ علوی کی وفات کے بعد ان کے کتب خانے سے صحیح بخاری کا ایک نسخہ پیر سید صبغت اللہ

مخدوم امیر احمد نے تحفۃ الکلام (سنہ ۱۱۵۱) کے فٹ نوٹس میں بضم قاضی عبدالرحمن شہید اس کی حبت کی ہے کہ پیر محمد راشدی مخدوم احمدی کے شاگردوں میں تھے، ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ نے رسالہ سنہ ۱۹۵۲ء کے اپنے ایک مضمون سندھ کا ایک برگزیدہ خاندان میں مخدوم احمدی کے صاحبزادے مخدوم محمد عاقل کو آپ کا استاد بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں باپ بیٹے سے پیر محمد راشدی نے درس لیا ہو۔

ملکہ خاندان راشدی کے ذوقید سید حسام الدین صاحب راشدی نے مجھے بتایا کہ شاہ فقیر اللہ علوی بھی آپ کے اساتذہ میں تھے۔

نے تبرکاً منگوا یا۔ جب لوگ اُس نسخے کو لے کر آئے تو پیر صغۃ الشہ نے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ اپنے والد کے استاد کے اس نسخے کا استقبال کیا اور اس نسخے کے حصول کو اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھا۔

رشد و ہدایت | اپنے والد کی شہادت کے بعد سید پیر محمد راشد سندھ کے آسمان ولایت پر رشد و ہدایت کا آفتاب بن کر طلوع ہوئے اور اپنے علم و فضل، عرفان و فیوض کی ضیا باریوں سے نہ صرف سندھ کو، بلکہ جو دھپور، جیسلمیر اور دوسرے علاقوں کو منور اور درخشاں بنا دیا۔

خلفاء | حضرت پیر سید محمد راشد کے متعدد خلفا تھے۔ جنہوں نے مختلف مقامات پر ارشاد و ہدایت کی خانقاہیں آراستہ کیں، اور جن کے فیوض و برکات کا سلسلہ آج بھی مختلف مقامات پر جاری و ساری ہے، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

(۱) خلیفہ محمد حسین ہسیر

(۲) خلیفہ سنی دالے، جن سے بھرچونڈی کے بزرگوں نے روحانی اکتساب کیا اور ان سے امروٹ شریف کے بزرگوں نے اس روحانی امانت کو حاصل کیا، امروٹ شریف ہی کے بزرگوں کے ارشد تلامذہ میں مولینا عبید اللہ سندھی جیسے دینی اور سیاسی مفکر تھے۔ جن پر ہندو پاکستان کی تاریخ کو ناز ہے۔

(۳) خلیفہ خاکڑہ تعلقہ میرپور ماٹھیل ضلع سکھر

(۴) خلیفہ محمود کریانائی

(۵) خلیفہ نبی بخش نقاری مٹھی والا۔ ان سے یہ سلسلہ کچھ اور کاٹھیاواڑ میں پھیلا

لے ماخوذ از سالہ سروش (فارسی) ۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء مضمون شاہ فقیر اللہ علوی
مرتبہ آقای سید عبداللہ جی جیسی۔

اور ان علاقوں کے بہت سے لوگ، خلیفہ نبی بخش کی ہدایت سے اس سلسلے میں داخل ہوئے۔

(۶) خلیفہ گل محمد بالائی صاحب دیوان گل

تصانیف حضرت پیر محمد راشد کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ رشد و ہدایت، اعلائے کلمۃ الحق سے جو وقت بچتا، اس کو حضرت پیر محمد راشد تالیف و تصنیف میں صرف فرماتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح اسماء اللہ الحسنى، جمع الجوامع اور آپ کے مکاتیب آپ کی علمی اور محققانہ قابلیت، تبحر اور روحانی افکار و خیالات کے آئینہ دار ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے ملفوظات بھی، آپ کے دو ممتاز خلفاء یعنی خلیفہ محمد حسین مہیسرا اور خلیفہ محمود نظامانی کو یہ داسے نے علیحدہ علیحدہ جمع کئے تھے، یہ ملفوظات عرفان و تصرف، تاریخ و تمدن اور علم و ادب کے وہ گوہر گر نمایہ ہیں کہ جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی رہبر کی حیثیت سے حضرت پیر محمد راشد ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔

وصال ۱۲۲۳ھ کو حضرت پیر محمد راشد نے ۶۳ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا اور وصال الی اللہ ہوئے، حکیم سید محمد شجاع نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات میں اپنے حزن و ملال کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

و الحمد را شد راہ فلکے شیخ و شاب
شد شہید از سم و واصل گشت با حق در شاب
سال و تاریخ و روز وصال و وقت گو
اول و شعبان معہ جمعہ طلوع آفتاب ہے

لے یہ تمام حالات ڈاکٹر نبی بخش حسان بوج کے مضمون ”سندھ کا ایک برگزیدہ خاندان“ سے ماخوذ ہیں جو رسالہ نین زندگی (سندھی) ماہ مئی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا۔

تجادگی

حضرت پیر محمد راشد کے وصال کے بعد اُن کے صاحبزادے پیر صیغۃ اللہ شاہ اول مندر آئے، رشد و ہدایت ہوئے اور دستارِ سجادگی اُن کے سر پر باندھی گئی۔ اس خاندان میں یہ پہلے پیر میں جو پیر پاگارا (صاحب دستار) کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کے دوسرے بھائی پیر محمد یاسین جھنڈا یا علم لے کر دوسری جگہ چلے گئے، اس لئے اُنھوں نے پیر جھنڈا کے لقب سے شہرت پائی۔ پیر جھنڈا کا کتب خانہ آج بھی علمی دنیا میں غیر معمولی شہرت و عظمت رکھتا ہے۔

سید صیغۃ اللہ اول نے جب مندرِ رشد و ہدایت کو زینت بخشی، اس وقت سلطنتِ اسلامیہ کا چراغ جھللا رہا تھا۔ پنجاب پر سکھ چھائے ہوئے تھے، اور سندھ کے حصول پر انگریزوں اور سکھوں کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ حالات کی ناسازگاری نے مسلمانوں کو اس درجہ بدحواس، وحشت زدہ اور کم ہمت بنادیا تھا کہ اُن کے قلبِ عملی شل ہو چکے تھے، سارے معاشرے پر انحطاط کا رنگ غالب تھا۔ مذہب کی رُوح مفقود ہو چکی تھی، اہام اور رسوم پرستی کو مذہب کا نام دیا جاتا تھا۔ اس تنزل و انحطاط کے زمانے میں شاہ صیغۃ اللہ اول نے اعلیٰ کلمۃ الحق، تبلیغ اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا، اس مروجہ آگاہی نے جب یہ دیکھا کہ سکھ حکومتِ سندھ کی جانب پھینکنے لگے ہیں تو آپ نے جہاد کا عزم مصمم کر لیا۔ آپ کا کوئی وعظ جہاد کی ترغیب اور فضائل سے خالی نہ ہوتا تھا۔ کچھ اور لار کے فرید جوان مواعظ میں شریک نہ ہو سکتے تھے، آپ نے ان پر مختلف خطوط کے ذریعے جہاد کی اہمیت کو واضح کیا، اور انھیں جہاد کے لئے دعوت نامے لکھے۔

سید صیغۃ اللہ شاہ اول کی سندھ میں مقبولیت اور اُن کے علمی، روحانی مراتب کا اندازہ سید حمید الدین کے اس بیان سے ہوتا ہے جو اُنھوں نے سید صیغۃ اللہ شاہ کے مطلق تحریر کیا ہے۔

باشندگان سندھ کے نزدیک
سارے ملک میں اُن (پیر صیغۃ اللہ)
جیسا کوئی شیخ و مرشد نہیں تقریباً تین
لاکھ بلوچ ان کے مرید ہیں، مرجع خلق عام
ہیں۔ جاہ و جلال سے زندگی گزار رہے
ہیں۔ جود و کرم، اخلاص و مروت میں
بھی شہرہ آفاق ہیں۔

ان کا کتب خانہ بڑا عجیب و غریب
کتب خانہ ہے۔ بادشاہوں اور اُمراء کے
پاس بھی ایسا کتب خانہ نہ ہوگا۔ پندرہ ہزار
معتبر کتابیں اس میں موجود ہیں۔

وہ تمام مملکت سندھ بچو
اوشیخ و مرشدے در زعم مرزاں
ملک نیست۔ قریب سے ملک
مریدانش از قوم بلوچ ہستند، و
بکمال جاہ و جلال و رجوعات خلایق
خوش میگذرانند، در جود و کرم و
اخلاص و مروت ہم شہرہ آفاق۔

در خانہ سید مذکور کتب خانہ عجیب
غریب بہ نظر آمد کہ ہرگز وہ خانہ سلاطین
و اُمرا نیوودہ باشد، پانزدہ ہزار جلد تا
از کتب معتبرہ در آن موجود است۔

انھیں مریدوں میں سے سید پیر صیغۃ اللہ نے ایسے سرفروش اور جانناں مجاہدوں
کی جماعت تیار کی جو وقت پڑنے پر ملت اسلامیہ کے لئے اپنی جان کی بازی لگا سکیں
انھیں مجاہدین کو ”حر“ کا لقب دیا گیا، اور یہی حر تحریک کا پہلا نقطہ تھا۔

جب سندھ میں سید صیغۃ اللہ شاہ اس دینی تحریک کی بنیاد رکھ رہے تھے
اُسی زمانے میں ہندوستان میں حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کی تحریک آزادی سکھوں

لے سید احمد شہید ۱۲۰۱ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۸۸۶ء کو پیر کے دن رائے بریلی میں پیدا
ہوئے اور شاہ عبدالقادر سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور ۱۲۲۲ھ میں شاہ عبدالعزیز کے
دستِ حق پرست پر معیت کی۔ ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں آپ نے انگریزوں اور سکھوں کے
خلاف جہاد کے لئے مسلمانوں کی تنظیم کی، اور ۲۲ ذیقعدہ ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں ۶۸ سالہ
دن بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے شہادت پائی۔ (سیرت سید احمد شہید)

اور انگریزوں کے خلاف شروع ہو چکی تھی۔ دونوں کا نقطہ نظر ایک تھا۔ دونوں یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان سے سکھوں اور انگریزوں کا اقتدار ختم کر کے اسلامی نظام حکومت کو برسرِ عمل لایا جائے، جو شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو تاکہ مظلوم اور دکھی انسانیت کے درد کا مداوا ہو سکے۔

حضرت سید احمد شہید پہلے ہی حضرت سید صبغتہ اللہ کی تعریف سن چکے تھے۔ اند آپ سے ملنے کے مشتاق تھے۔ جب حضرت سید احمد شہید غازیوں کے ساتھ سرحد چلاتے ہوئے سندھ میں تشریف لائے اور آپ کا قیام رانی پور میں ہوا تو اتفاق سے سید صبغتہ اللہ بھی اپنے ایک سومریوں کے ساتھ رانی پور آئے ہوئے تھے۔ یہیں آپ کی پہلی ملاقات حضرت سید احمد شہید سے ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے سے بل کر بیحد خوش ہوئے، اور حضرت صبغتہ اللہ نے آپ کو اپنے وطن پیرکوٹ تشریف لے چلنے کی دعوت دی۔ جس کو حضرت سید احمد شہید نے منظور فرمایا۔ کسی ضرورت سے سید صبغتہ اللہ کو ایک دن رانی پور میں ٹھہرنا پڑا، لیکن آپ نے حضرت سید احمد شہید اور غازیوں کو اپنے بھائی کے ہمراہ پیرکوٹ بھیج دیا۔

۱۷ ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ کو حضرت سید احمد شہید پیرکوٹ پہنچے۔ سید صبغتہ اللہ کے مریدوں اور بھائیوں نے مہمان نوازی اور مدارات میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی، دوسرے دن سید صبغتہ اللہ بھی تشریف لے آئے۔ اور انھوں نے حضرت سید احمد شہید اور غازیوں کی مہمان داری کا اس درجہ اہتمام کیا کہ خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے تھے، تیسرے روز سید صاحب نے انھیں باصرار روکا اور شکر میں رسد بٹنے لگی۔ تقریباً تیرہ روز حضرت سید احمد شہید پیرکوٹ میں مقیم رہے۔ اور وہاں سے شکارپور روانہ ہوئے۔

دونوں کے خلوص و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت سید احمد شہید نے

اپنے اہل و عیال کو پیرگوٹ میں ہی سید صبغۃ اللہ کی حفاظت میں چھوڑا، دونوں میں مسلسل خط و کتابت جاری رہی۔ حضرت سید احمد شہید کی روانگی کے وقت غالباً دونوں میں یہ فیصلہ ہوا کہ جب صحیح طور پر جنگی مرکز قائم ہو جائے گا تو سید صبغۃ اللہ بھی وہاں پہنچ جائیں گے لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ سید صبغۃ اللہ جانے کے لئے بالکل تیار تھے اور اس کی اطلاع آپ نے حضرت سید احمد شہید کو دے بھی دی تھی کہ اچانک انفاس لیں اور پشاور کا راستہ ایرانی سرداروں کے عناد کی وجہ سے محذوف ہو گیا اور آپ عجبوہاں نہ پہنچ سکے۔

براعتماد، خلوص اور محبت حضرت سید احمد شہید کو سید صبغۃ اللہ سے تھی اس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو آپ نے سید صبغۃ اللہ کو مختلف اوقات میں لکھے۔ ہم ان میں سے چند خطوط کے اقتباسات یہاں درج کرتے ہیں۔

ایک خط میں میدان جہاد سے سید صبغۃ اللہ کو تحسیر فرمایا۔

آپ تمام مسلمانوں کو دعوت دیں اور مخلصین کی ایک جماعت ساتھ لے کر سکھوں کی سرحد سے متصل محفوظ مقام پر بیٹھ جائیں اور جہاد شروع کر دیں۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ میرے اہل و عیال کو بھی کسی ایسی جگہ بٹھادیں جو دشمن کی دسترس سے باہر ہو۔

جب سرحد میں حضرت سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعت امامت ہو چکی تو اپنے اپنے نائب بیعت لینے کے لئے مختلف علاقوں میں بھیجے۔ محمد قاسم کو بیعت لینے کے لئے سندھ بھیجے ہوئے سید صبغۃ اللہ کو ایک گرامی نامے میں تحریر فرمایا کہ سندھ میں نیابتاً میری جانب سے بیعت لینے کے اہل صرف آپ تھے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کے بھائی اس کی وجہ سے رقابت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اور شاید اسی باعث اس امر منوں کی بجا آدمی سے محروم
 رہ جائیں، لہذا میں نے نیابت کے لئے دوسرے آدمی کو بھیج دیا۔
 جب آپ پنج تارے سے راج دھاری روانہ ہونے لگے تو سید صبغتہ اللہ کو
 لکھا :-

اگر ہماری زندگی جہاد ہی میں پوری ہو جائے تو ہمارے اہل عیال
 کو حرمین شریفین پہنچا دیں۔

غرض یہ کہ سندھ میں سید صبغتہ اللہ اول ہماری تاریخ آزادی کا وہ جلی اور روشن
 عنوان ہیں کہ جن کو ملت اسلامیہ ہندوستان کبھی منہ راہوش نہیں کر سکتی۔

اولاد | ان کے بعد پیر سید محمد راشدی کی اولاد راشدی خاندان سے موسوم ہوئی
 راشدی خاندان آج بھی اپنی وجاہت، شرافت اور علمی عظمت کے لحاظ
 سے سندھ کے ممتاز ترین خاندانوں میں شمار ہوتا ہے۔ سندھ کے مشہور مؤرخ سید
 حسام الدین راشدی اور سندھ کے مشہور صحافی پیر علی محمد راشدی یہ دونوں
 بھائی اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

(۴۷)

شیخ الشیوخ حضرت شیخ نوح بھکری

حالات | حضرت شیخ نوح بھکری کو سلسلہ سہروردیہ میں ایک خاص اہمیت و عظمت حاصل ہے۔ اُن کا شمار سندھ کے جلیل القدر صوفیاء میں ہوتا ہے اور وہ سندھ کے اولیاء کے سر تاج سمجھے جاتے ہیں۔

بیعت | حضرت شیخ نوح بھکری نے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے حضرت بہار الدین زکریا ملتانی کے مرید ہونے سے پہلے بیعت اور خلافت حاصل کی، جب حضرت بہار الدین زکریا ملتانی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے مرید ہوئے اور اپنے وطن ملتان رخصت ہونے لگے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ

شیخ نوح بھکری کا سلسلہ طریقت یہ ہے۔ شیخ نوح بھکری۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ضیاء الدین ابوخیب سہروردی، شیخ وجیہ الدین سہروردی، شیخ ابو عبد اللہ، شیخ اسود احمد وینوری، شیخ ممتاز علی نیوی خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ حبیب علی، حضرت امام حسنؒ، حضرت علیؒ، کم اللہ وجہہ، جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بزم صوفیہ ص ۹۱)

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (۱۲۳۲ھ تا ۱۳۳۲ھ) حضرت محی الدین بن عربی کے عصر تھے اور جنید بغدادی کے مکتب خیال کے لوگوں میں تھے۔ سلسلہ سہروردیہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے، آپ کی کتاب عوارف المعارف تصوف کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ ابن خلدکان کا بیان ہے کہ آپ کے آخر عمر میں کئی آپ کا مثل وہم پایہ نہ تھا، اور آپ بغداد کے شیخ الشیوخ تھے۔ (ماخوذ از تاریخ مشائخ چشت ص ۱۱۱)

ہمارے بہترین مریدوں میں سندھ میں ایک ہمارا مرید ہے، اُس سے ضرور ملنا، یہ چراغ، بتی اور تیل خود لے کر ہمارے پاس آئے، اور ہم نے اُن کے چراغ کو روشن کر دیا۔ حضرت بہار الدین زکریا ملتانی اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق حضرت شیخ فوج بھکری کی ملاقات کے لئے بھکر حاضر ہوئے۔ مگر یہ اُس وقت بھکر پہنچے کہ حضرت فوج واصل الی اللہ ہو چکے تھے۔

افسوس ہے کہ سندھ کے تذکروں میں اس عظیم المرتبت شیخ کے تفصیلی حالات نہیں لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ سندھ میں سلسلہ سہروردیہ کی ترقی و اشاعت انہیں بزرگ کی وجہ سے ہوئی۔

مزار | آپ کا مزار مبارک قلعہ بھکر میں واقع ہے۔

فضائل | صاحب حدیقۃ الاولیاء نے حضرت شیخ فوج بھکری کے زہد و ورع عرفان و تصوف کو ان الفاظ میں سراہا ہے۔

آل بزرگوارِ نامدار، سر دفترِ مشائخ کبار، صاحبِ توفیق، فارسِ مضامین
تحقیقِ شیخ الشیوخ شیخ فوج بھکری قدس سرہ از جملہ اولیائے کرام و مشائخِ عظام
سندھ بود و از فرقہ مقبولان در گاہ و بار یافتگان خلوتِ محبتِ اللہ
دستِ ارادت از شہاب الحق والدین بران الصدق والیقین شیخ
شہاب الدین گرفتہ ہے

صاحبِ تحفۃ الکرام آپ کی تعریف و توصیف میں یوں نرم طرز ہیں۔
شیخ فوج بھکری سروردی از اجل اولیائے سندھ و اکمل مریدان
شیخ شہاب الدین سہروردیست ہے

لے یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام ص ۱۲۵ اور حدیقۃ الاولیاء قلمی ملوکہ سندھ یونیورسٹی ص ۸۱-۸۲-۸۳ سے ماخوذ ہیں۔

لے حدیقۃ الاولیاء قلمی ملوکہ سندھ یونیورسٹی ص ۸۱-۸۲ لے تحفۃ الکرام ص ۱۲۵

(۳۸)

سید نظام بھکری

حالات | آپ کا نام سید نظام آپ کے والد کا نام سید ناصر تھا۔ خاندان سادات سے تھے۔ سندھ کے مشہور اور قدیم شہر بھکر کے رہنے والے تھے۔ صاحبِ حدیقت الاولیاء نے ان الفاظ کے ساتھ آپ کی بزرگوار عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

آل شیعہ شہبستانی دودمان نبوی و آل ہر پھر خاندانِ مصطفوی
دو چہ شجرہ ، گلین زہرہ ، درہ بے صدق و صفا ، مالک ممالک
مہتری و سروری سید نظام ولد سید ناصر بھکری از جملہ اہل حق
و کمال مطلق و صاحبِ حال و اہلِ قال بود۔

سماع | سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے اور اس کو اپنے لئے روحانی غذا سمجھتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد جب لوگ غسل و کفن کے فارغ ہوئے اور آپ کے جنازے کو اٹھانے لگے تو باوجود کوشش اور سعی کے جنازہ اپنی جگہ سے نہ اٹھتا تھا، سب کے سب حیران ہو کر سوچنے لگے کہ آخر اس کی کیا

لئے سماع کے مسئلہ میں علماء اور صوفیاء کا بڑا اختلاف ہے، بعض صوفیاء اس کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، کچھ علماء اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔ بعض عظام بزرگوں کا مسلک ہے کہ ایسی کئی چیزیں ہیں جن سے اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں سے واقفیت کے لئے رسالہ السماع فی ارفص (ابن تیمیہ) تلبیس ابلیس (جوینی) رسالہ اھل السماع (رازی) کیسے سعادت (امام غزالی) کشف المحجوب اور رسالہ الوقع السماع کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

وجہ ہے، آخر آپ کے صاحبزادے شاہ رکن الدین کو آپ کی وصیت یاد آئی،
 انھوں نے لوگوں سے کہا کہ والد بزرگوار نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے مجھ سے
 فرمایا تھا کہ ہمارے جنازے کو تم ہرگز نہ اٹھا سکو گے، تاوقتیکہ نے کے ساتھ سماع کو
 راگ سیندورہ سے دشہ شروع کرو۔ چنانچہ نے نواز کو بلایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ وہ
 راگ سیندورہ گانا شروع کرے، چنانچہ جیسے ہی نے نواز نے گانا شروع کیا جنازہ
 آسانی سے اٹھ گیا، یہاں تک کہ لوگ اس کو قبرستان لے آئے۔

مزار | آپ کا مزار روہڑی میں زیارت گاہ خلافت ہے۔

(۴۹)

حضرت مخدوم نوح ہالائیؒ

نام و نسب و خاندان | آپ کا اسم گرامی لطف اللہ اور لقب مخدوم نوح تھا
 آپ کے والد کا اسم گرامی نعمت اللہ اور والدہ کا نام
 بی بی راجی تھا۔ جو قبیلہ لاکھا سے تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ مخدوم نوح بن
 مخدوم نعمت اللہ بن مخدوم اسحاق بن مخدوم شہاب الدین ابن مخدوم سرور ابن مخدوم
 خزاہ الدین صغیر۔ آخر میں آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔
 آپ کے جد اعلیٰ شیخ ابو بکر کتابی، شیخ احمد، شیخ محمد، شیخ علی معروف،
 قاضی اور شیخ جلال الدین یہ پانچ حضرات سب سے پہلے آکر کوٹ کرور (حدو و ملتان)
 میں آباد ہوئے۔

شیخ ابو بکر کتابی اپنے وقت کے عظیم المرتبت صوفی اور درویش تھے۔ آپ
 عوام و خواص میں شیخ شمس الدین کوٹ کروری سے مشہور ہوئے اور کوٹ کروری
 میں وفات پائی۔

اسے یہ نسبت قصبہ لاکندی کی طرف ہے جو حیدر آباد سندھ میں واقع ہے۔
 اسے بیاض بھینڈہ قلعی ملوک سندھی ادبی بردو کے حشتا پر آپ کا سلسلہ نسب ان الفاظ کے ساتھ
 مذکور ہے۔ مخدوم نوح ولد نعمت اللہ صدیقی است، خود شان از اجداد خود خیر دادہ است۔
 نعمت اللہ بن اسحاق بن مخدوم سرور ابن شیخ خزاہ الدین صغیر کہ در قریہ لاکندی سے شیخ خزاہ الدین بن
 شیخ خزاہ الدین کہ در مقبرہ شیخ ابو بکر است سے شیخ ابو بکر کتابی ساکن کوٹ کرور ابن شیخ اسماعیل ابن شیخ
 عبد اللہ عبد القادر کہ سر سلسلہ سہروردی است۔ (بیاض کتر کاتب بھینڈہ حشتا)

شیخ ابو بکر کتابی کے صاحبزادے مخدوم فخر الدین کبیر اتفاق سے سیر و سیاحت کی غرض سے سیوستان کے قرب وجوار میں تشریف لائے اور آپ و دانے کی کشش نے سندھ کو آپ کا وطن بنادیا۔ مشہور یہ ہے کہ ابتداءً آپ نے اور آپ کے متعلقین نے اپنا وطن قصبہ بوبک کو بنایا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے بوبک ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ آپ سیوستان میں حضرت شہباز قلندر کے قرب وجوار میں مدفون ہوئے۔

اسی طرح حضرت مخدوم نوح کے جد مخدوم فخر الدین صغیر ایک دفعہ بطور سیر و سیاحت ہالہ کنڈی تشریف لائے۔ اہل ہالہ کنڈی نے انتہائی عزت و احترام کے ساتھ آپ کی خدمت اور میزبانی کا شرف حاصل کیا، اور بجا جت کے ساتھ تمنا ظاہر کی کہ اگر آپ ہالہ کنڈی کو اپنا وطن بنالیں تو ہم سب کی خوش نصیبی ہوگی۔ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ آپ کی روانگی کی تاریخ آگئی۔ آپ کے ساتھیوں نے رخت سفر باندھا تو پھر اہل ہالہ نے دوبارہ اپنی تمنا ظاہر کی، آپ نے فرمایا کہ وہاں میرے رفقا اور وابستگان بے شمار ہیں۔ اہل ہالہ نے عرض کیا کہ اہل ہالہ بھی جو یہاں آپ کے وطن کی تمنا رکھتے ہیں، بے شمار ہیں۔ آپ نے اہل ہالہ کے اصرار پر ہالہ میں سکونت اختیار فرمائی اور اہل ہالہ بھی شب و روز جان و مال سے آپ کی خدمت میں مصروف ہو گئے پھر آپ تمام عمر ہالہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔

ولادت

حضرت مخدوم نوح کی ولادت باسعادت ۹۱۱ھ میں ہوئی۔ زمانہ طفلی ہی سے آپ کی پیشانی مبارک سے انوار ولایت ہویا و تاباں تھے۔ اور اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ چل کر آپ آفتاب ولایت بننے والے ہیں۔ مشہور ہے کہ مخدوم نوح ابھی سات ہی روز کے تھے اور گہوارے میں لیٹے

ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ محل کی مسجد کے مؤذن نے اذان دی، اذان کے ختم ہونے پر آپ نے فرمایا کہ نعم لا الہ الا اللہ ولا نعبدہ الا ایتاہ مخلصین لہ الدین۔

تعلیم | آپ کی ظاہری تعلیم کے متعلق سوائے اس کے کچھ نہیں چلتا کہ آپ نے قرآن مجید کے پانچ پارے اول کے اور پندرہ پارے آخر کے مخدوم عربی دیانے پڑھے۔

دلیل الذاکرین میں ہے کہ

مخدوم العظم فرمودند کہ اذ احسنہ قرآن تا کیف رسانیدم واذ بالآتابہ وہ سپارہ خواندم وپنج میازہ خواندم ولیکن فدائے تعالیٰ وفاق و فتراتی بر من مکشوف ساخت۔

لیکن علوم ظاہری کے اکتساب کے ساتھ وہ ہونے پر بھی آپ قرآن مجید کی آیات محکمات و متشابہات کی تفسیر اتنی عمدگی سے بیان فرماتے تھے کہ بڑے بڑے فصحاء و بلغار آپ سے مطالب قرآنی کو سن کر محو حیرت رہتے۔ دلیل الذاکرین میں ہے کہ۔

۱۔ تا دیلات آیات محکمات و متشابہات را بوجہ ادا میفرمودند کہ فصحاء کرام و بلغائے عظام دست از تعرض تقریر کوتاہ میداشتند و غریب تر آنکہ مکتب آبخواب از علوم ظاہریہ پیش از حفظ میت سپارہ پنج از اول و پانزدہ از احسنہ فرقان مجید نموده۔

۱۔ دلیل الذاکرین قلمی ملوکہ سندھی ادبی بورڈ ص ۱۶

۱۔ دلیل الذاکرین ص ۱۱

۱۔ دلیل الذاکرین قلمی ص ۱۲ باب ثانی در بیان مناقب و مفاخر حضرت مخدوم نور۔

مخدوم جان محمد جو اطراف سیستان کے رہنے والے تھے اُن سے سید اسحاق
سید حیدر ساکن موضع سن نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ نماز پھر ادا کرنے کے بعد مسجد
میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں مخدوم نوح تشریف لے آئے۔ آپ نے اُن کی طرف
متوجہ ہو کر منبر پایا اقم الصلوٰۃ لکرمی (اللہ کے ذکر کے لئے کھڑے ہوجاؤ)
سید حیدر نے آپ کے اس ارشاد پر پوچھا مَن عَلَّمَکَ (آپ کو کس نے
تعلیم دی؟) آپ نے فرمایا عَلَّمَنی رَجُلٌ (مجھے میرے رب نے سکھایا)
حضرت جلال الدین جلال محمد کی روایت ہے کہ میں نے بلا واسطہ حضرت نوح
سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ خدا نے تعالیٰ نے مجھے چار چیزوں سے مفتخر فرمایا
اول یہ کہ میں کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ میں کلام مجید کی تفسیر و
معانی بیان کرتا ہوں۔ تیسرے یہ کہ مجھے حدیث کا علم عطا فرمایا گیا۔ چوتھے یہ کہ مجھے
خواب کی تفسیر کا علم بخشا گیا۔

علوم باطنی میں بھی حضرت مخدوم نوح لانی کا علم وہی تھا۔ بنظر آپ کسی
سے مرید نہیں ہوئے۔

دلیل الذاکرین میں ہے کہ ایک روز شیخ ابو بکر قریشی نے جو حضرت بہار الدین
ذکر یامانی کی اولاد میں سے تھے، اور حضرت مخدوم نوح سے عقیدت رکھتے تھے۔
مخدوم فضل اللہ سے پوچھا کہ حضرت مخدوم نوح تصوف کے کس سلسلے سے تعلق
رکھتے ہیں؟ وہ فرمایا: میں نے حضرت مخدوم نوح کی خدمت میں حاضر ہوئے

مے موضع سن سندھ کے ضلع دادویں واقع ہے۔ ۱۲۰ دلیل الذاکرین ص ۱۱

۱۲۰ دلیل الذاکرین ص ۱۲۔ بروایت ابو محمد۔

مکہ مخدوم فضل اللہ اپنے وقت کے جلیل القدر علماء میں تھے۔ اُن کے تین صاحبزادے تھے۔

(۱) ابو الفتح (۲) محمد حسین (۳) غایت اللہ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۲۲۵)

ابھی وہ زبان سے کچھ کہہ بھی نہ پائے تھے کہ آپ نے فرمایا لَیْسَ لَہٗ مِنْ دَوْنِہٖ شَفِیعٌ وَلَا دَلِیْلٌ (میرا اس کے پاس نہ کوئی شفیع ہے نہ دلی) اس سے اس طرف بلیغ اشارہ تھا کہ میں فیضان کے حصول میں کسی کا مُرید نہیں ہوں۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب آپ ٹھٹھہ تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت سید علی شیرازی کے مکان میں قیام فرماتے، حضرت سید علی شیرازی کے صاحبزادہ سید جلال نے پوچھا کہ سنا گیا ہے کہ آپ کی ارادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے؟ فرمایا ہاں بغیر اس درگاہ خلافت پناہ کے کوئی شخص بھی فائز نہیں ہو سکتا لیکن میں نے چودہ سال کی عمر میں قرآن مجید مخدوم عربی دیا نہ سے پڑھا تھا۔

میاں محمود کا بیان ہے کہ ایک روز ایک صاحب جو حضرت غوث پاک کی اولاد میں سے تھے، مخدوم نوح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں آپ کو خلافت دینے اور فائدہ پہنچانے کے لئے مامور کیا گیا ہوں، اور کیا بھی جانتا ہوں، اگر آپ چاہیں تو آپ کو کیا سکھا سکتا ہوں جو شاید کسی وقت آپ کے کام آئے، فرمایا کہ جس روز سے بارگاہ نبویؐ کی خدمت سے شرف اندوز ہوا ہوں دُنیا کی ہوس میرے دل سے نکل گئی، یہ کہہ کر ایک درم منگایا، اس پر مٹی ملی وہ بالکل کھرا سونا بن گیا۔

ان تمام روایتوں سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے علوم باطنی میں کتاب کسی شیخ سے نہیں کیا تھا بلکہ آپ کا علم وہی اور منجانب اللہ تھا۔

عبادت | آپ کا تمام وقت عبادت اور یادِ الہی میں گزرتا تھا اور ہر وقت زبان پر ذکرِ الہی جاری رہتا تھا۔ ہمیشہ لبِ مبارک حرکت کرتے

رہتے تھے، حجامت کے وقت حجام سوچتا تھا کہ اگر ایک منٹ کے لئے حضرت

سکوت فرمائیں تو وہ مونچھوں کو درست کر دے۔ آپ حجام کے چہرے سے اُس کے ارادے کا اندازہ کر کے فرماتے، میاں حضرت امام اعظم اور حضرت امام شافعی کا حجام جب حجامت بناتا اور مونچھیں درست کرنے کا ارادہ کرتا تو کہتا، اے امام المسلمین ذرا ہونٹوں کی حرکت روک لے تاکہ میں مونچھوں کو درست کر دوں، وہ فرماتے اگر تم آفتاب اور آسمان کی حرکت کو روک دو تو ہم بھی اپنے ہونٹوں کی حرکت روک سکتے ہیں بلکہ

توکل | مخدوم نوح کو توکل اور قناعت بے حد عزیز تھا۔ آپ اس کو توکل کی شان کے خلاف سمجھتے تھے کہ دوسرے دن کے لئے کسی چیز کو ذخیرہ کیا جائے۔

ایک دفعہ حضرت مخدوم نوح کے یہاں ایک ہمان آیا، آپ اُس کی تواضع اور مدارات کے لئے گھر میں تشریف لے گئے اور بیوی صاحبہ سے پوچھا کہ گھر میں کچھ کھانے کے لئے ہے؟ انھوں نے کہا بہت کچھ ہے، آپ نے فرمایا کیا ایک سیر غلہ ہوگا۔ بیوی صاحبہ نے فرمایا ایک سیر سے بھی زیادہ ہے، آپ کے بار بار پوچھنے اور سوال و جواب پر انھوں نے فرمایا چار سیر غلہ موجود ہے، اور اس کے سوا خدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہے۔ یہ سُن کر حضرت مخدوم گھر سے واپس ہوئے اور فرمایا گھر میں اس قدر سامان رکھنا شانِ توکل سے بعید ہے اور کل کے لئے (غلہ کا) ذخیرہ کرنا رازِ اِزاق پر بھروسے کے خلاف ہے، یہ کہہ کر اسی وقت آپ نے فقیر فقرا کو آواز دی اور جو کچھ گھر میں موجود تھا وہ اُن کے حوالے کر دیا۔

انتہایہ ہے کہ اپنی معمولی سے معمولی ضرورتوں میں بھی کسی سے سوال کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مخدوم نوح بخاریں مبتلا ہو کر اپنے حجرے

میں تشریف رکھتے تھے۔ حجرے میں ایک لڑکا جو آپ کے گھر کا پلاہما تھا، سامنے موجود تھا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ ہم اور تم دونوں کے دونوں خدا کے بندے ہیں لیکن چونکہ تمہارے رزق کی کفالت ہم پر اور ہماری خدمت تم پر لازم ہے، اس لئے تھوڑا سا پانی لاؤ۔ لڑکا یہ سن کر ہنستا ہوا بھاگ گیا اور پانی نہیں لایا، فرمایا الحمد للہ کہ میں نے تمام عمر میں یہی ایک سوال کیا تھا، اور وہ بھی قبول نہ ہوا۔

استجاب دعا | بعد مستجاب الدعوات تھے، منقول ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ دہلی کی طرف سے ایک شکر فرج سندھ کے لئے بھیجا گیا۔

لوگوں نے آکر حضرت مخدوم فوج کو اطلاع دی۔ فرمایا انشاء اللہ انجام بخیر ہوگا یہاں تک کہ وہ شکر ہالہ کنڈی کے قریب وجوار کو تاخت و تاراج کرتا ہوا ہالہ پہنچ گیا۔ ہالہ کنڈی کے رہنے والے اور اہل خانقاہ لڑکاں و ترسان آپ کی خدمت میں پہنچے اور حالات عرض کئے، فرمایا تھوڑی سی مٹی لاؤ، لوگ مٹی لے کر آئے، اپنے اس مٹی پر یہ دعا پڑھی اللھم لک الحمد ولك الحمد ولك الشکر والیک المتکاء وانت المستعان وعلیک التکلان ومنک الفرج ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم وصلى اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین یہ کہہ کر مٹی آپ نے اُس شکر کی طرف پھینکی، کہتے ہیں کہ شکر اس بُری طرح بھاگا کہ اپنے ملک تک دو روز ایک جگہ قیام نہ کر سکا اور اپنا بہت سا اسباب و سامان چھوڑ گیا۔

اتباع شریعت | آپ اپنے مریدوں کو خصوصیت کے ساتھ شریعت کی پابندی کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے حضرت مخدوم

فوج سے عرض کیا کہ درویش رکن الدین ابن دتیہ کو جو اپنے کشف و کرامات میں غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ہر ذی روح کہ روئے زمین پر ہے اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ سب مرجائیں تو مجھے اُمید ہے کہ یہ دعا قبول ہوگی اور سب مرجائیں گے۔ شیخ برکیہ کا تیار نے جو اس مجلس میں حاضر تھے عرض کیا کہ اگر میں لوں کہ خدا سب کو زندہ کر دے تو مجھے یقین ہے کہ خدا نے تعالیٰ سب کو زندہ کر دے گا آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ تمہیں چاہیے کہ اسلامی تعلیمات سے مردہ دلوں کو زندہ کرو اور کوئی ایسی بات جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی زبان پر نہ لاؤ کہ اس دنیا میں سارے عالم کا بیک وقت مرنا اور جینا محالات میں سے ہے۔

شیخ درویش محبوبو بکانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے مخدوم معظم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ ذکر الہی تنہائی میں کرو۔ کسی نامحرم عورت سے بات نہ کرو۔ فائق و فجار کی صحبت سے پرہیز کرو۔ علماء سے بحث و مجادلہ نہ کرو۔ دُنیا داروں اور بادشاہوں کے گھروں پر نہ جاؤ۔ اگر وہ بکائیں تو جانے سے انکار کر دو۔

خدمتِ خلق | خدمتِ خلق حضرت مخدوم کا خاص شعار تھا۔ حاجی عبد اللہ ابن حاجی ہارون کی روایت ہے کہ حضرت بہار الدین زکریا کی اولاد میں سے بعض لوگوں نے حضرت مخدوم سے عرض کیا کہ ولی عہد ہم کو ہمارے وطن ٹھٹھہ سے شہر بدکرنا چاہتا ہے؟ فرمایا کہ تقدیر پر راضی رہو اور اطاعت کرو۔ پھر وہ اپنے اسلاف سے باطن میں اور اپنے موجودہ بزرگوں سے ظاہر میں امداد کے خواہاں ہوئے۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ یہ کام عہد حاضر کے شیخ ہی انجام دے سکتے ہیں۔ وہ لوگ پھر حضرت مخدوم کی خدمت میں آئے اور آپ کو خدا رحل کا

واسطہ دے کر دارالسلطنت ٹھٹھہ لے گئے۔ آپ نے مسجد جامع فرخ میں قیام فرمایا
ٹھٹھہ کے فرمانروا میرزا عبدالباقی کو آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو قہر مہر
کے لئے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کی تشریف آوری کے لئے ممتون ہوں آپ نے
فرمایا جو اولیاء اللہ کو ایذا پہنچاتا ہے اُس پر فرشتے (پرنڈوں کی شکل میں) مسلط ہوتے
ہیں کہ اُن کی چونچیں الماس سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہیں، ابھی آپ یہ فرما ہی رہے تھے
کہ فضا میں پرنڈے ظاہر ہوئے، جنہیں پوری مجلس نے دیکھا، میرزا عبدالباقی
نے ڈرتے ہوئے یہ خیال کیا کہ وہ آپ سے عرض کرے کہ ان کی شہر بدری اس کے دادا
کے حکم کی بنا پر ہے کہ جس کے حکم سے وہ تخت پر بیٹھا ہے۔ ابھی وہ یہ بات زبان
سے کہہ بھی نہ پایا تھا کہ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ تم اس پر صلح کر لو کہ ملک
ان کو مالک محروسہ سے بدلہ نہ کریں اور سوائے شہر کے وہ ممالک محروسہ میں جہاں
چاہیں سکونت اختیار کر سکتے ہیں۔ میرزا عبدالباقی نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ اگلے
بعد ان میں سے بعض پرگنہ لکرا اور بعض شہر بدین میں آباد ہو گئے۔

تصنیف | تصنیف و تالیف سے گریز فرماتے تھے۔ ایک دفعہ سید اسماعیل

بخاری نے جو آپ کے مریدوں میں سے تھے۔ ارادہ کیا کہ جو کچھ آپ

زبان مبارک سے فرماتے ہیں اس کو لکھ لیا جائے۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا میاں

طالب حق قدرت کے قلم سے ان باتوں کو صحیفہ دل پر لکھتا ہے، کاغذ پر نہیں لکھتا۔

کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ بزرگان سلف کی طرح خیال ہوتا ہے کہ تصوف

پر ایسی جامع کتاب لکھی جائے کہ قدمار کی کتابیں دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔

لیکن ادب ہمیشہ مجھے اس خیال سے مانع رہا۔ میرے مریدین مستقل تصوف کی کتاب

ہیں کہ جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا ہے وہ بزرگوں کے قول کے مطابق اور شریعت کے

لے دلیل الذاکرین ۱۳۲۵ روایت حاجی عبدالنہین حاجی ہارون۔

موافق ہوتا ہے۔

پہلا مرید | شیخ محمود ابن صدیقی غزنی کا بیان ہے کہ جن دو بزرگوں نے سب سے پہلے حضرت مخدوم نوح سے کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین حاصل کی، ان میں سب سے پہلے مخدوم ساہر بخارا، اور دوسرے شیخ ہوتی لاکھا ہیں۔ حضرت مخدوم خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح جناب رسالت مآب نے چار صحابہ کو اختیار فرمایا تھا، فقیر کے بھی مریدوں میں چار یار بڑے ہیں۔ ان میں ایک غلام آل طہ ولین سید ابوبکر لکھنوی ہیں۔

ملفوظات | حضرت مخدوم کے ملفوظات دلیل الذاکرین میں بڑی کثرت سے نقل کئے گئے ہیں جو اثر و تاثر، حکمت و موعظت اور بلاغت و فصاحت کے اعتبار سے بے نظیر ہیں۔ ہم ان میں سے چند یہاں نقل کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت مخدوم سے بادشاہ وقت نے پوچھا کہ بعض فقرا یہ بتا دیتے ہیں کہ حاملہ عورت کے پیٹ میں کیا ہے، اور بارش کب برے گی اور بعض مستقبل کے حالات بھی بتا دیتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں ہے۔ ان اللہ عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الارحام وما تدري نفس ماذا تكسب غدا۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان چیزوں کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ مخدوم نوح نے فرمایا کہ اگر تم خود کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ آیت میں لفظ نفس ہے نہ روح، اور فقیر جو کہتے ہیں وہ نفس سے نہیں کہتے، بلکہ وہ نفس سے گزر کر مخلوقا باخلاق اللہ سے متصف ہو جاتے ہیں پھر اُس بادشاہ نے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے تاکہ میں اُس پر عمل کروں، فرمایا کہ بغیر ریاست کے ملک اہل فساد، دشمنوں اور داکوؤں سے محفوظ نہیں رہتا اور

سیاست و انتظام لشکر اور فوج کی خوشنودی سے بہتر ہوتا ہے، اور لشکر خزانے سے جمع ہوتا ہے اور خزانہ بغیر رعیت کے حاصل نہیں ہوتا، اور رعیت کی آبادی اور خزانے کی معموری عدل و انصاف پر منحصر ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک بادشاہ نے ایک بزرگ سے نصیحت کی استدعا کی۔ ان بزرگ نے فرمایا مملکت کی حفاظت کے لئے تین قلعے ضروری ہیں تاکہ وہ اپنے معاندوں اور مخالفوں سے محفوظ رہے، پہلا قلعہ مٹی کا ہے وہ رعیت ہے۔ اس قلعے کو عدل و انصاف کے بگاڑے سے اس طرح مضبوط کرنا چاہیے کہ کسی ظلم کی وجہ سے اُس میں رخ نہ پڑے۔ دوسرا قلعہ لوہے کا ہے وہ لشکر ہے جس کی تعمیر انعام و بخشش سے ہوتی ہے، یہی لوگ ملک کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اور عوام اُن کی حمایت میں رہ کر مامون رہتے ہیں۔ تیسرا قلعہ فولاد کا ہے وہ اہل اللہ ہیں۔ بادشاہ کو چاہیے کہ بیت المال میں ان کا جو حصہ ہے وہ اُن کو دے، اور ان کو اتنی فراغت بہم پہنچائے کہ وہ مدارس میں اطمینان سے درس و تدریس میں مشغول رہیں۔ اور سلطنت کی بقا کے لئے دعا فرمائیں۔ بادشاہ کا یہ فرض بھی ہے کہ ہمیشہ ان کو معزز و مکرم رکھے اور ان کی معیشت کے انتظام کو اپنے لئے لازم جانے اور اپنے کو ان کی دعاؤں کا محتاج تصور کرے، اپنی حاجات و مطالب کو صدق دل اور خلوص کے ساتھ ان کے سامنے دعا کے لئے پیش کرے کہ حقیقت میں ملک کا نظم و نسق انہیں اہل دل کے ہاتھ میں ہے۔

بعض مرتبہ مریدین کو نہایت ہی لطیف انداز میں اس طرح تربیت فرماتے کہ سننے والے اس سے اثر لیتے اور انہیں ناگوار بھی نہ گزرتا تھا۔

ایک دفعہ درویش سارا عرف بہار اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضرت مخدوم نوح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ دست بوسی کا شرف حاصل کر چکے

تو آپ نے ان کے ایک ساتھی درویش عثمان سے پوچھا کہ اس جماعت کا سردار کون ہے ؟ انھوں نے بتایا کہ فلاں ہے کہ جو حضور کے مریدوں میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر چلنا میزبان کی تکلیف کا باعث ہے کہ جہاں وہ شب بسر کریں گے، ساتھی چار آدمیوں سے زیادہ نہ ہونے چاہئیں کہ جو ایک پیارے میں کھا سکیں۔

درویش یحییٰ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بی بی مریم نے حضرت مخدوم سے وسعت رزق کی دعا کے لئے عرض کیا، فرمایا جو تمہارا مقدر ہے اللہ اس سے کم نہیں کرے گا۔ اور دوسروں کا نصیب تمہیں نہیں دیا جاسکتا۔ اور جو تمہیں نہیں مل سکتا۔ اس کے لئے سرگرداں نہ ہو اور جو تمہارا مقدر ہے اس کے حصول کے لئے تمہیں پریشان نہ ہونا چاہیئے۔

ایک دفعہ لوگوں نے مخدوم نوح سے پوچھا کہ حبیب اور خلیل میں کیا فرق ہے فرمایا کہ حبیب معشوقیت کا مرتبہ رکھتا ہے اور خلیل عاشقیت کا۔ حبیب ناز کی منزل میں ہوتا ہے اور خلیل نیاز کی۔ حبیب کو دوست چاہتا ہے اور خلیل دوست کے لئے ترپتا ہے۔

بعض مرتبہ صوفیاء کے رموزی اقوال کی نہایت عجیب انداز میں توضیح فرماتے ایک مرتبہ کسی نے سلطان العارفین بایزید بسطامی کے اس قول کا مطلب پوچھا کہ انھوں نے فرمایا ہے۔ خدائے تعالیٰ بایزید کی احتیاج رکھتا ہے لیکن بایزید اس کا محتاج نہیں، فرمایا یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ آئینہ گر آئینہ بناتا ہے۔ لیکن اپنا چہرہ دیکھنے کے لئے آئینہ کا محتاج ہے۔

۱۷ دلیل الذاکرین ص ۵۸ ۱۸ دلیل الذاکرین ص ۵۸ ۱۹ دلیل الذاکرین ص ۵۸

۲۰ دلیل الذاکرین ص ۵۸

شرعی مسائل کو بھی اپنے انداز سے بیان فرماتے اور قرآن مجید سے استنباط فرماتے۔ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو بد بخت کہا، علمائے ظاہر نے فتویٰ دیا کہ اس پر کچھ لازم نہیں آتا۔ آپ نے سنا تو فرمایا کہ بد بخت کا فوکہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے **وَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ** اس بنا پر لازم ہے کہ یہ تجزیہ نکال کرے۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو کہا اگر تو نے دیگچی چانی تو تجھے طلاق ہے، عورت نے دیگچی چاٹ لی۔ علماء نے فتویٰ دیا کہ اس کو طلاق ہو گئی۔ مخدوم نوح نے سنا تو فرمایا اس کو کیسے طلاق ہو سکتی ہے اُس نے تو انگلیاں چانی ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ العلم حجاب الاکبر کا کیا مطلب ہے فرمایا کہ یہ حجاب عینک کی طرح ہے کہ جو بصیر اور بصیرت کو نور بخشے والا ہے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمائیے کہ خدا مجھے علم نصیب کرے۔ فرمایا کہ علم کے حصول سے علیم کا حصول مقصود ہے، جس نے صرف علم کے حصول کی دعا چاہی اُسے صرف علم حاصل ہوتا ہے۔

ان صاحب کا بیان ہے کہ مجھے تمام عمر اس کا افسوس رہا کہ میں نے آپ سے اُسی وقت کیوں نہ عرض کیا کہ میرے لئے علم اور علیم کے حصول کی دعا فرمائیے۔ فرمایا کہ نماز میں تکبیر اولیٰ مثل چراغ کے ہے کہ جو کچھ تاریک گھر میں ہوتا ہے چراغ کے روشن ہونے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

علوئے مرتبت | محمود ابن صدیق مخزومی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز اپنے معلم کے ساتھ جن سے میں نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل

۱۵ دلیل الذاکرین ص ۱۵

۱۵ دلیل الذاکرین ص ۱۵

۱۵ دلیل الذاکرین ص ۱۵

۱۵ دلیل الذاکرین ص ۱۵

کی تھی بقیہ اُن کے بزرگ مخدوم ساند کی خدمت میں گیا۔ ہم دونوں کے مجلس میں بیٹھے
 ہی مخدوم ساند نے مجلس کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ ایک روز مخدوم نوح نماز
 چاشت کے لئے دریا کے کنارے تشریف لائے کہ اچانک ایک صاحب نے جو خوبصورت
 بھی تھے اور معنوی خوبیاں بھی حد کمال تک اپنے اندر رکھتے تھے۔ انھوں نے فرمایا، اے
 میرے مخدوم! میں نے بادشاہ میرزا پایندہ بیگ جو مجنون ہو گیا ہے، لوگ اُس کے
 لئے آپ سے دُعا کے خواستگار ہوں گے۔ آپ ہرگز اس کے حق میں دُعا نہ فرمائیں
 یہ بات اُن صاحب نے تین مرتبہ مخدوم معظم سے عرض کی، حضرت مخدوم نے فرمایا
 اے مخدوم! لعل شہباز آپ کے ارشاد کے مطابق میں ہرگز اس کے لئے دُعا نہیں
 کروں گا۔ آخر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرزا پایندہ بیگ کے لئے دُعا شفا
 کے طالب ہوئے، آپ نے انکار فرمادیا۔ مخدوم ساند نے یہ واقعہ بیان کر کے کہا کہ
 پھر یہ لوگ میرے پاس آئے اور دُعا کے طالب ہوئے۔ میں نے اُن سے کہا کہ جس
 کے لئے حضرت مخدوم نوح نے دُعا نہیں فرمائی، میری کیا مجال ہے کہ میں اس کے
 لئے دُعا کروں۔ واقعہ یہ تھا کہ میرزا پایندہ بیگ نے مخدوم لعل شہباز کے روضہ
 مبارک کے قریب ایک عورت پر دست درازی کی تھی۔ اُسی وقت وہ دیوانہ ہو گیا
 اور اپنا پیشاب و پاخانہ کھانے لگا۔

مرزا پایندہ بیگ، مرزا محمد باقی ترخان کا بیٹا تھا، جو کو مرزا پایندہ بیگ مجنون ہو گیا تھا۔ لہذا
 اس کی جگہ چھٹھ کے امراء حکومت نے سال ۱۱۱۲ھ میں مرزا محمد باقی کی وفات کے بعد مرزا پایندہ بیگ
 کے بیٹے مرزا جانی بیگ کو چھٹھ کا بادشاہ بنایا۔ مرزا پایندہ بیگ شاعر بھی تھا، صاحب مقالات اشعار
 نے اس کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

فلک بکام کہ گردید کاہر شمش فلکند ترانہ سب فلان تیاں باید کرد
 بیروم نعرہ زنایں تا بدر دوست فلے ترسم آں یار شود اگر و برہم گردد

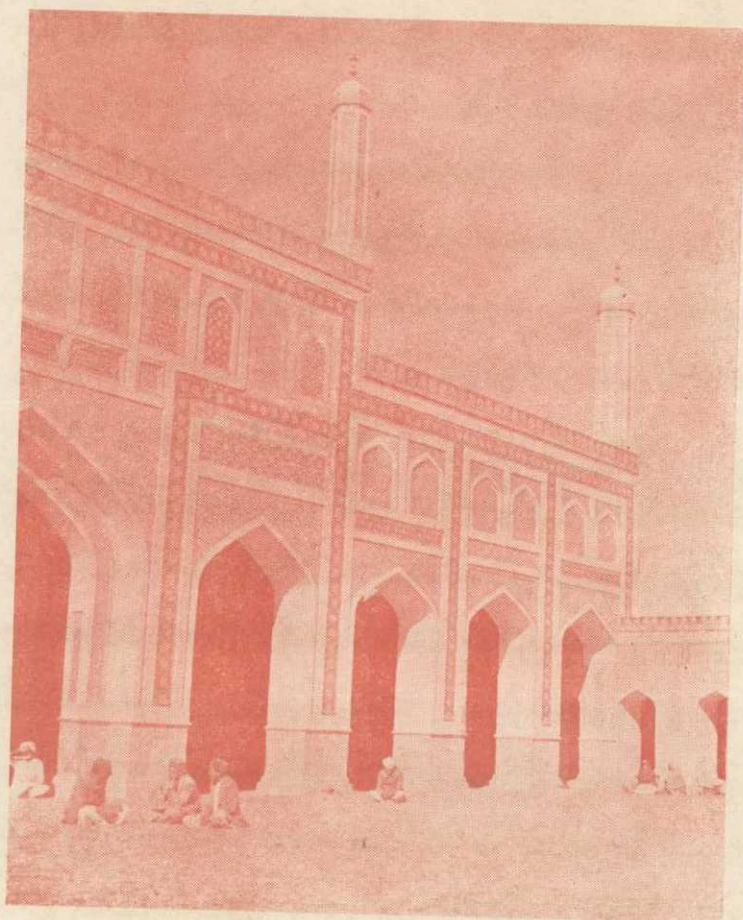
وفات مخدوم نوح ستاسی سال کی عمر میں ۲۷ ذیقعدہ شب پنجشنبہ ۹۹۵ھ کو واصل الی اللہ ہوئے، صاحب حدیقۃ الاولیاء نے "شیخ نوح بود" سے آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔ آپ کا مزار پُرانوار مالہ کنڈی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

ازواج و اولاد حضرت مخدوم نوح کے چار بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی قبیلہ ترک سے تھیں، اُن کا عرف باچار تھا، ان سے چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ بڑے صاحبزادے کا نام محمد امین تھا۔ جن کو آپ کے بعد خلافت ملی۔ دوسرے صاحبزادے کا نام میاں حامد اور تیسرے صاحبزادے کا نام میاں نور محمد اور چوتھے صاحبزادے کا نام میاں احمد تھا۔ لڑکیوں میں ایک صاحبزادی کا نام بی بی تاج خاتون تھا جو میاں محمود سے بیاہی گئی تھیں۔ دوسری صاحبزادی بی بی رقیہ تھیں جن کی نسبت میاں قاسم ابن عبداللہ سے ہوئی تھی۔ تیسری صاحبزادی بی بی مریم تھیں جو سید عبداللہ بن یعقوب سادات متعلوی سے منسوب تھیں۔ چوتھی صاحبزادی بی بی صحت خاتون تھیں جو میاں صالح محمد بن قاسم سے منسوب تھیں۔

دوسری بیوی سے آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں، میاں داؤد۔ میاں میرسی۔ میاں ہارون۔ میاں یوسف۔ میاں آدم۔

تیسری بیوی سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔ میاں میرال محمد۔ میاں ابراہیم نقب بردہم ثانی۔ میاں جلال الدین محمد۔ صاحبزادی کا نام بی بی میاں تھا جو میاں اللہ داد سے جو حضرت بلال کے صاحبزادے تھے۔ بیاہی گئی تھیں۔ حضرت بلال مخدوم نوح کے حقیقی بھائی تھے چوتھی بیوی قبیلہ سحتر سے تھیں۔ جن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

ایں چراغے ست کہ از پرتو نورش در سند
هر کجیا می نگرم انجمنے ساختہ اند



درگاہ حضرت مخدوم نوح ہالائی قدس سرہ
واقع ہالہ نو - ضلع حیدرآباد سندھ
جن سے تمام سندھ میں عرفان و ہدایت کا نور پھیلا
(بشکریہ جناب مخدوم محمد زماں طالب المولیٰ)
سجادہ نشین درگاہ حضرت مخدوم نوح ہالائی

صاحب دلیل الذاکرین کا بیان ہے کہ آپ کے سب صاحبزادے نہایت متقی و پرہیزگار اور متشرع تھے اور قولاً و فعلاً ان سے کوئی حرکت ایسی سرزد نہ ہوئی تھی جو شریعت کے خلاف ہو۔ ان میں سے بارہ صاحبزادوں نے بڑی عمر پائی۔ اور باقی بچپن ہی میں وفات پا گئے۔

میاں محمد امین | حضرت مخدوم فوج کی وفات کے بعد حضرت محمد امین حضرت مخدوم کے جانشین ہو کر سجادہ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے۔ وہ زہد و تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے اپنے والد محترم کے نقش قدم پر تھے۔ اُن سے تصوف و عرفان کا نور سارے سندھ میں پھیلا۔

میاں ابراہیم ادہم ثانی | میاں ابراہیم ادہم ثانی بھی بڑے پائے کے بزرگ تھے، ان کے توکل علی اللہ کا یہ عالم تھا کہ باوجود فقر اور کثرتِ اولاد کے کل کے لئے کوئی چیز نہ رکھتے تھے، کبھی کبھی عید کے روز بھی آپ کے یہاں فاقہ ہوتا تو فرماتے الحمد للہ ہم رسول اکرم کی سنت بجالا رہے ہیں کہ ایک دن عید کے روز جناب رسالت مآب کے اہل بیت بھی فاقے سے تھے۔ ایک روز ادہم ثانی حضرت ابراہیم مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اہل مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سندھ کے بادشاہ میرزا جانی نے وفات پائی۔ اب اس کی جگہ کون تختِ سلطنت پر بیٹھے؟ حاضرین مجلس ادب کی وجہ سے خاموش رہے۔ حضرت عیسیٰ لکھنوی جو اس زمانے میں اپنے کشف و کرامات میں مشہور تھے، اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ بہت ادب سے دوزانو ہو کر آپ کے سامنے بیٹھے اور عرض کیا کہ اس ملک کی سلطنت کی دستار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے میرزا غازی نے پائی ہے۔

لہ دلیل الذاکرین ص ۹۵ و ص ۱۰۳ لہ دلیل الذاکرین ص ۱۰۳ لہ دلیل الذاکرین ص ۱۰۳ لہ دلیل الذاکرین ص ۱۰۳

حضرت جلال محمد حضرت جلال محمد بھی نہایت ہی بزرگ اور متورع تھے۔

زبان مبارک سے جو کچھ فرمادیتے وہ فوراً پورا ہو جاتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت جلال محمد نواب شاہ خان سے جو اس وقت ٹھٹھہ کا گورنر تھا۔

ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہ بد بخت نہایت بے التفاتی سے پیش آیا۔

آپ نے فرمایا کہ یہ مروک اس قابل نہیں کہ اسے حکومت پر رکھا جائے، اس کو فلاں

جگہ بھیج دینا چاہیئے، اور اس کی جگہ ٹھٹھہ کی حکومت امیرخان کو ملنی چاہیئے چنانچہ

چند ہی روز کے بعد شاہ خان کو ٹھٹھہ کی گورنری سے ہٹا پڑا اور اس کی جگہ

امیرخان ٹھٹھہ کا گورنر ہو کر آیا۔

یارانِ مخدوم نوح حضرت مخدوم نوح کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

سندھ کے اکثر اکابر صوفیا آپ ہی کے سلسلے سے متعلق نظر

آتے ہیں۔ آپ کے مریدوں اور عقیدت مندوں کو یاروں سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ کسی نے حضرت مخدوم سے سوال کیا کہ آپ کے مریدوں کو یار کہتے ہیں۔

حالانکہ آپ سے پہلے جتنے بزرگ گزرے ہیں ان کے ارادتمندوں کو مرید کہا جاتا تھا

آپ نے فرمایا کہ فقیر کا قدم چونکہ رسول اکرم کے قدم پر شریعت کے عین مطابق ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی بھی چونکہ یار کہلاتے تھے۔ اس لئے

میرے ساتھی اور معتقدین بھی یار کہلاتے ہیں۔ آپ کے مریدین اور خلفائیں جو حضرت

مشہور ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) مخدوم ساہر لنجاہ (۲) شیخ المشارح ہوتی لاکھا

۱۔ نواب شاہ خان ۲۔ ربیع الاول ۱۲۵۲ء تک ٹھٹھہ کا گورنر رہا۔ اس کے بعد ابوالہقا امیرخان

کو جو سیون میں تھا ٹھٹھہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ ابوالہقا امیرخان نے ۱۲۵۸ء میں وفات پائی (۳) زادشاہ

نام جلد ۲ ص ۲۳۱ دہلی الذاکرین ۱۸۵۱ء دہلی الذاکرین باب ثالث ص ۱۸۱

(۳) سید ابوبکر لکھلوی (۴) سید عبد الکریم متعلوی

(۵) حضرت بہاء الدین دلق پوش (۶) حضرت عثمان عصار

(۷) سید علی مستوی (۸) درویش جمعہ جارجیہ

(۹) میاں متھافیر (۱۰) حضرت نوح کاریہ

(۱۱) حضرت شیخ محمود ولد صدیق فخریہ -

(۱۲) درویش زکریا (۱۳) سید اسماعیل بخاری

(۱۴) حسین تیمم (۱۵) میرن کاتیار

(۱۶) اکشم بن حماد (۱۷) یحییٰ برائیہ

(۱۸) قطب بری (۱۹) حاجی لکڑہ بوریاف

(۲۰) درویش عثمان متقی (۲۱) درویش امین سکن قریہ لکڑی

ساہر لہجاری حضرت ساہر لہجاری مخدوم نوح کے جلیل القدر خلفا اور مریدوں میں تھے۔ ساہر لہجاری وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضرت مخدوم کے حلقہ عقیدت کو آویزہ گوش بنایا۔ دلیل الذاکرین میں ہے کہ جنہوں نے سب سے پہلے حضرت مخدوم سے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی تلقین حاصل کی ان میں سے قذوۃ الابرار مخدوم ساہر لہجاری ہیں اور دوسرے شیخ المشائخ ہوتی لاکھائیں۔ ساہر لہجاری کا مزار موضع انرپور میں ہے۔

سید ابوبکر لکھلوی سید ابوبکر لکھلوی کا شمار بھی آپ کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے ایک مرتبہ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے چار اصحاب کو چنا تھا۔ میرے یاروں میں چار

دلیل الذاکرین ص ۱۸۵ باب ثالث در بیان مناقب و مفاخر ارادہ داران و یاران مخدوم معظم
لکھلوی۔ الاولیٰ قلمی ص ۱۳۹

بڑے یاد ہیں۔ اُن میں سے ایک منبع برکات ، خلاصہ آبی طہ و تسنن سید ابو بکر
لکعلوی میں ہے۔

سید ابو بکر لکعلوی اپنے شیخ سے بچہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ کی
محبت و عقیدت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ ٹھٹھ سے بہت سے
تحائف و ہدایا کشتی میں لاد کر اپنے شیخ کے لئے ہالہ کنڈی لائے۔ جب شیخ کی مسجد
کے دروازے میں قدم رکھا تو انہیں یاد آیا کہ وہ سرمہ گھر میں بھول آئے ہیں جو انہوں
نے شیخ کے لئے رکھا تھا، اُسی وقت وہ ٹھٹھ واپس ہوئے ، اور وہ سرمہ
لے کر آئے۔

اکثر آپ بہت سا سامان ، قیمتی لباس ، نقد اور بہت سی چیزیں جو کچھ بھی
ملا شیخ کی خدمت میں لاتے۔ آپ کے صاحبزادے عرض کرتے کہ آجکل ہم ضرورت مند
اور قرضدار ہیں۔ اگر اس میں سے کچھ تھوڑا سا ہمیں بھی عنایت فرمایا جائے تو ہم اپنی
ضروریات زندگی کو پورا کر سکیں گے اور اپنا قرض ادا کر سکیں گے۔ لیکن آپ ان کی طرف
توجہ نہ فرماتے ، اور سب سامان لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ جب وہ
اس ساز و سامان کے ساتھ مخدوم کی مجلس میں پہنچتے تو مخدوم اُن سے فرماتے کہ اے
سید ! اولاد کا حق بھی بوازم شرعی میں ہے جسے تمہیں ادا کرنا چاہیے اور ہماری
کفالت کے لئے تو خدا کا کافی ہے۔ من یتو کل علی اللہ فهو حسیبہ
تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم اپنے زبندوں کی مدد کرو۔ جب وہ دیکھتے کہ شیخ
ان تحائف کو قبول کرنے سے اعراض فرما رہے ہیں تو حضرت مخدوم کی بیوی سے
عرض کر دیتے کہ حضرت سے عرض کیجئے کہ میرے بال بچوں کو خدا کے سپرد فرمائیں
کیونکہ مشہور ہے کہ جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ خیر ہو کر رہے گا۔ اور جو اللہ کے

پاس ہے وہ باقی رہے گا۔ اللہ کا انعام عام اور اس کی نعمتیں مکمل ہیں۔ اسی کی بخشش سے کام چلتا ہے، اور ہماری داد و دہش سے کیا پورا ہو سکتا ہے۔ مخدوم اُن کے پیغام کو سنتے تو اُن کے حسن عقیدت اور خلوص کو دیکھ کر دعائیں دیتے اور فرماتے کہ تمہاری اولاد میں چودہ پشت تک فقیروں کی دعالے میرا در پیر ہوں گے۔ اور وہ تمہاری عبادت اور خدمت کا صلہ پائیں گے۔

بعض کرامات کے اظہار پر حضرت مخدوم نے ان کو منع فرمایا کہ اس قسم کی کرامتیں ظاہر کرنا فقراء کے مناسب نہیں خصوصاً ہمارے یاروں کے لئے جو شریعت کے جادے پر استقامت اور مضبوطی سے قدم جمائے ہوئے ہیں۔ سید ابوبکر نے شیخ کے ارشاد کو جب سنا تو نادام ہو کر چار چلتے توبہ و استغفار میں گزارے۔ سید ابوبکر کی عادت مبارک تھی کہ جو کچھ اپنے شیخ سے سنتے فوراً اس پر عمل کرتے۔

حضرت بہار الدین دلق پوش | حضرت بہار الدین دلق پوش، حضرت مخدوم کے اہم خادموں اور حلیل القدر خلفاء میں

تھے۔ ابتداءً یہ حضرت شیخ بہار الدین ذکر یا ملتانی سے عقیدت رکھتے تھے، بعد میں حضرت مخدوم نوح کے حلقہ عقیدت کے لوگوں سے متعارف ہو کر حضرت درویش جمعہ جارجیہ کے توسط سے حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک خدمت اقدس میں رہ کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر اُن کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ مخدوم نے بخشاکہ اپنے صاحبزادوں کا معلم مقرر فرمایا۔

حضرت بہار الدین اپنے وقت کا بڑا حصہ عبادت الہی میں صرف کرتے اس کے بعد جو وقت ملتا وہ قرآن مجید، احادیث، کتب فقہ اور تصوف کے لکھنے میں گزارتے

۱۔ دلیل الذاکرین ص ۱۸۶۔ دوسری روایتوں سے بقیہ تین حضرات کے اسمائے گرامی بھی معلوم ہوئیں وہ یہ ہیں درویش عمر، عثمان عصا۔ اور حضرت سید علی مستوری۔ ۲۔ دلیل الذاکرین ص ۱۸۹

یہاں تک کہ کھانا کھاتے ہوئے اور لقمہ کو چباتے ہوئے بھی وہ لکھنے میں مصروف رہتے اس کے بعد جو وقت ملتا وہ وقت قال اللہ وقال الرسول میں صرف فرماتے۔ ایک کلام مجید رات میں اور ایک کلام مجید دن میں اور ایک کلام مجید تراویح میں ختم کرتے تھے۔ رمضان میں رات کو بعض اوقات تین کلام مجید مع اپنے اوراد و وظائف کے لوگوں کے سحری کے لئے اٹھنے سے پہلے ختم کرتے۔

حضرت بہار الدین دلق پوش جب پہلی مرتبہ حضرت مخدوم کی خدمت حاضر ہوئے تو پوچھا کیا میں ہمیشہ با وضو رہوں۔ آپ نے ان کا سوال سن کر فرمایا، یہ آدمی عقل مند و میں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وضو کے ہتھیار کا طالب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ الوضو سلاح المؤمن اس دن کے بعد سے شیخ بہار الدین کی یہ کیفیت رہی کہ وہ اکثر اوقات صبح کی وضو سے عشاء کی نماز ادا فرماتے، اور تہجد کی وضو سے چاشت کی نماز ادا کرتے یہ

ظالم و جابر لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے حضرت بہار الدین دلق پوش پر مظالم کئے، آپ نے کبھی بددعا نہ فرمائی۔

عہد جہانگیری میں شریف الملک کو جو ٹھٹھہ کا گورنر تھا۔ جب شاہزادہ خرم

لے دلیل الذاکرین ص ۱۹۹

لے شریف الملک معزوت بہ شریف خان یک چشم ۱۰۳۵ھ میں ٹھٹھہ کا گورنر تھا۔ اسی سال یعنی جہانگیر کی تخت نشینی کے اکیسویں سال شاہزادہ شاہجہاں اپنے والد سے ناراض ہو کر عراق عجم کے اردشیر سے اپنے چند خاص مصاحبوں کے ساتھ ٹھٹھہ پہنچا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ چند روز ٹھٹھہ رکھ کر آگے چلا جائے۔ شریف الملک نے غالباً جہانگیر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شہزادہ پر چند مرتبہ توپوں اور بند و قوس سے پیدش کی، پر پیر کے مزار کے نزدیک اور مکی کے پل کے متصل بڑی سخت جنگ ہوئی۔ آخر شریف الملک نے شکست کھائی۔ کہتے ہیں کہ اسی زمانے میں شاہزادہ خرم کی بیوی جو اس کے ساتھ تھی اور حاملہ تھی۔ اس نے انار کی خواہش ظاہر کی، شاہزادہ نے اپنی

دہلی سے اپنے باپ سے ناراض ہو کر ٹھٹھہ آیا تو وہ حضرت بہاء الدین کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا اور آئندہ بادشاہ ہونے کے لئے دعا کا خواستگار ہوا، اپنے آیت الکرسی لکھ کر شاہزادہ خرم کو دی کہ وہ اپنے جھنڈے میں اس کو باندھ لے، اور فرمایا کہ دہلی کا تاج و تخت تمہارا مقدر ہو چکا ہے۔ کوئی تمہارا حریف نہیں بن سکتا۔ شاہزادہ خرم کے ٹھٹھہ سے چلے جانے کے بعد شریف الملک نے محض اس بنا پر کہ آپ شاہزادہ خرم سے ملے تھے، آپ کو قید کر دیا۔ اور آپ کے کتب خانے کو برباد کر دیا۔ اور طرح طرح کی اذیتیں آپ کو پہنچائیں۔ آپ کے صاحبزادوں اور عقیدہ مندوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ صاحب کرامت ہیں، اور فاجروں کے مقابلے میں کرامت کا ظاہر کرنا جائز ہے، ویسے بھی آپ علم جفر اور تکیہ میں کمال رکھتے ہیں۔ اگر آپ اس کے مقابلے میں کرامت کا اظہار نہیں فرماتے تو کم از کم اپنے اس علم سے کوئی ایسی صورت اختیار فرمائیے کہ یہ ظالم برباد ہو جائے اور آپ اس بے جا قید اور ذلت سے

(بقیہ فٹ نوٹس)

بیگم کی فرمائش کی تکمیل کیلئے فدا ایک رقم اپنے دستخطوں سے شریف الملک کے پاس اناروں کے لئے بھیجا۔ اس نے جواب دیا کہ میں خود بیگم صاحبہ کو انار بھجوا دوں گا۔ اور اسی وقت ایک نئی توپ انداز کو حکم دیا کہ وہ توپ کا رخ بیگم کے خیمے کی طرف کر کے گولے پھینکے، پھر اس نے کہا کہ اس جگہ ایسے ہی انار پیدا ہوتے ہیں۔ توپ کی آواز سے بیگم کا محل سا قوت ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خود شریف الملک نے دُور بین سے دیکھ کر توپ کا رخ شاہزادے کے خیمے کی طرف کیا تھا اور توپ کو فلیٹہ خود دیا تاکہ شاہزادہ ہلاک ہو جائے، لیکن اسی وقت شاہزادے کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے پر شاہزادہ بال بال بچ گیا اور نشانہ خطا گیا۔ نشانہ خطا ہو جانے کی وجہ سے شریف الملک کو بہت غصہ آیا اور اس نے غصے سے اپنی انگلی سے اس آنکھ کو جس سے نشانہ باندھا تھا، چھوڑ لیا۔ شاہزادہ خرم نے جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے اُس سے انتقام لیا اور وہ قتل کیا گیا۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۹۷)

نجات حاصل کر سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا کہنا صحیح ہے۔ لیکن یہ ظالم اپنے ظلم سے میرے مقدر کے رزق میں ایک دانے کی کمی نہیں کر سکتا اور میرے ایمان میں سے ایک ذرہ کو بھی نہیں گھٹا سکتا۔ اس لئے یہ سب بے سود ہے۔ اس کے علاوہ اگر میں کسی کرامت وغیرہ سے اپنی عزت کو باقی بھی رکھوں تو یہ لوگوں میں شہرت کا سبب ہوگا۔ اور شہرت اہل اللہ کے لئے آفت ہے۔ اس لئے اس معاملے کو اسی صورت سے رہنے دو یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کوئی بہتر صورت نکال دے۔ چنانچہ چند ہی دن میں آپ کی پیشگوئی کے مطابق شانزادہ خرم بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے دہلی کا بادشاہ ہوا۔ اور شریف الملک تباہ و برباد ہوا۔

ایک دفعہ حضرت بہار الدین دلق پور سے ایک شخص نے کہا کہ میں تنہائی میں آپ سے طلب حق کے سلسلے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا کہو۔ اگر کوئی مختاری بات سمجھ سکتا ہے تو وہ اہل ہے اور اہل سخن سے کسی نکتہ کو محفوظ رکھنا مناسب نہیں، اور اگر کوئی تنہا ہی بات نہیں سمجھتا وہ نادان مثل دیوار کے ہے۔ اس کی تمہیں پروا نہ ہونی چاہیے۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ بتا دیجئے کہ اس زمانے میں کون سا دلی سیدۃ المنبتی سے واقف ہے۔ فرمایا تم نے تو درخت کے متعلق بات پوچھی طلب حق سے اس کو کیا واسطہ ہے۔

صاحب تحفۃ الطاہرین نے آپ کی عظمت بزرگانہ کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت بہار الدین گودریہ حضرت مخدوم فوح کے جلیل القدر مریدوں میں تھے۔ صاحب وجد و حال تھے۔ اکثر آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ جب کبھی حلقہ سماع میں تشریف لاتے تو آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی اور اپنے اختیار سے باہر ہو جاتے۔ حضرت سید علی ثانی شیرازی سے بھی آپ کی محققانہ ملاقاتیں رہتی تھیں۔

ایک دفعہ راستے سے گزر رہے تھے، ایک نوجوان کو دیکھا کہ کسی کے عشق میں مبتلا ہو کر حیران و پریشان راستے میں بیٹھا ہے، لوگوں کی بھیڑ اس کے گرد جمع ہے اور لوگ طرح طرح سے اس کو ملامت کر رہے ہیں، وہ کہہ رہا ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو کہ میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ حضرت بہار الدین دلی پوش نے اس کی بات سنی تو ایک نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گئے۔ تین روز تک آپ پر استغراق کی کیفیت رہی۔ آپ کا نعرہ سنتے ہی اس نوجوان کا عشق حقیقت میں تبدیل ہو گیا۔

حضرت بہار الدین دلی پوش کی تصانیف میں ایک رسالہ کا پتہ چلتا ہے جس کی بعض بعض روایتیں صاحب دیل الذاکرین نے اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔ یہ رسالہ آپ نے حضرت مخدوم کی سوانح اور مناقب پر لکھا تھا۔

آپ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکی میں میاں متھانیقر کے مزار کے برابر واقع ہے۔

درویش عمر | آپ کے دوسرے جلیل القدر خلیفہ و مرید درویش عمر ہیں۔ یہ بھی اُن چار یاروں میں ہیں۔ انھوں نے اپنی ساری عمر عجاہڈل اور ریاضتوں میں بسر کی اور لذات دنیوی سے کوئی واسطہ نہ رکھا۔ ہمیشہ ایک گدڑی پہنے رہتے۔ جس روز آپ حضرت مخدوم کے مرید ہوئے اس دن سے کبھی کوئی لایعنی بات آپ کی زبان مبارک سے نہ نکلی۔ ہمیشہ روزے سے رہتے اور ساری ساری رات عبادت میں گزارتے، افطار چند لقموں سے کرتے۔ آپ کے بیٹھنے اور سونے کی کوئی جگہ مقرر نہ تھی اور نہ اپنے اختیار سے سوتے تھے۔

حضرت عثمان عصار | آپ کے تیسرے جلیل القدر خلیفہ حضرت عثمان عصار ہیں۔ ان کا شمار بھی آپ کے ان چار یاروں میں ہے۔

جن کے متعلق حضرت مخدوم نے صراحت فرمائی تھی کہ میرے چار بڑے یار ہیں۔
 حضرت عثمان عصار شب و روز حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر رہتے، اول
 جو کوئی بھی حضرت مخدوم سے مرید ہوتا پہلے حضرت عثمان عصار سے متعارف ہوتا۔
 آپ اس طالب کے سامنے حضرت مخدوم کی خاندانی شرافت اور بزرگی کے متعلق اس
 دل آویز طریقہ پر تقریر فرماتے کہ وہ عقیدت مند حضرت مخدوم سے زیادہ سے زیادہ
 فیض حاصل کرتا۔

آپ کے آئینہ اخلاق میں توکل کا عکس سب سے زیادہ نظر آتا ہے۔ ایک چادر
 کے سوا آپ کچھ نہ رکھتے تھے۔ چادر کو گلے میں اس طرح باندھتے کہ وہ چادر تہ بند کا کام بھی
 دیتی۔ کسی کی نذر قبول نہ فرماتے تھے۔

حضرت سید علی متعلوی | جو تھے جلیل القدر مرید جنہیں حضرت مخدوم نوح نے
 یارانِ کبار میں ہونے کا شرف بخشا وہ حضرت سید علی
 متعلوی ہیں جو تقریباً چالیس سال تک حضرت مخدوم کی خدمت میں مختلف ریاضتیں
 اور مجاہدے کر کے اکتساب فیض کرتے رہے۔ صاحبِ دلیل الذاکرین نے آپ کی مختلف
 کرامتوں کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔

میاں متھافیر | میاں متھافیر بھی مخدوم نوح کے خلفاء میں خاص اہمیت رکھتے
 ہیں، تحفۃ الطاہرین کے مولف نے ان کے اوصاف کی حرا
 کرتے ہوئے لکھا ہے۔

میں نے از جناب حضرت پیر ولایت، صاحب ارشاد و
 ہدایت مخدوم نوح قدس سرہ فیض دانی اندوختہ بمقام
 فنا فی اللہ رسیدہ۔

میاں مہتممات سال تک متواتر حضرت مخدوم نوح کی خدمت میں رہے۔ اگرچہ بنظاہر علوم ظاہری میں کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کیا تھا، محض اُمتی تھے لیکن حضرت مخدوم کے فیض صحبت سے علم لدنی و مکاشفے کے اس مرتبہ پر فائز تھے کہ اکابر علماء کے سامنے جب وہ قرآن مجید کی تفسیر بیان فرماتے تو علماء ان کی تفسیر کی تصدیق فرماتے اور خلوص و عقیدت سے آپ کی خدمت بجالاتے۔ بلکہ بسا اوقات فارسی کے مشکل اشعار، دقیق قصیدے آپ سے حل کرتے۔

سندھ کے اُس دور کے ایک متبحر عالم قاضی احمد کہ جن کو اُن کے علم و فضل کی وجہ سے امام اعظم ثانی کہا جاتا تھا، معلوم ہوا کہ ایک درویش ہے کہ جو علم ظاہری کے حصول کے بغیر اور صرف و نحو اور متعلقہ علوم کو جانے بغیر آیات و احادیث و روایات فقہ کے معانی بیان کرتا ہے۔ اور مشکل اشعار اور دقیق قصائد کو حل کرتا ہے۔ انھیں بڑا تعجب ہوا۔ وہ خود دو تین مشکل اشعار سوچ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تاکہ اُن کے معانی و مطالب آپ سے پوچھیں۔ ابھی وہ اُن اشعار کو اپنی زبان سے ادا بھی نہ کر پائے تھے کہ آپ نے اُن اشعار کے معانی نحوی و صرفی اعتبارات کو ملحوظ رکھ کر بیان فرمائے۔ بعض معانی جو آپ نے بیان فرمائے تھے۔ قاضی احمد اُن کو سمجھ نہ سکے اور انھوں نے بغیر مہتمم سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ان معانی کو پھر بیان فرمائیں، آپ نے فرمایا قاضی صاحب آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو اُمتی آسیب زدہ ہوتا ہے، جب اس پر چرن سوار ہوتا ہے تو باوجود اُمتی ہونے کے وہ قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کے معنی بیان کرتا ہے۔ لیکن جب وہ جن رخصت ہو جاتا ہے، پھر وہ ویسا کا ویسا ہی اُمتی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح فقراء علم کے سلسلے میں جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں وہ اُن کی طرف سے نہیں ہوتا، بلکہ وہ فیضانِ یرزدی ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے اور اپنے اختیار سے کچھ نہیں کہتے۔ اس تمثیل کے سننے کے بعد قاضی احمد آپ کے بچہ متفقہ ہو گئے۔

اتباع شریعت کا ہر وقت اور ہر حال میں خیال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وجہ اور سبب کی حالت میں بھی جب سجدہ کرتے تو قبلے ہی کی طرف کرتے۔

ایک دفعہ حضرت ہاشم بن حماد نے درویش بھکر یہ سے پوچھا کہ حضرت متاعین اُس وقت بھی جب کہ آپ پر وجہ اور مدہوشی کی حالت طاری ہوتی ہے۔ ہمیشہ قبلے ہی کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ اُن کے مرشد کمال کی برکت ہے کہ وہ اپنے قل و فعل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہیں۔

ایک دن حضرت مخدوم حامد داؤدی نے حضرت متھا سے سوال کیا کہ انساں کو خداے تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیے؟ فرمایا کہ شریعت کا علم، انھوں نے کہا کہ متقدمین اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ عقل ثابت طلب کرنی چاہیے۔ حضرت متھا نے حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل دنیا پر ولایت کرتی ہے اور علم اللہ تعالیٰ کے ادا پر ولایت کرتا ہے۔ جو عقل کا اتباع کرتا ہے وہ نفس کا اتباع کرتا ہے اور جو نفس کا اتباع کرتا ہے وہ آگ کا اتباع کرتا ہے، اور جو علم کا اتباع کرتا ہے وہ شریعت کا اتباع کرتا ہے اور جو شریعت کا اتباع کرتا ہے وہ اللہ کا اتباع کرتا ہے۔ جو اللہ کا اتباع کرتا ہے وہ اُس کے نور سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا قل سرب نردخی حللما اور یہ بھی آیا ہے کہ من اعتصم بعقلہ ضل (جس نے عقل پر بھروسہ کیا گمراہ ہو گیا)

اپنے مریدوں اور معتقدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خصوصیت سے توجہ فرماتے، ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ نہایت ہی لطیف انداز میں فرماتے۔ اُن کے جوابات میں جگہ جگہ آیات قرآنی اور احادیث نقل کرتے اور تصوف کی کتابوں کا حوالہ دیتے۔

لے یہ تمام روایتیں دیلمی انداز میں نقلی ہو کر سندھی ادبی بروئے صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳ سے اخذ ہیں۔ دیلمی انداز میں ص ۲۱۵

مرزا بایزید جو ٹھٹھ کا حاکم تھا۔ وہ حضرت متھاکا بے حد متقد تھا۔ جب کبھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا چاندی کے بیس روپے آپ کے قدموں پر رکھتا، ان دوپلوں کو حضرت متھاکے خادموں، ملازموں اور فقراء میں سے کوئی نہ چھوتا۔ یہاں تک کہ مرزا بایزید کے خدمتگار ہی ان کو موقع پا کر اٹھالیتے تھے ایک روز مرزا بایزید آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے پوچھا کہ ہم بھی کھاتے پیتے پہنتے اور اپنی میوؤں سے ملاحظت کرتے ہیں، اور آپ بھی۔ فق سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہمارے پاس دینی ساز و سامان بہت زیادہ ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کو اہل اشر کہتے ہیں اور ہم کو اہل دُنیا۔ حالانکہ ہم بھی خدا کی طلب اپنے حوصلے کے مطابق کرتے ہیں۔ حضرت متھانے اس کے جواب میں فرمایا کہ تم نے جو کچھ سوال کیا بہت ٹھیک کیا۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدنیا جيفة وطالبها كلاب (دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں) ہم اہل اللہ اس سے اس قدر حاصل کرتے ہیں کہ جس کے حصول کے بغیر چارہ نہیں اور اس مردار سے ایک ہی لقمے پر اکتفا کرتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں اور تم اس مردار کے دو تین لقموں پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ خوب (پیٹ بھر کر) مردار کھاتے ہو۔ اُسی کے ساتھ سوتے ہو۔ اسے اپنے لئے نعمت سمجھتے ہو، اُس سے لذت حاصل کرتے ہو اور غیر معمولی محبت رکھتے ہو۔ قرآن مجید میں ہے :-

زين للناس حب الشهوات من النساء والبنات

المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة

۱۰۔ مرزا بایزید بخاری جلوس جہانگیر کے پندرہویں سال ۱۰۲۸ھ میں منصب دوہرازی اور ایک ہزار پانچ سو سواروں کی سر فرازی کے ساتھ جہانگیر کے علم سے فوجداری جھکے سے منتقل ہو کر ٹھٹھ کا صوبہ مقرر ہوا۔ اس کے بعد نواب شریف الملک یک چشم جس کا تذکرہ کسی گذشتہ فٹ نوٹ میں گذر چکا۔

ٹھٹھ کا گورنر مقرر ہوا۔ (تحفة الکرام جلد ۲ صفحہ ۹۴)

والانعام والحشر ذلك متاع الحياة الدنيا

اور اہل فقر کا مشرب اس آیت کریمہ سے یہ ہے کہ :-

واذکر اسم ربك وتبتل الیہ تبثیلا

پھر مرزا بائیزید نے پوچھا کہ بعض اہل اللہ جو مرتبہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ پر فائز ہیں تو پھر وہ کس لئے نماز ادا کرتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ شب معراج میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عالم ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت سے گزر کر قرب حق سے اس طرح داخل ہوئے کہ جیسے آنکھ کی سفیدی سیاہی کے ساتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب جیسا کہ صورت کا عکس پتلی میں ، پس اس وقت آپ نے ایک آواز سنی جو حضرت ابو بکر صدیق کی آواز کے مشابہہ تھی کہ :-

قف ان ربك فی الصلوة
ای فی الرحمة علیك وعلی
تھہر جاؤ کہ تمہارا رب نماز
میں ہے ۔ یعنی تم پر اور تمہاری امت
پر رحمت بھیج رہا ہے ۔

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ، اے پروردگار تیری نماز کیا ہے اور کس کے لئے ہے ۔ فرمایا کہ میری نماز میرے لئے ہے کہ اپنی ذات کی ثنا اپنی ذات کے لئے ہے ۔ رسول اکرم نے فرمایا :-

لا احصى ثنا علیك
کما انت کما اثنت علی
تیری ثنا اس طرح ممکن نہیں
کہ جس کا تو مستحق ہے اور جیسا تو اپنی
ذات کی ثناء کرتا ہے ۔

ایک درویش نے جو اس گفتگو کے وقت حاضر تھے کہا کہ آپ جو معراج کا مرتبہ بیان کرتے ہیں یہ تو ہر ایک کو حاصل ہے ۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے :-

نحن اقرب من جبل الوريد

آپ نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ پوچھا ٹھیک پوچھا۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آئینے کے دور رخ ہوتے ہیں۔ ایک رخ بالکل مجلی و صاف ہوتا ہے اور دوسرا مکرر جو ذرا سی بھی صفائی نہیں رکھتا۔ پس انبیاء اور اولیاء اللہ صاف آئینہ رکھتے ہیں، کہ جو الوہیت کا منظر ہے۔

حضرت متھا بعض مرتبہ اپنے غفوفات میں نہایت ہی لطائف پیدا فرماتے تھے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر میرے نام کے پہلے حرف کو رفع دیا جائے یعنی مٹھا کہا جائے تو میں مغضوب ہو جاؤں گا، اور اگر میرے نام کے پہلے حرف کو نصب دیا جائے یعنی مٹھا کہا جائے تو میری قیمت گر جائے گی۔ میں نے تو کسر نفسی ہی سے شیرینی حاصل کی ہے۔ اسی لئے میرا نام بھی لوگوں کو حلاوت اور شیرینی بخشتا ہے۔ اسی بنا پر لوگ مجھے میرے نام کے پہلے حرف کو کسرہ دے کر مٹھا کہتے ہیں۔

آپ ساری عمر ٹھٹھ کی مسجد جامع فرخ میں مقیم رہے اور ٹھٹھ ہی میں آپ نے وفات پائی۔

آپ کا مزار کوہ مکلی پر پیراسات کی سیڑھیوں کے متصل واقع ہے۔

درویش جمعہ جارحہ | درویش جمعہ جارحہ بھی حضرت مخدوم کے جلیل القدر مریدوں اور خلفاء میں تھے۔ یہ حضرت سید علی متعلوی کے توسط سے

حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت حاصل کیا۔ ان کی عظمت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخدوم یوسف کے صاحبزادے مخدوم امام ایک مرتبہ حضرت

لے یہ واقعہ دلیل الذاکرین ص ۲۱۸ کی ایک طویل روایت سے اختصار کے ساتھ ماخوذ ہے۔

لے تحفہ الطاہرین ص ۳۶ جامع فرخ کی تعمیر ثنائی شاہجہاں نے اپنے دور حکومت میں کرائی تھی۔ شاہجہاں کا عہد حکومت ۱۶۲۷ء سے ۱۶۵۷ء تک ہے۔ لے لطائف و قات اور مزار کے متعلق معلومات تحفہ الطاہرین ص ۱۶ سے ماخوذ ہیں۔

سید علی متعلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاضرین مجلس میں سے بعض نے جو مخدوم امام کو جانتے تھے کہا کہ ایک بزرگ جو بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں اور خود بھی مردانِ خدا میں سے ہیں آپ کی خدمت میں تشریف لائے ہیں۔ آپ نے یہ سنا تو فرمایا کہ اس زمانے میں مردانِ خدا میں سے ایک میں ہوں اور دوسرے جمعہ جارحیہ، اس کے علاوہ میں اس ملک میں کسی تیسرے کو نہیں جانتا۔ مخدوم امام فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کے بعد میرے سر سے پندار اور خودی کا نشہ اتر گیا اور میں نے اپنی حقیقت کو پہچان لیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اقلیمِ محبت کی خلافت مجھ کو حاصل ہے، جس کو عشق کی منزلوں میں کوئی منزل پیش آئے اُسے ہم سے حاصل کرنا چاہیے۔

حضرت نوح کا ریمہ | حضرت بہار الدین دلق پوش کا بیان ہے کہ درویش نوح

کاریمہ جب حضرت مخدوم سے مرید ہوئے اور آپ نے انھیں ذکرِ حلی کی تلقین کی تو ان کے اعضا کا بند بند جدا ہو جاتا تھا۔ صاحبِ خوارقِ ذکر اُمات تھے۔ صاحبِ دلیل الذاکرین نے آپ کی متعدد کرامات کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔

حضرت شیخ محمود | حضرت شیخ محمود ولد شیخ فخریہ بھی حضرت مخدوم کے خاص

مریدوں میں تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میری زبان میں لکنت تھی۔ میری والدہ مجھے مخدوم کی خدمت میں لے کر آئیں، اور عرض کیا کہ اس بچے کی زبان میں لکنت ہے، کسی طرح یہ دور ہو جائے۔ اس وقت حضرت مخدوم کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے اپنے منہ میں سے کچھ ٹکڑا میرے منہ میں رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ بچہ فصیح اور کلامِ اللہ کا حافظ اور اپنے وقت کا دلی کابل اور شیخ ہو گا۔ چنانچہ حضرت مخدوم کے ممتاز خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

اس دور کے ایک بزرگ ریدنہ کا بیان ہے کہ میں نے چند سال تک پہاڑوں میں مجاہدے کئے ہیں اور آبادی میں نہیں آیا۔ صرف گھاس سے افطار کرتا تھا، لیکن شیخ محمود بارہ سال تک پہاڑوں میں مجاہدے کرتے رہے اور ایک دفعہ بھی آبادی میں نہیں آئے اور ہمیشہ گھاس سے افطار کرتے رہے۔

ایک دفعہ مخدوم بہاء الدین دلق پوش سے کسی نے سوال کیا کہ ذکر کی کتنی قسمیں ہیں، اور ان میں ذکر حقی کون سا ہے۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ میری تقریر اس باب میں اتنی شکل ہوگی کہ شاید تم نہ سمجھ سکو، اس لئے تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم یہ سوال سلطان الواصلین حضرت مہتاش سے کرو کہ وہ نہایت آسان طریقے پر تمہیں جواب دے کر مطمئن کر سکیں گے۔ وہ شخص آپ کے ارشاد کے مطابق حضرت مہتاش کے خدمت میں حاضر ہوا اور وہی سوال آپ سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کتاب آئینہ روشن جو تصوف کے موضوع پر ہے لاؤ اور اُس کے فلاں باب کو دیکھو اُس میں لکھا ہے کہ ذکر کی آٹھ قسمیں ہیں۔ پہلے آنکھ کا ذکر، دوسرے زبان کا ذکر، تیسرے کان کا ذکر، چوتھے ہاتھ کا ذکر، پانچویں پاؤں کا ذکر، چھٹے سر کا ذکر، ساتویں قلب کا ذکر، آٹھویں تمام وجود کا ذکر۔ اُس شخص نے پوچھا کہ اس اجمال سے میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ذرا وضاحت اور تفصیل سے بیان فرمائیے، فرمایا اچھا سنو آنکھ کا ذکر یہ ہے کہ تم آنکھ سے قرآن مجید کی تلاوت کرو اور علماء و اولیاء، پیران طریقت اور والدین کی زیارت کرو۔ اور صانع کی صنعتوں اور عجیب و غریب پیدا کی ہوئی چیزوں کو دیکھو۔ اور خراب اور تباہ شدہ مقامات کو دیکھ کر عبرت اور نصیحت حاصل کرو، اور نامحسوس عورتوں، امدوں اور محرمات کے دیکھنے سے اپنی نظر کو روکو۔

زبان کا ذکر یہ ہے کہ اس سے قرآن، تفسیر، احادیث، فقہ اور علوم شریعیہ

اور مشائخ طریقت کے احوال پڑھے جائیں اور لغو و مبہودہ باتوں کے تکلم اور جھوٹ و ہمت و غیبت و چغل خوری اور ان جیسی دوسری باتوں سے زبان کو روکا جائے۔ اور زبان کو قرآن مجید کے تعلیم و تعلم میں صرف کیا جائے یا اگر کوئی ناراض ہو تو اس کے راضی کرنے میں قوت گویائی کو صرف کیا جائے۔

کان کا ذکر یہ ہے کہ اس سے قرآن، مواظظ اور تذکیر اور ان جیسی اچھی اچھی باتوں کو سنا جائے اور جو بُری باتیں ہیں جیسے لغو، لہو، مزامیر، طنبور، دف، کذب، فحش، حاسدانہ باتیں اور غیبت وغیرہ۔ ان سے سماعت کو روکا جائے۔

ہاتھ کا ذکر یہ ہے کہ اُن سے آلاتِ فسق اور حرام اشیاء کو نہ پکڑا جائے۔ اور کسی کو اُن سے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اور اُن سے لوگوں کی خدمت اور اچھے اچھے کام کئے جائیں۔

پاؤں کا ذکر یہ ہے کہ اُن سے انسان علیٰ مجلسوں میں اور مرشدِ کامل کی طلب میں جائے۔ اور فسق و فجور کی مجالس میں جلنے سے پاؤں کو روکے، یا کسی نادانِ قف اور نابینا کو راہ بتائے اور ان تمام نیکیوں کو بجالائے جو قدم سے تعلق رکھتی ہیں۔

سر اور گردن کا ذکر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے امر کے سامنے گردن جھکا دی جائے اور اس سے سرکشی نہ کی جائے۔

قلب کا ذکر یہ ہے کہ نیک اعمال کی نیت اور اُن کا ارادہ دل میں رکھا جائے اور فسق و فجور کے ارادوں سے قلب کو پاک رکھا جائے۔

تمام وجود کا ذکر فروتنی اور اپنی خودی کو راہِ حق میں مٹا دینا ہے۔ اور اپنے اعمال کا محاسبہ ہے اور یہی ذکرِ خفی ہے۔

۱۔ دلیل الذکرین ص ۲۱۲ اس روایت میں جس کتاب کا حوالہ حضرت مہتمم نے دیا ہے افسوس ہے کہ وہ نام کم خوردہ ہو چکی وجہ سے پوری طرح پڑھا نہیں گیا یہ خیال میں جہ نظر بن سکتا وہ ”ایک روشنی“ ہے

درویش زکریا | درویش زکریا بھی حضرت مخدوم کے خاص مریدوں میں تھے۔ یہ قبیلہ بارہ سہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم کی خدمت میں

حاضر ہوئے، آپ نے انھیں ذکر کی تلقین فرمائی۔ ذکر کی تلقین کے ساتھ ہی درویش زکریا پر سجدی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ پندرہ روز تک ایک پہلو پر پڑے رہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر رہے۔ حضرت مخدوم کو ان کی کیفیت معلوم ہوئی تو فرمایا انھیں میرے پاس لے آؤ۔ درویش زکریا آپ کے سامنے لائے گئے، اور آپ کی نظر فیض اثر پڑتے ہی وہ فوراً ہوش میں آ گئے۔ حضرت مخدوم نے ان سے فرمایا جاؤ، فقرا اور اہل اللہ کو دیکھو۔

حضرت درویش زکریا بے حد متبع شریعت تھے۔ درویش حسین تیم کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت درویش زکریا کی ایک بدعتی سے ملاقات ہوئی، آپ نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو جھنگ کا پیالہ پلا رہا ہے۔ اُس نے ایک پیالہ بھر کر آپ کے سامنے بھی پیش کیا آپ نے فرمایا کہ یہ پیالہ کیا پیش کرتے ہو اس کا نشہ تو زائل ہو جاتا ہے۔ ہم تو شریعت کے پیالے کا نشہ رکھتے ہیں جو کبھی زائل نہیں ہوتا۔ یہ سن کر وہ بدعتی اسی وقت تائب ہو گیا اور آپ کی رفاقت اختیار کر لی۔

ایک دفعہ استنجے کے لئے ڈھیلا اٹھایا، وہ آپ کے چھونے سے سونابن گیا اُسے دیکھ کر فرمایا اے پروردگار اگر تمام عالم بھی زروجا ہو جائے تو فقیر زکریا تجھ سے روگردانی نہیں کر سکتا۔

سید اسماعیل بخاری | سید اسماعیل بخاری کا شمار حضرت مخدوم کے جلیل القدر مریدوں میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے وقت کا بڑا حصہ ذکر الہی میں گزارتے تھے۔

ایک دفعہ سید رکن الدین متعلویٰ اور سید عبدالکریم آپ کی خدمت حاضر ہوئے دیکھا کہ زبان سے ذکر الہی میں مشغول ہیں، ان دونوں حضرات نے کہا کہ شغل باطنی کے ساتھ شغل ظاہری لا حاصل ہے، آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ اعضائے ظاہری کو بھی اعضائے باطنی کے ساتھ عبادت میں مشغول رکھنا چاہیئے کہ مشاہدے کے باوجود کب ظاہری بھی ضروری ہے، پھر ان دونوں نے کہا کہ لوگوں کے ازدحام کے باوجود ہم عبادت خداوندی سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ اور تم باوجود شہرت اور خزینہٴ اسرار الہی کے فاسخ ابال نظر آتے ہو۔ سید اسماعیل نے فرمایا تم دونوں نے شہرت کا خیمہ نصب کیا ہے اور اپنے ساتھ لفظ مرشد کا اضافہ کیا ہے۔ فقراء کے مرتبے سے ان باتوں کو کیا نسبت ہے۔

میرن کا تیار | میرن کا تیار اور حضرت سید عبدالکریم متعلویٰ ابتداء میں کاشتکاری کرتے تھے۔ دونوں نے حضرت مخدوم کی ولایت و کمال کا غلغلہ سنا اور ہار کندی پہنچ کر شرف بیعت حاصل کیا۔ حضرت میرن کا تیار کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت مخدوم کے صاحبزادے سلطان ابراہیم کے عقد میں آئیں۔ حضرت میرن کا تیار کو اپنے شیخ سے جو محبت و عقیدت تھی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ متواتر تین سال تک پہینے میں تین مرتبہ اپنے شیخ کی خدمت

۱۔ دلیل الذاکرین ص ۱۲۲

۲۔ میرن کا تیار کے متعلق تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۶۱ پر ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ ابتداء میں آپ کشتی پر جا رہے تھے کہ اچانک آپ پر جذب الہی کی کیفیت طاری ہوئی۔ لوگ ان سے ان کی حالت پر چھتے مگر وہ کچھ جواب نہ دیتے تھے لیکن ایک دفعہ انھوں نے اپنی حالت کسی سے بیان کر دی جس کی وجہ سے وہ کیفیت جانی رہی، اس کیفیت کے زائل ہونے کی وجہ سے وہ کھانے کا طباق سر پر رکھ کر جوگیوں کی طلب میں دیوانہ وار پھرنے لگے، اتفاقاً ان کی ملاقات سید عبدالکریم متعلویٰ سے ہو گئی۔ وہ ان کو مخدوم فوح الہی کی خدمت میں لے کر آئے۔ مخدوم فوح کی ملاقات ہی سے وہ پہلے سے ہی زیادہ عرفان و تصوف کے اعلیٰ مراتب پر پہنچے۔

میں پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔ اور جو کچھ آپ کے پاس نقد اور جنس کی قسم سے ہوتا، اپنے شیخ کی خدمت میں نہایت عقیدت سے نذر گزارتے۔ اور زمانہ قیام ہالہ کنڈی میں حضرت مخدوم کے صاحبزادے سلطان ابراہیم کے گھر میں لکڑیاں چُن کر اُن کا گٹھا بنا کر لاتے، ایک روز سلطان ابراہیم نے اپنے والد حضرت مخدوم معظم سے عرض کیا کہ فلاں سید میرے گھر میں بعض اوقات لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لاتا ہے۔ فرمایا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کا مقتدی و پیشوا ہوگا۔ اس سے کہو کہ وہ لاتا رہے کہ من تواضع لله رفعہ اللہ (جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ اس کو سر بلند کرتا ہے)۔

ایک روز میرن کا تیار نے حضرت مخدوم سے عرض کیا کہ میں نے واقعتاً دیکھا ہے کہ میں مر گیا ہوں اور مرنے کے بعد ماہتاب ہو گیا ہوں۔ فرمایا کہ تم اپنی وفات کے بعد مشہور زمانہ ہو گے۔

حضرت مخدوم کی وفات کے بعد میرن کا تیار تمام عمر اپنے مخدوم زادے سلطان ابراہیم کی خدمت گزاری میں سرگرم عمل رہے۔

حضرت یحییٰ برایتہ | حضرت یحییٰ الملقب بہ رایتہ حضرت مخدوم کے یاروں میں تھے۔ صاحب کرامات تھے۔ امین

ریاضات و مجاہدات کے ماہر تھے۔ ہمیشہ اوراد و وظائف میں مصروف رہتے تھے۔ خصوصاً حرز یمانی، حزب البحر، حزب محبوبی، حزب جعفری، سبعات عشر اور دوسرے اوراد میں مشغول رہتے اور اپنا سارا وقت یاد الہی میں گزارتے تھے۔

حضرت مخدوم معظم کی وفات کے بعد ان کا تمام وقت آپ کے صاحبزادے

لے یہ تمام واقعات دلیل الذکرین ۲۵۲ سے ماخوذ ہیں۔

حضرت سلطان ابراہیم کی خدمت میں بسر ہوا۔

توکل و استغنا کی یہ کیفیت تھی کہ معتقدین جو تحایف اور نذریں آپ کی خدمت میں پیش کرتے وہ آپ فترار میں تقسیم کر دیتے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ خود فلتے سے رہتے۔

حضرت یحییٰ نے سلطان ابراہیم ہی کے سامنے وفات پائی۔

(۵۰)

درویش و ہمہ قدس سرہ

حالات | آپ کا اسم گرامی وہمہ، آپ کے تقدس، زہد و ورع اور محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے صاحبِ حدیقۃ الاولیاء نے آپ اویس ثانی لکھا ہے۔

محبت رسول | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی محبت سے آپ کا قلب سرشار تھا۔ عشق رسول کی یہ کیفیت تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور آپ پر دیر تک گریہ و زاری کی کیفیت طاری رہتی۔ اتباع سنت کا خاص لحاظ رکھتے تھے اور ہمیشہ اتباع شریعت و سنت کی تلقین فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر لوگوں کے متعلق سنتے کہ انھوں نے ذرا بھی شریعت کے خلاف قدم اٹھایا ہے تو بے چین ہو جاتے۔ اور ان کی اصلاح کی کوشش فرماتے تھے۔ بدعات و فسق و فجور کے مٹانے اور شریعت حقہ کو سر بلند کرنے میں آپ تمام عمر سرگرم عمل رہے۔

حدیقۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ

در متابعت سنن پیغمبر کہ مقتضای آیت کریمہ قل

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ وید

محبت اللہ است قیام می نمود۔ و بر اشاعت احکام شریعت

وانہدام اساس بدعت ثابت قدم بود حتی کہ اگر سر موی

خلافت مقتضای شریعتِ غزّا بر سامعہٴ آل صاحبِ صدق
وصفا می رسید قرار و آرام بروی حرام می گردید و در تنبیہ
اصلاح می کوشید ۔

امراء اور اہل حکومت پر اثر | خدائے تعالیٰ نے آپ کی ذات ستودہ صفات میں
وہ ہیبت حق رکھی تھی کہ بڑے بڑے مقرر اور
مرکش امراء حکومت آپ کے ارشاد کی اطاعت کو اپنے لئے موجب سعادت سمجھتے
تھے۔ آپ اکثر امراء و اہل حکومت کو ان کی لغزشوں پر تنبیہ فرماتے رہتے تھے۔ یہی
وجہ تھی کہ آپ کے زمانے میں کوئی حاکم بھی غلامِ شرع قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ اور
آپ کے فیوض و برکات کی وجہ سے ملک کے کسی حصے میں بھی ظلم و بدعت نہ
پایا جاتا تھا۔ آپ کی نگاہ دور رس زندگی کے تمام شعبوں کا جائزہ لیتی اور آپ کے
اصلاحی ہاتھ کا اثر دور دور تک محسوس ہوتا تھا۔

طریقۂ اصلاح | اگر کوئی مرید طالب دنیا ہو کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا
تو نہایت شفقت سے فرماتے کہ پہلے زمانے کے لوگ
طالب دین بن کر بزرگوں کے پاس آتے تھے، اور اتباعِ شریعت کی کوشش کرتے
تھے اور بزرگوں سے صدقِ دل اور یقین کے ساتھ ایمان کی سلامتی کے خواستگار
ہوتے تھے، آج یہ زمانہ آیا ہے کہ تمام لوگ بزرگوں کے پاس مال کے طالب بن کر
آتے ہیں۔ اور متابعِ دنیوی کی کھوئی ٹجست کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہیں۔

ادبِ رسول | آپ کے آئینہٴ اخلاق میں ادبِ رسول و محبتِ اہل بیت کا عکس
سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے ۔

لے یہ فقرہ آپ نے لدہ نامی اپنے ایک خادم سے ارشاد فرمایا تھا جو دودھ کے لئے ایک چوپائے
کا طالب ہوا تھا۔ (حدیثۃ الاولیاء، قلمی ص ۱۵۱ ملوک سندھ یونیورسٹی)

صد ہو نو ہریہ نامی ایک جاہل فقیر جسے عوام اہل اللہ میں شمار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس بد بخت نے اپنی بد بختی و شقاوت کی بنا پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بعض ایسے کلمے استعمال کئے جن میں بڑے گستاخی آئی تھی۔ جب آپ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ بے چین ہو گئے۔ یہاں تک کہ راحت و آرام حرام ہو گیا، اور آپ نہایت مگدہ ہوئے۔ یہ خبر صد ہو نو ہریہ کو پہنچی، وہ شرمندہ ہو کر اور بہت سے تحائف لے کر معذرت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، ابھی وہ دروازہ تک پہنچنے نہ پایا تھا۔ آپ کو اس کی آمد کی اطلاع ملی۔ غصہ سے چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور اسی وقت نہایت درشت لہجے میں فرمایا کہ اس نابکار سے کہہ دو کہ وہ وہیں سے لوٹ جائے اور میرے سامنے نہ آئے، اس خبیث نے جو کلمہ اپنی زبان سے نکالا ہے۔ یقیناً یہ اس کی سزا بھگتے گا اور اسے سانپ ڈسے گا۔ صد ہو نو ہریہ یہ سن کر کانپ اٹھا۔ اور اُس پر شدید خوف طاری ہوا اور فوراً ہی اپنے گھر واپس ہو گیا۔ خوف کی وجہ سے اُس کی یہ کیفیت تھی کہ کتے میں اُس کو ہر چیز سانپ دکھائی دیتی تھی۔ شام کے وقت جیسے ہی وہ اپنے گھر پہنچا اور اپنی سواری سے نیچے اُترا، سانپ نے اُسے ڈس لیا اور اسی رات مر گیا۔

سادات کا یہ سجد احترام فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی اُن کی عزت و توقیر کی تاکید فرماتے تھے۔

ایک روز نصر پور سچی سادات کی مسجد میں آپ تشریف فرما تھے۔ داؤد نامی

لے نصر پور ضلع حیدر آباد میں واقع ہے، سلطان فیروز تغلق نے اپنے ایک امیر نصر نامی کو اس شہر میں حکم دیا تھا کہ سارے کے کنارے ایک قلعہ تعمیر کرے۔ قلعہ کی تعمیر کے بعد یہ شہر اسی امیر کے نام سے آباد ہوا۔ اب وہاں اور کثرتِ باغات اور دریا کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے یہ شہر نے نظیر سمجھا جاتا تھا۔ ترخان امیر اپنی سکونت کے لئے اسی شہر کو پسند کرتے تھے۔ اب اس کے باغات خواب ہو چکے ہیں وہ کیفیت باقی نہیں رہی۔ تحفہ المکرام ص ۱۵۱

ایک بوڑھا تجارتی جو وہیں کاروبار کرنے والا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت مسجد میں لوگوں کا اجتماع تھا اور آپ ان لوگوں کو نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے کہ جب کہ تم سافاتِ عالی درجات کے پُرس میں مقیم ہو، تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ نماز جو دین کا ستون ہے اس کو پابندی سے ادا کرو اور اس کی ادائیگی میں کسی قسم کی سستی و کاہلی اختیار نہ کرو۔ بدبخت داؤد بخار نے یہ سنکر سادات سے اپنی کسی دیرینہ عداوت کی وجہ سے کہا کہ ہم تو سیدوں کے گھروں کو آگ لگا دیں گے اُس بدبخت کی یہ بات سن کر آپ غصے سے بے چین ہو گئے۔ ہر چند سادات نے اُس کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ بوڑھا آدمی ہے اور بہت قدیم زمانے سے ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ اس نے اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کہہ دیا ہے لیکن آپ پر اس سفارش کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ نے اُسی غضب کی حالت میں فرمایا کہ اس شخص کو گت خانی کی یہ سزا ملے گی کہ یہ کنویں میں زندہ دفن ہوگا۔ اس واقعہ کو دو تین روز بھی نہ گزرے تھے کہ ایک ہندو نے شہر نصر پور میں ایک کنواں کھدوایا اور داؤد بڑھی کو اس کنویں پر لکڑی ڈالنے کے لئے بلوایا۔ یہ اور اس کے دو تین ساتھی کنویں کے اندر اتر کر کچھ کام کر رہے تھے کہ اتفاق سے کنویں کی دیوار سے مٹی کا ایک بڑا حصہ گرا۔ جس میں داؤد اور اُس کے تینوں ساتھی دب گئے۔ اس کے ساتھی تو کسی طرح بچ گئے۔ مگر داؤد کی موت اسی کنویں میں واقع ہوئی۔

وفات عارفِ باطن، درویشِ وہیبی نے سن ۱۵۲ھ میں وفات پائی اور موضعِ قریہ میں نہر ساکرہ کے کنارے مدفون ہوئے، آپ کی تاریخِ وفات ماتِ خنی عشق سے نکلتی ہے۔

۱۵۹-۱۵۶-۱۵۴-۱۵۳-۱۵۲ قلمی حوالہ تمام حالات حدیقۃ الاولیاء قلمی حوالہ ۱۶۵-۱۶۴-۱۶۳-۱۶۲-۱۶۱-۱۶۰ سے اخذ ہیں۔

(۵۱)

شیخ الشیوخ شیخ ہوتی لاکھا

حالات شیخ ہوتی لاکھا اپنے وقت کے بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ سندھ کے اولیائے کرام کے سب سے پہلے تذکرے حدیقۃ الاولیاء میں اس کے مؤلف عبدالقادر نے اُن کی عظمت و بزرگی کو ان الفاظ میں سراہا ہے۔

آں سر دفتر مشائخ کبار ، سالار قرائل احرار روزگار ضد
نشین محافل روحانی ، محرم خلوت اسرار یزدانی ، طائر ریاض
قدس ، سائر منازل انس شیخ ہوتی لاکھا از جلد عارفان موتی
و ساکنان مسلک صدق و صفا و صاحب حال و قال بود۔

ریاضت و عبادات ریاضت و عبادات میں آپ کا یہ حال تھا کہ راتوں کو عبادت الہی میں گزار کر صبح کر دیتے اور سارا سارا دن ذکر الہی میں گزارتے۔ وجد و سماع کی طرف بے حد راغب تھے۔ اکثر سُرُخ لباس پہنتے اور تیر و کمان ساتھ رکھتے تھے۔ صاحب کرامات تھے، حدیقۃ الاولیاء اور تحفۃ الکرام میں آپ کی متعدد کرامتیں مذکور ہیں۔

کرامت بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی نماز جنازہ میں اکابر علماء، مفسرین اور اہل اللہ شریک تھے۔ ایک صاحب حال

بزرگ کا بیان ہے کہ میں نمازِ جنازہ میں صفِ اول میں تھا۔ میں نے اپنی دائیں طرف دیکھا کہ خود شیخ ہوتی لاکھا نمازِ جنازہ میں شریک ہیں۔ میں نے حیرت سے اُن سے پوچھا کہ عجیب بات ہے کہ آپ اپنے جانے پر خود ہی نماز ادا فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس پر تعجب نہ کرو اور ہمیں زندہ سمجھو کہ شمشیرِ محبت کے شہید ہمیشہ حیاتِ ابدی حاصل کرتے ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَلَا تَقُولُوا لِمَن یُقْتَلُ فِی سَبیلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَلٰکِن لَّا تَشْعُرُونَ۔

آپ کا مزار موضع موریانی میں مرجع خلق اللہ ہے۔

اولاد

آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک صاحبزادے کا نام احمد اور دوسرے کا محمد تھا۔ یہ دونوں کے دونوں سندھ کے اولیائے کبار میں شمار ہوتے ہیں احمد مقامِ قرب حق میں مرتبہِ عالی پر فائز تھے۔ صاحبِ حال، واصلِ حق اور مستجاب الدعوات تھے۔ کبھی ایسا نہ ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی دُعا فرمائی ہو اور وہ قبول نہ ہوئی ہو۔ اکثر محفلِ ذکر و سماع میں شریک ہوتے اور آپ پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہوتی۔

آپ کے دوسرے صاحبزادے محمد بھی صاحبِ زہد و ورع اور حُسنِ فطرت و کلام اللہ تھے۔ اُن کے وقت کا بڑا حصہ عبادات و مجاہدات میں گزرتا تھا اور اپنا تمام وقت اوراد و وظائف اور ذکرِ الہی میں گزارتے تھے۔

دونوں صاحبزادوں کا مزار اپنے والد بزرگوار شیخ ہوتی لاکھا کے مزار کے قریب موضع موریانی میں ہے۔

مزار

لے شیخ ہوتی لاکھا اور اُن کے دونوں صاحبزادوں کے حالاتِ حدیثۃ الاولیاء، قلمی صفحہ

(۵۲)

درویش یعقوب پلچ

حالات | درویش یعقوب پلچ صاحب حال اور اہل کمال بزرگ تھے اور مرزا شاہ حسن ارغون کے ہم عصر تھے۔ ان کی متعدد کرامتوں کے تذکرے تحفۃ الکرام اور حقیقۃ الاولیاء میں ملتے ہیں۔

مرزا شاہ حسن ارغون کے عہد حکومت میں ایک رئیس آپ سے بید عقیدت وارادت رکھتا تھا۔ لیکن مرزا شاہ حسن کسی وجہ سے اس رئیس سے مکدر تھا، ایک دفعہ مرزا شاہ حسن اپنے لشکر و خزانے کو لے کر کشتیوں میں کسی جگہ روانہ ہوا۔ جب اس رئیس کے گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نے اپنی کشتی رکوائی اور اس رئیس کو اور اس کے بھائی کو طلب کر کے دونوں کو قتل کروانے کا فرمان صادر کر دیا۔ صدر فرمان کے ساتھ ہی جلاد نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ خوف و دہشت سے کسی طرح بھاگ کر درویش یعقوب کی خدمت میں پہنچا، اور اپنا سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم مطمئن رہو تمہیں کوئی قتل نہیں کر سکتا، اب تم اطمینان سے شاہ حسن کی خدمت میں حاضر ہو۔ بجائے اس کے کہ تمہیں قتل کرے وہ تمہیں پنج نوبت اور خلعت سلطانی سے سرفراز فرمائے گا۔ اور تمہارے بھائی کے قتل کا خون بہا بھی دے گا۔ یہ رئیس آپ کے ارشاد کے مطابق نہایت خلوص و اعتقاد سے شمشیر گردن میں ڈال کر شاہ حسن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ حسن نے نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ درویش یعقوب پلچ کی مشکوئی کے مطابق پنج نوبت اور خلعت سلطانی سے سرفراز فرمایا، اُس کے بھائی کا خون بہا

بھی دیا اور شاہانہ الطاف و عنایات سے بھی سرفراز فرمایا۔

وفات کے بعد درویش یعقوب کے روضہ مبارک میں رات کے وقت کچھ ڈاکو آکر سو گئے۔ خواب میں درویش پلیچ نے اُن کو متنبہ فرمایا کہ ایک تو تم یہ افعالِ ذمیرہ کرتے ہو اور پھر ہمارے روضہ میں آکر سوتے ہو۔ میں چاہتا تھا کہ تمہارا وجود جو شجرِ خیمہ کی حیثیت رکھتا ہے، اُسے بیخِ دین سے اکھاڑ کر پھینک دوں۔ مگر میں اس مرتبہ درگزر سے کام لیتا ہوں، ابھی فردا یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر آئندہ تم تائب نہ ہوئے اور اس قسم کی گستاخی کی تو تم اس کا مزہ موت اور دوسرے مصائب کے ساتھ چکھو گے۔ اس خواب کے دیکھنے کے بعد ڈاکوؤں کی آنکھ کھلی۔ وہ دہشت زدہ ہو کر فردا ہی وہاں سے فرار ہو گئے۔ ایک سال گزرنے کے بعد پھر ایک مرتبہ وہ رات کو ڈاکہ ڈال کر آپ کے روضہ مبارک میں سو رہے۔ اس مرتبہ پھر انہوں نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ تم متنبہ کرنے پر بھی باز نہ آؤ۔ اب تیار ہو جاؤ کہ تمہارے قتل کا حکم جاری ہو چکا ہے۔ تم میں سے سوائے ایک کے کوئی زندہ نہ بچے گا۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ وہ اس واقعہ کو لوگوں سے بیان کر سکے۔ ڈاکوؤں کی یہ جماعت نوافراد پر مشتمل تھی۔ خواب دیکھتے ہی پریشان ہو کر اٹھے اور وہاں سے بھاگے۔ جیسے ہی یہ روضہ سے باہر نکلے پولیس ان کی تانگ میں تھی اُس نے ان کو گرفتار کر کے آٹھ کو وہیں قتل کر دیا۔ صرف ان میں سے ایک ڈاکو جان بچا کر بھاگ سکا۔ اس فراری ڈاکو نے یہ ساری داستان لوگوں سے بیان کی اور بہت سے لوگوں نے اس سے عبرت حاصل کی۔

وفات | درویش یعقوب پلیچ نے غالباً اپنے وطن موضع نارہ میں وفات پائی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل حدیقۃ الاولیاء، قلمی ملوکہ سندھ نورسٹی ۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳ سے ماخوذ ہے۔
۲۔ حدیقۃ الاولیاء کا جو نسخہ میرے پیش نظر رہا ہے، اس میں لفظ موضع کے بعد اس موضع کا نام متردک ہے، تحفہ اکرام جلد ۳ ص ۱۴۹
۳۔ یہ راحت مٹی ہے کہ ان کا وطن موضع نارہ تھا قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے اپنے وطن ہی میں وفات پائی ہوگی تحفہ اکرام جلد ۳ ص ۱۴۹

خواتین

نقد

(۵۳)

بی بی تاری

اصل نام بی بی تاری تھا، آپ کا وطن ٹھٹھہ تھا۔ سندھ کے مشہور سومرہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

تمام محاسن کردار کا سرچشمہ خشیت الہی ہے۔ جس قلب میں خشیت الہی نہیں، اس پر ولایت و عرفان کے

نام و خاندان

خشیت الہی

دروازے نہیں کھل سکتے۔

بی بی تاری کا خشیت الہی سے یہ عالم تھا کہ ہمیشہ خوب الہی سے روتی رہتیں اور کبھی لیٹ کر نہ سوتیں۔ اگر نیند کا غلبہ زیادہ ہوتا تو کچھ دیر دیوار کا سہارا لے کر سوتھیں، اور جب آنکھ کھلتی تو آسمان کی طرف دیکھتیں اور روتے ہوئے کہتیں کہ الہی تو وہ کریم ہے کہ تو نے مجھ کو تمام آفات سے محفوظ رکھا، اور میں وہ غافل بندی ہوں کہ ہر وقت تجھے بھلائے ہوئے ہوں۔

روزے بڑی کثرت سے رکھتی تھیں۔ افطار کے وقت یوں ہی کچھ تھوڑا سا چکھ لیتی تھیں۔ تیسرے روز آتش کا

روزہ

اے سومرہ سندھ کی ایک قوم ہے، جس کا جدا علی سومرہ نامی ایک شخص تھا، جو سومرہ خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ ہوا۔ سومرہ خاندان کی حکومت ۴۴۴ھ سے شروع ہو کر ۵۵۴ھ پر ختم ہوئی۔ (تب تاریخ سندھ - معصومی)

نصف پیالہ افطار کے وقت کھاتیں، اور اس میں بھی پانی ملا لیتیں تاکہ بے ذائقہ ہو جائے۔

استجابِ دُعا مستجاب الدعوات تھیں، جو کوئی اُن کی خدمت میں کوئی حاجت لے کر آتا، اُس کے لئے دُعا فرماتیں، اور خدا کے حکم سے اس کی حاجت پوری ہو جاتی۔

مزارِ بی بی تاروی کا مزارِ مٹھہ کے قبرستانِ مکی میں ہے۔

(۵۴) بی بی جمال خاتون سیوخی

نام و خاندان | آپ کا نام بی بی جمال تھا۔ آپ سندھ کے مشہور عارف میاں میر لاہوری کی بہن تھیں۔ ترک دنیا و توکل میں اپنے دور کی راہ پر بھری کہلاتی تھیں۔ انھوں نے تصوف کی تعلیم پہلے اپنی والدہ اور پھر اپنے بھائی سے حاصل کی۔

کرامتیں | دارا شکوہ نے بی بی جمال کی متعدد کرامتیں اپنی مشہور کتاب سفینۃ الاولیاء میں نقل کی ہیں۔ اسی میں سے آپ کی بعض کرامتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں

ایک دفعہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک ٹنگے میں دو من گہو بھرے برابر ایک سال تک آپ اُس ٹنگے سے غریبوں کو گہو تقسیم کرتی رہیں۔ مگر ٹنگے میں کمی نہ آتی تھی۔

ایک دفعہ ایک مچھلی شکار کر کے بی بی جمال خاتون کے پاس لائی گئی، فرمایا اسے اسی طرح رہنے دو، خادموں نے اس مچھلی کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ یہاں تک کہ رکھے رکھے وہ خشک ہو گئی، اس خشک مچھلی سے بھی بعض لوگوں نے عجیب عجیب کتبیں لکھیں

وفات | بی بی جمال خاتون نے ۷۹۰ھ میں وفات پائی۔ غلام سرور لاہوری نے حسب ذیل قطعہ کہا، جس سے آپ کا سنہ وفات نکلتا ہے۔

عارفہ خاتون دیں بی بی جمال

ذات او آمد سعیدہ اعظمہ

ارتحال او چو جہنم از حشر

شد نما از دل وحیدہ عالمہ

۱۰۴۹ھ

(۵۵)

بی بی رانی

حالات | بی بی رانی ٹھٹھ کی رہنے والی اور اپنے وقت کی ولیہ کاملہ تھیں۔ ان کا شمار اس زمانے کے اصحاب عرفان میں ہوتا تھا، ولایت کے جلیل القدر مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود اپنے حالات کو اس قدر چھپاتی تھیں۔ کہ کوئی بھی اُن کے متعلق یہ نہ جانتا تھا کہ وہ عرفان و ولایت کا جو ہر کامل اپنے اندر رکھتی ہیں۔

اتفاقاً ایک مرتبہ اُن کا ایک پڑوسی کسی سخت بیماری میں مبتلا ہوا وہ اپنی عقیدت و ارادت کی بنا پر حقائق و معارف آگاہ حضرت بہار الدین فقیر گوڈیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ آپ نے اس کا حال سن کر مراقبے میں سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ تم نے کسی صاحبِ دل کو اپنی کسی حرکت سے تکلیف پہنچائی ہے، اُن کی بددعا کا تیر تمہارے وجود میں اس طرح بیٹھا ہے کہ میں ہر چند کوشش کرتا ہوں مگر وہ تیر تمہارے جسم سے نہیں نکلتا، تمہارا چارہ کا میری دسترس سے باہر ہے، لیکن تمہارے پڑوس میں ایک خاتون رہتی ہیں جو بہت بڑی صاحبِ دل، پارسا، متقی اور اپنے وقت کی ولیہ کاملہ ہیں، ان کا نام بی بی رانی ہے۔ تم اُن کی طرف رجوع کرو۔ میرا خیال ہے کہ اُن کی دُعا سے تمہاری مشکل حل ہوگی۔ وہ شخص فوراً ہی بی بی رانی کی خدمت میں پہنچا، اور

نہایت ہی مضطرب ہو کر اپنی تکلیف اُن سے بیان کی۔ بی بی رانی نے فرمایا کہ پریشان مت ہو، انشاء اللہ تم اچھے ہو جاؤ گے، پھر فرمایا کہ میں گوشہ تنہائی میں اپنی زندگی گزارتی تھی اور کوئی مجھ سے واقف نہ تھا، اب عالم آشکارا ہو کر زندگی کا کوئی لطف نہیں۔ اس لئے دنیا سے اٹھ جانا ہی بہتر ہے۔ آپ کی اس بشارت کے تیسرے روز اُس شخص نے اپنی بیماری سے صحت پائی۔ اور اُسی دن بی بی رانی نے وفات پائی اور چھٹھ کے محلہ تندر میں مدفون ہوئیں۔

[illegible]

(۵۶)

بی بی فاطمہؑ

معروفہ

بی بی حاجیانی

نام و عرف اصل نام فاطمہ تھیں۔ مٹھمٹھ کی رہنے والی تھیں۔ جب آپ حج و زیارت سے فارغ ہو کر آئیں تو لوگوں میں بی بی حاجیانی کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔

عبادت و ریاضت حافظ قرآن مجید تھیں، اور تلاوت قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتی تھیں۔ جب حج کے لئے تشریف لے گئیں تو دوران سفر میں رات اور دن میں ایک قرآن مجید ختم کرتیں اور اس کا ثواب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخشی تھیں۔

استجاب دعا مستجاب الدعوات تھیں۔ مشہور ہے کہ جب آپ حج و زیارت سے فارغ ہو کر حرمین شریفین سے واپس ہونے لگیں تو راستے میں سمندری ایسا خوفناک طوفان آیا کہ جو مسافر کشتی میں سوار تھے۔ ان کی جان کے لئے پڑ گئے اور ہر ایک اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ مسافر پریشان ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، آپ مستجاب الدعوات ہیں

دُعا فرمائیے کہ ہم اس مصیبت سے نجات حاصل کریں۔ بی بی حاجیانے نے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت ہی تضرع اور زاری سے کہا۔ اپنی میں تیری رضا پر راضی ہوں، اور تیرے حکم کے سپرد اپنی جان کرتی ہوں، لیکن یہ تیرے ضعیف بندے تیرے کرم پر بھروسہ رکھتے ہیں، ان کے حال پر رحم کرو اور ان کی مصیبت کو آسان فرما۔ ابھی وہ دُعا ہی میں مصروف تھیں کہ طوفان رُک گیا اور کشتی کو مخالف ہواؤں سے نجات حاصل ہوئی، سب لوگ مطمئن ہو گئے۔

مدفن | بی بی فاطمہ ٹھٹھہ کے قبرستان مکی میں مدفون ہیں اور آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(۵۷)

بی بی نور بھری

حالات

آپ کا نام بی بی نور بھری تھا۔ اور قوم دبہ گراں سے تعلق رکھتی تھیں
آپ پر جذب و سلوک کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ صاحب تحفہ الکرام کا بیان
ہے کہ وہ اپنے وقت کی راہنہ ثانی تھیں۔ آپ کا مزار نصر پور کے بازار میں
زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

تمام شد



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

www.pdfbooksfree.pk